دارالانشاد اکبرآباد کا مصوّر مجلّہ علمیہ و ادبیہ

پیمانہ

زیر نظر

ساغر نظامی سیمابی (ع)

نظامِ پیمانہ

(۱) پیمانہ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخوں میں جبکہ سی روزہ کاوشوں سے دل اور دماغ واماندہ و بے کیف ہو جاتے ہیں، شرابِ سرور اور روحِ تازہ لے کر باتصویر شائع ہوتا ہے۔

(۲) علمی و ادبی اختراعات عالیہ، مختصر فسانے، ساحر نظمیں، نسائی کلام نثر و نظم، جدید معلومات اور مشاہیر شعراء کے تازہ کلام کی نشر و اشاعت پیمانہ کے رنگین مقاصد ہیں۔ پیمانہ خشکیات، سیاسیات اور مذہبیات سے تر دامن نہیں ہوتا۔

(۳) پیمانہ کی قیمت عام حضرات سے پانچ روپیہ ۸ر سالانہ۔ اور تین روپیہ ششماہی مع محصول مقرر ہے جو بذریعہ منی آرڈر وصول ہونی چاہیئے "وی۔پی" کا طریقہ ہمارے یہاں ناقابلِ عمل ہے۔ نمونہ کے لئے ۸ر کے ٹکٹ بھیجئے ورنہ تعمیلِ ارشاد نہ ہوگی۔

(۴) اپنا نمبر خریداری یاد رکھئے اور خطوط میں اس کا حوالہ ضرور دیجئے۔ تاکہ ہمیں جواب میں آسانی ہو۔

منیجر پیمانہ آگرہ

اجرتِ نامۂ اشتہارات

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	¼ صفحہ		تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	¼ صفحہ
۱۲ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]		۳ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۶ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]		۱ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]

... شرمناک اشتہارات پیمانہ میں درج نہ ہو سکیں گے۔ اشتہارات کے ساتھ ہی قیمت بذریعہ منی آرڈر وصول ہونی چاہیئے۔ ورنہ اشتہار ...

منیجر رسالہ پیمانہ آگرہ

سکوت

قیمت سالانہ ۸ر
ششماہی سے،

صفحۂ تعارف

جلد ۴ | پیمانہ اکتوبر ۱۹۲۵ء | نمبر ۴

نمبر شمار	عنوانات	ناظم یا ناثر	صفحہ
	تصویر		
۱	صفحۂ تعارف	ایڈیٹر	۳
۲	جُرعات	ایڈیٹر	۴
	ادبیات	.	۷
۳	ہندوستان میں فن تعمیر کا انحطاط	مولانا مسعود الرحمن ندوی	۸
۴	تعبیر گناہ (نظم)	شمشاد حسین منظر صدیقی اکبرآبادی	۱۰
۵	جواہر خانۂ منطق	سید طالب علی طالب الہ آبادی	۱۱
۶	سراب (نظم)	ایڈیٹر	۲۰
۷	الیاس	حاجی محمد صادق ایوبی	۲۱
۸	میرے کمرہ کی تصویریں شائع ہیں!	ایڈیٹر	۲۴
۹	تاریخ نقاب (نظم)	ایڈیٹر	۲۵
۱۰	کشمیر اور گلمرگ کی سیر	سید نثار حسین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ (ریٹائرڈ)	۲۷
۱۱	مقتل خرام (نظم)	ایڈیٹر	۳۱
۱۲	آنسوؤں کے چند قطرے	حکیم سید علی کوثر چاندپوری	۳۳
۱۳	آشا (افسانہ)	محمد عمر شوکت تھانوی	۳۴
۱۴	خواب تجلی (نظم)	مولانا حبیب اللہ ضیائی	۳۸
۱۵	سزائے موت (افسانہ)	سراج الدین احمد نظامی	۳۹
	سکوت		
۱۶	سکوت (نظم)	ایڈیٹر	۴۶
۱۷	انسان (ڈراما)	ایڈیٹر	۴۸
۱۸	؟ (نظم)	علامہ سیماب صدیقی اکبرآبادی	۵۲
۱۹	صحافت حاضرہ پر ایک نظر	ایڈیٹر	۵۳
	نسائیات	. . . . .	۵۷
۲۰	حیات طیبہ	مولانا وحید الدین سلیم	۵۸
۲۱	عصمت (نظم)	خورشید اقبال حیا	۶۵
۲۲	میری سہیلی	ز-ب-ن-	۶۶
۲۳	گلبدن بیگم	محمد علم الدین سالک بی-اے	۶۷
۲۴	عورت اور میدان جنگ	ایڈیٹر	۷۱
۲۵	تذکرہ جمیل		۷۲
	معلومات	. . . .	۷۳
۲۶	حوادث کونیہ		۷۴
۲۷	کوائف مجلسیہ		۷۸
۲۸	زعفران زار		۷۹
	الہامات	. . . .	۸۰
۲۹	کلام المشاہیر	مشاہیر شعرائے ملک	۸۱

جُرعات

عذرِ تاخیرِ اشاعت کا مسئلہ جسقدر صبر آزما ہے اسباب تاخیر کا تنوع اسی قدر تعجب خیز ہے کہ باوجود پوری کوششوں کے رسالہ ہنوز وقت پر نہیں آیا۔ مساعی کی رفتار کچھ اور زیادہ سریع کردی گئی ہے۔ اور یقین ہے کہ دسمبر تک پیمانہ وقت پر شائع ہوسکیگا انشاءاللہ تعالیٰ۔

گرچہ افتادز زلفش گرہے درکارم | ہمچناں چشم امید از کرمش مے دارم
منم آن شاعرِ ساحر کہ بافسونِ سخن | از نئے کلک ہمہ شہد وشکرمے بارم
بصد امید نہادیم دریں بادیہ پائے | اے دلیلِ دلِ گم گشتہ فرو مگذارم

"پیمانہ" کے دوست نما دشمنوں میں اب صرف "ایک نیرنگ خیال باقی ہے۔ باقی یا تو امتداد کے ہاتھوں فنا ہوگئے یا پشیمان ہوکر خاموش ہیں۔ نیرنگ خیال" کی خذف باری سے ہمیں مطلقاً اعتنا نہیں۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے شیشے کے گھر بنا رکھے ہیں وہ کلوخ اندازی سے لرزہ براندام ہوسکتے ہیں۔ فراموش کار مدیر کو اپنے اُن خطوط کی یاد ملحوظ ذہن رکھنی چاہیئے۔ جو اجرائے نیرنگ" سے پہلے وہ ہمیں بھیج چکے ہیں (اور جو ہمارے پاس بجنسہ محفوظ ہیں) احتیاط اجازت نہیں دیتی کہ ہم انہیں افشا کردیں اسکے بعد انہیں دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے پہلے اپنی آنکھوں کا شہتیر دیکھنا چاہیئے وہ اُس دست کو بازو کی قربی سمجھ کر مشتاق پنجہ کشوں سے زور آزما ہونا چاہتے ہیں۔ کلائی اُتر گئی تو قلم ہاتھ سے چھوٹ پڑیگا۔ مستقبل اُنکے لئے ایک ندامت اور ایک انفعال لئے ہوئے ہے۔ ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ پیمانہ عیوب و اغلاط سے خالی ہے لیکن جب نیرنگ کیطرف نظر اُٹھاتے ہیں تو وہ بھی آسمانی صحیفہ نظر نہیں آتا۔ جن مضامین پر نیرنگ کو ناز ہے وہ اسی طرح کھوکھلے اور بے معنی ہیں جسطرح دماغ مدیر ذاتی توت و نکات سے خالی ہے۔ روپیہ صرف کرکے جو مضامین حاصل کئے جاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور کرایہ کے مضامین سے عمر بھر کام ہی نہیں چل سکتا، "پیمانہ" نے صرف "نیرنگ" کو نہیں بلکہ اکثر رسالوں کو ایک نئی شاہراہ بتائی ہے۔ "ایجادات پیمانہ" کی تقلید جس وسعت اور شوق سے ملک میں کی جارہی ہے۔ اُسکا اظہار تحصیل حاصل ہے۔ واقعات عالم کی تلخیص الہامات کی ترکیب تصاویر کی تنظیم، وغیرہ ایسے درس ہیں۔ جنکا معلم صرف "پیمانہ" ہے۔ سعادتمندانہ روش چھوڑ کر نومشق مقلدین کو اُستاد کے منھ نہ آنا چاہیئے۔

اُس خاص نمبر کی "تقریب" اس وقت میرے سامنے ہے جس میں تمام مضامین صرف ایڈیٹر کے شائع ہوئے ہیں یہ جملہ بالخصوص مجھے مزہ دے گیا کہ "اس یوسفستان کو جو پرتو خیال منور کررہا ہے۔ اسکی ہزاروں جھلکیوں میں چند رنگ بار بار نظر آئینگے۔ اور ان کا امتزاج ہر بار ایک لطیف تنوع پیدا کریگا۔"

اظہار حقیقت مگر دقت مطالب و مفہوم کے ساتھ! سچ تو یہ ہے جو مضامین مختلف طبیعتوں سے پیدا ہونگے اور جنہیں مختلف قلمیں مرتب کرینگی ان میں مختلف رنگوں کا پیدا ہونا بدیہی اور لازمی ہے ورنہ ایک حقیقی انشا پرداز کا رنگ ہمیشہ واحد ہوتا ہے۔ جو مختلف موضوعات کی تدوین میں قطعاً نمایاں رہتا ہے۔ جسے دیکھ کر ہر فہیم پہچان سکتا ہے کہ یہ مضمون کسکا لکھا ہوا ہے۔ دعا دیجئے مولانا محمد الدین تاثیر ایم۔ اے۔ کو جنکی دستگیری "نیرنگ" کو ابتک سنبھالے ہوئے ہے، ورنہ ان کی ایک مختصر علیحدگی نے تمام نظام نیرنگ برہم کردیا تھا۔ نیرنگ کو اشاعت تصاویر پر ہمیشہ ناز رہا ہے، اور حال یہ ہے کہ مسٹر چغتائی کی بعض تصویروں کے علاوہ جتنی تصویریں شایع ہوئی ہیں یا تو وہ شائع شدہ ہیں یا کسی انگریزی رسالہ سے رہین اقتراض ہیں۔ نومبر نمبر کے لئے مس ہولٹ کی تصویر اور غازی عبدالرحمن شہید کی تصویر کا اعلان کیا گیا ہے۔ مس ہولٹ کی تصویر مع سوانح رسالہ شمع آگرہ کے تیسرے نمبر میں شائع ہوچکی ہے۔ اور غازی موصوف کی تصویر ہندوستان کے کئی رسالے شائع کرچکے ہیں۔ نیرنگ کے ٹائٹل پر جو عجیب اور بے معنی خاکہ کھینچا گیا ہے اس سے ارباب نیرنگ کے مذاق صحیح کا پورا پتہ چلتا ہے۔

"پیمانہ" اگر وقت پر شائع نہیں ہوتا تو اسکا تعلق سب سے زیادہ نیرنگ کو ہے، مگر شاید اُسے معلوم نہیں کہ "پیمانہ" کرایہ کے مضامین کبھی شائع نہیں کرتا۔ اسکے لئے اکثر مضامین اور بیشتر نظمیں مجھے خود لکھنی پڑتی ہیں اور اُسکے فاضل مضمون نگار محنت و تحقیق کے بعد اسکے لئے مضامین نیا کرتے ہیں جو کچھ اُسمیں شائع ہوتا ہے وہ ایک خاص معیار لئے ہوئے شائع ہوتا ہے، تمسخر آمیز پھُس پھُسے مضامین لکھواکر رسالہ وقت پر شائع کردینا کوئی اہم اور قابل تحسین کارنامۂ ادارت نہیں ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ نیرنگ کی مُنہ زوریوں کے جواب سے "پیمانہ" کے صفحات سیاہ کئے جائیں، مگر صرف اس لئے کہ صاحب نیرنگ کو میری خاموشی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ ملے مجبوراً کچھ لکھنا پڑا، اور اب بھی قلم در دست منتظر و مستعد
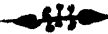
علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے آیندہ دسمبر میں پنجاہ سالہ جشن جوبلی کے انعقاد کا اعلان ہوا ہے اس انعقاد سے مقصد یہ ہے کہ یونیورسٹی کے ماضیات پر روشنی ڈالی جائے، اور متعلقات تعلیم پر مختلف دلکش ذرائع سے نتیجہ آفریں بحث ہو، یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے جوبلی کو مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مسلمانوں کو وسیع پیمانے پر دعوت شرکت دی ہے، مسلم تعلیمی کانفرنس مُسلم لیگ اُردو کانفرنس اور اُردو پریس کانفرنس کے سالانہ اجلاس بھی اسی زمانہ میں جوبلی کے ساتھ ساتھ منعقد ہونگے اور اس طرح مختلف ارباب علم کا یہ ایک ایسا اجتماعی ہفتہ ہوگا جسکی نظیر غالباً یونیورسٹی کی تاریخ خود بھی نہیں دے سکتی۔

مسلم یونیورسٹی نے گذشتہ پچاس سال میں جو احسانات قوم کے بچوں پر کئے ہیں اور جسطرح اپنے وجود کو ملک کے لئے سبب رحمت ثابت کیا ہے وہ بغیر کسی تردید و تمحیص کے تسلیم کرلینا پڑے گا، الہ آباد اور پنجاب یونیورسٹی کے ہاتھوں مسلمان طلباء کی کامیابیوں کا خون جس بیدردی اور سخت گیری سے کیا جاتا تھا وہ مسلم یونیورسٹی کے انعقاد کے بعد قطعاً رحمت اور برکت سے مبدل ہوگیا، مُسلم یونیورسٹی نے اپنی علم آفریں فضا سے ایسے ایسے رجال العلم پیدا کئے جو ملک کے مختلف دفتری اور قومی شعبوں میں ہمہ گیری کے ساتھ مصروف تنظیم ہیں۔ ان تمام باتوں پر نظر رکھتے ہوئے بالو نہیں آتا کہ جوبلی کے موقع پر کسی گوشۂ ملک سے صدائے لبیک بلند نہ ہو۔

ایڈیٹر

ادبیات

"پیمانہ" اکتوبر ۱۹۲۵ء

خلاصۃ الباب:-

مضمون	مصنف
(۱) ہندوستان میں فنِ تعمیر کا انحطاط	مولانا مسعود الرحمٰن ندوی
(۲) تعبیر گناہ (نظم)	منظر صدیقی سیمابی اکبرآبادی
(۳) جواہر خانۂ منطق	طالب الہ آبادی
(۴) سراب (نظم)	ایڈیٹر۔
(۵) الیاس	حاجی محمد صادق ایوبی
(۶) میرے کمرے کی تصویریں شاعر ہیں۔	ایڈیٹر۔
(۷) ماہ بے نقاب (نظم)	ایڈیٹر۔
(۸) کشمیر اور گلمرگ کی سیر	نثار (علیگڑھ)
(۹) منتقل خرام (نظم)	ایڈیٹر۔
(۱۰) آنسوؤں کے چند قطرے	حکیم کوثر چاندپوری
(۱۱) آشا (فسانہ)	شوکت تھانوی
(۱۲) خواب تجلی (نظم)	مولانا فضائی سیمابی ٹونکی۔
(۱۳) سزائے موت (فسانہ)	نظامی (لاہور)
(۱۴) سکوت (نظم)	ایڈیٹر
(۱۵) انسان (ڈراما)	ایڈیٹر
(۱۶) ؟ (نظم)	مولانا سیماب اکبرآبادی
(۱۷) صحافت حاضرہ پر ایک نظر	ایڈیٹر۔

ہندوستان میں فن تعمیر کا انحطاط

فن تعمیر کی ہندوستان میں پہلے کیا حالت تھی۔ یہ ایک سوال ہے جسکا جواب آجکل بہت مایوس کن ہے۔ واقعہ تو یوں ہے کہ موجودہ زمانہ میں فن تعمیر۔ سنگ تراشی۔ موسیقی۔ مصوری۔ اور نظم کوئی ایجاد و اختراع ایسی نہیں ہے جو زمانہ قدیم کے اعلیٰ نمونہ سے گوئے سبقت لیجانا تو درکنار برابری کا دعویٰ بھی کر سکے۔

ازمنہ قدیم میں ہندوستان جنت نشان فنون لطیفہ کا قابل قدر گہوارہ اور مہد تھا مختلف فنون جمیل اسی سرزمین کی آغوش میں بام ترقی تک پہونچے ہیں۔ ہندوستان کو غالباً ایک صدی قبل فن تعمیر کے متعلق اپنے محیر العقل نوادر دکھانے کا زریں موقعہ تھا۔ وہ دور تھا کہ جسوقت ماہرین فن تعمیر کی ہندوستان کے متمول افراد کی طرف سے عزت افزائی ہوتی تھی۔ اسی سبب سے فن تعمیر عرصہ تک ہندوستان میں زندہ رہا۔ لیکن وائے حسرت! افسوس کہ ایک وہ دور آیا کہ جس کو فن تعمیر کا دور انحطاط و تنزل کہا جاتا ہے۔ ذیل میں فنون لطیفہ کے ماہر اور ایک فاضل جاپانی مسٹر کا کاسواؤ کاکوڑا کے مختصر خیالات ہندوستانی فنون لطیفہ کے انحطاط کے متعلق درج کئے جاتے ہیں جو آج سے دس سال قبل موصوف نے ظاہر کئے تھے۔

"مہاراجہ اشوک کی شان و شوکت اور عظمت ذبیروت جوارض بہار اور خاک گیا کے منہدم پتھروں میں تھی صفحہ دل سے بالکل محو ہو چکی ہے۔ وکرماجیت کی عزت اور جواہر نگار عدالت بھی خواب و خیال ہو گئی ہے حتیٰ کہ کالیداس کی نظم بھی اس یاد کو قائم رکھنے سے عاجز ہے۔ ہندوستانی فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے ہونا کی سخت گیری، مسلمانوں کی مجنونانہ بت شکنی اور غیر مشرقیوں کی نادانستہ وحشت نے حرف غلط کیطرح صفحہ ہستی سے محو کر دئے ہیں اور ہم مجبور ہیں کہ فن تعمیر کی گذشتہ شان و شوکت کو اجنتا کی پھپھوندی لگی ہوئی دیواروں، ایلورا کے مصیبت زدہ بتوں، پہاڑوں کے جگر سے تراشے ہوئے ستونوں، اڑیسہ کی خاموش صدائے احتجاج اور بالآخر زمانہ حال کے خانگی ظروف میں تلاش کریں جنہیں افسوسناک طریق پر نہایت عمدہ حیات منزل کے دوران میں خوبصورتی و مذہب کے ہم آغوش ہو گئی ہے۔"

مندرجہ بالا خیالات ایک مشہور جاپانی ماہر تعمیر کے ہیں اس نے مسلمانوں کی بت شکنی کو سبب انحطاط فن تعمیر ٹھہرایا ہے جس سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔ ازمنہ قدیم میں ہندوستان کے ہر فرقہ و جماعت نے فن تعمیر سے اپنی کمال دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور اسپر کافی توجہ کی جسکی مٹی مٹی یادگاریں ہنوز باقی ہیں۔ مہاراجہ اشوک کے زمانہ میں ہندوستان صحیح معنوں میں فن تعمیر کا گہوارہ تھا۔ ممالک غیر خصوصاً چین کے جو سیاح ہندوستانی دار العلوم اور غاروں کے مندر وغیرہ دیکھنے کو آتے تھے وہ یہاں کی صنعت اور کاری گری پر عش عش کرتے تھے اور ہندوستانی فن تعمیر ان پر کامل اثر پذیر ہوتا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ چین کے طرز تعمیر، سنگ تراشی۔ مصوری وغیرہ میں بھی انقلاب عظیم ہوا۔ چین کی پیروی کرتے ہوئے جاپان نے بھی رنگ بدلا۔ غرضکہ دنیا کے کسی خطہ کو فن تعمیر میں اسقدر کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی جتنی ہندوستان کو۔ صفحات تاریخ گذشتہ واقعات کو دہرا رہے ہیں کہ بدھ

مذہب کے قدیمی مدارس اور مذہبی خانقاہوں کے دالان فن مصوری کے بہترین نمونہ آثار تھے۔ میری معلومات کا جہانتک تعلق ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں بدھ مذہب والوں نے فن تعمیر و مصوری کا بہت گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ اجنٹا کے منہدم آثار، ایلیفنٹا کے غار، امراوتی کے پرہیبت کھنڈر۔ اور ایلورا کے چٹانی مندر و معابد اہل بدھ کی یادگاریں آجتک سراپا اندوہ و ملال بنے ہوئے ہیں۔

ان مرکزی مقامات سے فن تعمیر کا جو چشمہ پھوٹا وہ تمام ایشیا میں پھیلا۔ اسکے فیض سے ایک طرف تبت و نیپال فیضیاب ہوئے۔ تو دوسری طرف لنکا، سیام۔ اور جاوا بھی محروم نہیں رہے۔ آج اسی مشرقی فن تعمیر کا فیض ہے جو سرزمین یورپ کے گاتھک وضع کے گرجاؤں میں بہت کافی پایا جاتا ہے ہندوستان نے فن تعمیر کے اثر و عمل کو محدود نہیں کیا بلکہ دنیا کے ہر حصہ کو اس سے کافی فیض پہونچا۔ آج دیگر اقوام میں فن تعمیر سے دلچسپی ہندوستان کے لئے قابل یادگار سند ہے۔ ہندوستان میں فن تعمیر کی ابتدا میلاد مسیح علیہ السلام سے قبل ہوئی ہے۔ بعض واقف مبصرین کی رائے ہے کہ اجنٹا کی قدیم ترین مصوری حضرت مسیح سے ایک صدی قبل کی ہے۔ اور یہی ہندوستان کے فن تعمیر کا درخشاں و یادگار دور تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب ایلورا اور ایلیفنٹا کے نمونہ ہائے سنگ تراشی، عالم وجود میں آئے تھے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ مشرقی فن تعمیر کے اسباب انحطاط کیا ہوئے۔ ہم علاوہ اپنی رائے کے لارڈ کرزن مرحوم (جنکا دور زوال پذیر صنعتوں میں دوبارہ جان ڈالنے میں ہمیشہ یادگار رہیگا) کے بیان کردہ اسباب درج ذیل پیش کرتے ہیں جس سے پتہ چلیگا کہ مشرق کی صنعت و اختراع جمیلہ کے متعلق یورپی قوم کا ایک فرد کس قدر دور از تحقیق اور تنگ خیالات کا اظہار کرتا ہے

کٹر اور راسخ الاعتقاد اورنگ زیب کی سخت گیری حکومت نے عہد مغلیہ کی مذہبی مصوری اور چھوٹی چھوٹی تصویر بنانے کی صنعت کو ہمیشہ کے لئے دفن کردیا۔ یہانتک کہ گذشتہ صدی کے اوائل سے ہندوستانی فن تعمیر کا وہم و خیال بھی دماغوں میں نہیں آسکتا اور نہ اب کوئی نام و نشان ان فنون نفیسہ کا ہندوستان میں باقی رہا۔ (خیالات لارڈ کرزن بہادر)

ہم آیندہ کسی صحبت میں بتا ئینگے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق لارڈ کرزن کا یہ رکیک اتہام کسدرجہ لغو و غلط ہے افسوس کہ لارڈ کرزن جیسے معمر انگریز نے یہ کہتے وقت کیا ان تمام زندہ یادگاروں کی طرف پشت کر لی تھی جو دور عالمگیری کی واجب التعظیم اور صنعت و اختراع کا لاجواب مجموعہ ہیں ہماری ناچیز رائے میں ہندوستان میں فن تعمیر کے اسباب انحطاط میں سب سے بڑا سبب بدیسی تاجروں کا ہندوستان میں درود ہے۔ جنہوں نے ہندوستان میں اپنے آنیکا مقصد سوائے اسکے اور کچھ نہیں رکھا کہ یہاں سے کثیر تعداد میں روپیہ پیدا کیا جائے۔ دوسرے مغربی تاجروں نے مغربی فن تعمیر کو ہندوستان میں رواج دیکر یہاں کے قدیمی فن کو مردہ کردیا۔ غرضکہ مغربی تاجر نہایت کامیاب طریقہ پر ہندوستان سے مشرقی فن تعمیر کو تباہ و برباد کر دینے میں سرفراز ہوئی۔ تاریخ اور ہندوستان کی بدنصیب تاریخ کے اوراق ان واقعات سے لبریز ہیں کہ جو سیاحان عالم قدیم صنعت گاہوں اور عمارات کو دیکھنے کے لئے دور دراز مقامات سے ہزاروں کوس کا سفر طے کرکے آتے تھے اور معمولی معمولی عجائبات کو دیکھ کر ہندوستان کی صنعت پر حیرت کرتے تھے۔ اسلئے کہ ان کو دھوکے سے ہندوستان کا نمونہ بتایا جاتا تھا۔ بالآخر مغربی تاجروں کی پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان کی قدیم اور اصلی صناعی بالکل مردہ ہوگئی۔ اور اگر اب بھی کچھ نمونے باقی ہیں تو وہ دور دراز گوشوں اور مقاموں میں جو کہ دور افتادہ ہیں۔ اور جنکی قدر اہل ہند کے دلوں میں اور کچھ نہیں کہ انکو بے مصرف کھنڈر کہکر ان کی جانب سے منہ پھیر لیا جائے۔ غرضکہ ہندوستان کے فنون لطیفہ کو تباہ و برباد کرنے میں بہت بڑی حد تک مغربی تاجر اس سے زیادہ قابل الزام ہیں ہمارے خیال میں جبتک خود ہندوستانی دور نہیں آئیگا اسوقت تک اس بے نظیر فن کی

تعبیر گناہ

اس کی مستی میں پرانا جوش ہے　　آدمی تو فطرتاً مے نوش ہے
کیف شیشے کی طرح خاموش ہے　　کسقدر پی تھی یہ کس کو ہوش ہے!
اتقا سے اب جو یہ روپوش ہے　　اب جو یہ دنیا میں عصیاں کوش ہے

یہ بھی تعبیرِ گناہِ دوش ہے

بے خبر انسان تھا مستِ ازل　　بے خبر آگاہِ مکافاتِ عمل
تھی فضائے خلد گلریزِ امل　　نفس نے آرام میں ڈالا خلل
کھینچ کر دنیا میں لے آئی اجل　　تو سمجھتا ہے اسے نعم البدل

یہ بھی تعبیرِ گناہِ دوش ہے

رات بھر عشرت سے تو تھا منسلک　　مستیاں تھیں کیفیت افزائے دل
بادۂ آتش تھی نشاطِ آب و گل　　کر دیا آخر قوای کو مضمحل
اب سے ہے تو رہ دادِ رفتِ خجل　　خود بخود ہے قلب تیرا منفعل

یہ بھی تعبیرِ گناہِ دوش ہے

رات کوئی ہجر کا مارا ہوا　　صبح تک آہ و فغاں فرسا ہوا
تم نے کچھ تسکیں نہ دی تو کیا ہوا　　صبر اس کا یوں مال آرا ہوا
رنگ ہے عارض کا کملایا ہوا　　چاند سا چہرہ ہے آج اترا ہوا

یہ بھی تعبیرِ گناہِ دوش ہے

رات بھر تاروں نے لوٹی تھی بہار　　نلوتیں ان کے لئے تھیں آشکار
خوب دیکھا تھا حسینوں کا نکھار　　پردۂ چشمک زنی سے بار بار
دن نکلتے ہی ہوئی مستی فرار　　دھوپ میں اب ہیں اسیرِ صد غبار

یہ بھی تعبیرِ گناہِ دوش ہے

شمع تھی محفل میں صد شعلہ بدوش　　ہر پروانہ بنی آتش فروش
بزم تھی اور محشرِ طوفانِ جوش　　روشنی خود تھی شریکِ نا و نوش
صبح کی کرنیں ہوئیں تقصیر پوش　　اب جو ہے بے نور بے کار و خموش

یہ بھی تعبیرِ گناہِ دوش ہے

منتظر صدیقی سلطانی اکبرآبادی

جواہر خانۂ منطق

مسلسل

اسم کی تقسیم مزید تین قسموں میں ہے۔ مثبت۔ منفی اور معطل (Privative)۔ اسم مثبت (Positive) کسی صفت محمولہ کی موجودگی اور اسم منفی (Negative) اسی صفت کی غیر حاضری ظاہر کرتا ہے۔ اور معطل وہ اسم ہے جو کسی صفت محمولہ کی عدم موجودگی تو ظاہر کرے مگر اس صفت پر قابو رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بعض وقت مثبت و منفی کے اظہار میں دو جداگانہ الفاظ کا استعمال ہوتے ہیں اور بعض وقت مثبت کے پہلے حرف نفی لگا دینے سے اسم منفی پیدا ہو جاتا ہے۔

مثبت	منفی	معطل
روشنی	تاریکی	جھٹ پٹا یا صبح کا دھندلکا
شکرگذاری	ناشکرگذاری	احساس شکرگذاری
قابل برداشت	ناقابل برداشت	گوارا
مردانگی	غیر مردانگی	کم ہمتی

بقول مِل صاحب کے اسمائے منفی صرف صفت محمولہ کی غیر حاضری ہی ظاہر نہیں کرتے بلکہ ایک اور خاص صفت کی موجودگی بھی ظاہر کرتے ہیں جو اول الذکر سے متضاد ہوتی ہے۔ مثلاً اندھیرے سے روشنی کی عدم موجودگی تو ضرور ظاہر ہوتی ہے مگر صفت تاریکی کا وجود بھی مسلّم ہے اسی وجہ سے جیونس (Jevons) صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات دریافت طلب ہے کہ آیا کوئی اسم مثبت یا منفی کسی خاص مفہوم کا حامل بنا کر استعمال کیا جاتا ہے یا نہیں اسی بنا پر ایک امتیاز اختیاری پیدا ہوتا ہے جو نہایت اہم ہے۔ ایسے دو الفاظ جو مخالف (Contrary) تو ہوں مگر تمام عالم کو اپنے اندر جمع نہ کر لیتے ہوں اسمائے مخالف کہلاتے ہیں اس مفہوم میں کوئی دو لفظ مخالف ہو سکتے ہیں ایسی حالت میں لازمی نہیں ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں یا تو پہلی ہوں یا دوسری مثلاً سیاہ و سفید آپس میں مخالف تو ہیں مگر یہ لازمی نہیں کہ دنیا کی ہر چیز یا تو سیاہ ہو یا سفید۔ نیلی۔ پیلی۔ بنفشی ہر طرح کی ہو سکتی ہے مگر جب اصل نام کے ساتھ حرف نفی لگا دیا جائے تو ہر نام کا ایک متضاد بن جاتا ہے۔ اسم متضاد وہ تمام چیزیں گھیر لیتا ہے جو اصل نام میں موجود نہ ہوں مثلاً غیر سفید میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو سفید نہ ہوں۔ خواہ وہ زمین میں ہوں یا آسمان میں یا دماغ انسان میں موجود ہوں یہی وجہ ہے کہ اسم متضاد میں کوئی خیال واحد و معین نہیں ہوا کرتا۔ ارسطو ایسے اسم کو دوسرے اسماء سے تمیز کرنے کے لئے اسم غیر معین (Ovoua aopiorov nomen indefinitum) کہتا ہے۔

اسم کی دو قسمیں اور بھی ہیں موصول و کامل

اسم موصول وہ ہے (a relative name) جو ایسی شے کا اظہار کرے جس کا وجود بلا کسی اور شے کے خیال کئے ہوئے سمجھ میں نہ آسکے مگر اس طور پر تمام اسماء موصول ہیں کوئی کامل نہیں ہے۔ اسلئے کہ تمام چیزیں ایک دوسرے سے متعلق ہیں اور ہمارا علم جسقدر وسیع ہوتا جاتا ہے چیزوں کے رشتہائے نسبتی اُسی قدر اُلجھتے جاتے ہیں اور لازمی ہے کہ جب ہم کسی شے کا خیال کریں تو گویا اس شے کو دنیا کی اور تمام اشیاء سے منتخب کر لیتے ہیں۔ مل صاحب کی تعریف زیادہ موزوں ہے وہ کہتے ہیں کہ اسم موصول ایسا اسم ہے جو کسی اسم کے وجود کو بھی ظاہر کرتا ہے اور اسی وجود کی مدد سے کسی شے مزید کا اظہار کرتا ہے جو صفات میں شریک ہو۔ اسطرح کے دو ناموں کو اسمائے متعلق (Correlatives) کہتے ہیں۔ مثلاً ماں اور لڑکی۔ بلند قد اور پست قامت۔

الفاظ جو فیصلہ میں مستعمل ہیں

آخر ہم اپنے خیالات کیوں ظاہر کرتے ہیں؟ اسلئے کہ خیالات ایک ایسا عالم عام بنا لیتے ہیں جس میں مختلف دماغ جمع ہو سکتے ہیں اور جنکی بناء پر باہمی سمجھوتہ ہو سکتا ہے ہر فیصلہ کوئی نہ کوئی خبر دیتا ہے اور وہ خبر زبان کے ذریعے سے دوسرے دماغ تک پہونچ جاتی ہے اسی لئے جب ہم کوئی فیصلہ زبان سے ادا کریں تو اُس جملہ کو دو فرض انجام دینے چاہئیں۔

الف ہر کلمہ استعمال کرنے والے کے لئے اُس وقت اور ہر دوسرے وقت ایک ہی مفہوم کا حامل ہونا چاہئیے ورنہ تمیز خیال ناممکن مثلاً اسوقت میرے نزدیک قلم کے معنی قلم کے ہیں اور دوسرے وقت پاندان کے معنی ہوگئے تو تمیز خیال کیونکر ہو سکتی ہے

(ب) اور کلمہ مستعمل کو دماغ مخاطب کے لئے وہی معنی رکھنا چاہئیے جو متکلم کے دماغ میں ہے ورنہ تبلیغ خبر نہیں ہو سکتی اور تمام مختلف دماغوں کے لئے بھی وہی معنی رکھنا چاہئیے ورنہ ظاہر کی ہوئی خبر یا تو خلط ملط ہو جائیگی یا غلط فہمی پیدا کر دے گی۔

صاف ظاہر ہے کہ کسی کلمہ کے معنی کسی ایک دماغ کی جداگانہ ملکیت نہیں ہیں ایک بات اور قابل بیان ہے یعنی ہر چیز جس کی خبر دیجائے ہر دماغ کے لئے یکساں ہونا چاہئیے اور اُس شئے کو ہمیشہ وہی شئے رہنا چاہئیے اسی وجہ سے منطقی کلمہ کو حوالہ معین بھی کہتے ہیں۔

کلمات عام کلمات عام ایک ایسے نیا… کا پتہ دیتے ہیں جو تقابل سے حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دو اجرام سماوی مشتری (یونانی اور اطالوی حضرات کا قدیم دیوتا) اور کلب الجبار (Sirius + Jupiter) کو لیجئے ان دونوں کا تقابل کرتے ہوئے میں دیکھتا ہوں کہ دونوں کم فاصلہ روشن اور چمکدار ہیں جو فضاء فلکی میں ظاہری طور پر ایک ہی رفتار سے طلوع و غروب ہوتے ہیں اور حرکت کرتے ہیں مگر زیادہ دقیق سیر بین سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کلب الجبار ایک جھلملاتی ہوئی روشنی پھینکتا ہے مگر سیارۂ مشتری ایک یکسانیت کے ساتھ چمکتا رہتا ہے۔ مزید تفتیش سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کی رفتار نقل و حرکت میں بہت تفاوت ہے یعنی مشتری کی جگہ شب بہ شب بدلتی رہتی ہے اگر یہی ترتیب دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں ستارے مشتری کی صفات میں متشابہ ہیں اور دوسرے کلب الجبار سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ بدلنے والوں کا

اسم عمومی سیارہ ہوگیا اور قائم رہنے والے ستاروں کا نام ثوابت ہوگیا۔

(احاطہ و اشارہ کے رشتہائے نسبتی جو کسی ایک فریق کی تبدیلیوں کیساتھ گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔)

مثال کے لئے "جہاز" کو لیجئے اس لفظ کا اشارہ (صفات ممیز) سب جانتے ہیں اشارہ کو دخانی جہاز تک بڑھا دیجئے۔ احاطہ میں کیا تبدیلی ہوگئی؟ صاف ظاہر ہے کہ "دخانی جہاز" عام جہاز سے کمتر ہیں۔

اشارہ کو اور بڑھائیے۔ "کلدار دخانی جہاز" احاطہ اور بھی کم ہوگیا۔ ہم اسطرح کی بالترتیب تبدیلیوں کو دونوں طرح سے نظم کرسکتے ہیں خواہ اُن کا سلسلہ بڑھتا ہوا ہو یا گھٹتا ہوا۔ مثلاً جہاز۔ دخانی جہاز۔ کلدار دخانی جہاز۔ آہنی کلدار دخانی جہاز۔ برطانوی آہنی کلدار دخانی جہاز

یہاں اشارہ کا سلسلہ بڑھتا ہوا اور احاطہ کا سلسلہ گھٹتا ہوا ہے اسی وجہ سے قانون ذیل مبین ہے۔

جب اشارہ بڑھتا ہے تو احاطہ گھٹتا ہے اور جب احاطہ بڑھتا ہے تو اشارہ گھٹتا ہے۔

مگر یہ قانون اُسی حالت میں قابل نفاذ ہے جب سلسلہ تنظیم بالترتیب ہو۔ جیسا صدر الذکر مثال سے آئینہ ہے۔ یہ قانون بعض اوقات غلط طریقہ سے لکھا جاتا ہے اور اشارہ تنقید بن جاتا ہے۔ مثلاً جیونس صاحب فرماتے ہیں کہ یہ قانون اُسی کلمہ کیلئے قابل عمل ہے اگر جیونس کی تعریف کو صحیح مان لیجئے تو دو نقص عائد ہوتے ہیں۔ ہم ترقی معلومات کے ساتھ کسی کلمہ کے اشارہ میں نئی زیادتی کرسکتے ہیں اور احاطہ میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی اور اسی طرح بہت سی نئی ہستیاں دریافت کرسکتے ہیں مگر اشارہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ یعنی مردم شماری کی زیادتی اشارہ کلمہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ ایک تاریخی مثال ملاحظہ فرمائیے جسکا سلسلہ نظم بالترتیب ہے:

اشارہ کمترین احاطہ زائد ترین۔

ہستی (being) کوئی شئے موجود

مادی ہستی (material being) ایسی شئے موجود جو مادہ رکھتی ہو

مترتب مادی ہستی (Organic) حیوانات ونباتات

حساس مترتب مادی ہستی (Sentient) حیات حیوانات

ناطق حساس مترتب مادی ہستی (Rational Sentient Organic) انسانیت

یہ آدمی this man.

اشارہ زیادہ ترین احاطہ کمترین

سلسلہ برعکس ملاحظہ فرمائیے

یہ آدمی

آدمی

حیوانات

بعض وقت اس قانون کو اعداد ریاضیات کے مطابق ترتیب دیتے ہیں جو بالکل غلط ہے اسلئے کہ اشارہ کی واحد تبدیلی احاطہ میں بعض وقت بہت زیادہ اور بعض وقت بہت کم تبدیلی پیدا کرتی ہے؟ اور آخر

زندہ ہستیاں — میں صرف یہ بتانا رہ گیا کہ اگر اشارہ میں کوئی حقیقی تبدیلی نہ ہو تو احاطہ میں بھی کوئی تبدیلی

مادی ہستیاں — نہ ہوگی۔ مثلاً انسان کو فانی انسان یا فلزات کو مادی فلزات کہنے سے احاطہ میں کوئی تبدیلی

ہستیاں — نہیں ہوتی اسلئے صفت فنا انسان کے لئے لازمی ہے اور مادی ہونا فلزات کیواسطے لازمی ہے خواہ ہم آپ اُسے بیان کریں یا نہ بیان کریں۔

حدود اشارہ مسلم رائے یہ ہے کہ اشارہ ایسے صفات معیّنہ کا مجموعہ ہے جنمیں نہ تو افراط ہے نہ تفریط بلکہ کافی صلاحیت ہے کہ ایک مجلس کو دیگر مجالس سے یا ایک جماعت کو دوسری جماعتوں سے ممتاز کرسکیں۔ ہنوز سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر کلمہ کے معنی معیّن و مستقل ہوتے ہیں۔ ہر کلمہ کا اشارہ روشن و معین ہونا چاہیئے اور جبتک ممکن ہوسکے اُسوقت تک معین رہے اور صرف اُس وقت نظر ثانی کیجائے جب نظر ثانی کیا جانا ناگزیر ہوجائے۔ بعض منطقی حضرات نے معانی اشارہ کو وسعت دی ہے اور کہتے ہیں کہ اشارہ سے شئے مقصود کی تمام صفات معلومہ (اور اگر اسم الجمع ہو) توتمام ایسی صفات معلومہ جو جماعت مخصوصہ کے ہر فرد کیلئے یکساں ہوسکے سمجھنا چاہیئے مگر تجربہ اور معلومات کی روز افزوں نشو و نما کی بدولت ہم عام طور پر معلوم کرتے ہیں کہ صفات معلومہ میں سے اکثر صفتیں غیر لازمی ہوتی ہیں اور بعض غیر اہم۔ اسلئے ہم اُن سے دور خیال میں قطع نظر کرلیتے ہیں اور اُن کو جزو اشارہ نہیں سمجھتے مثلاً اشارۂ انسان میں گوش چشم کی مخصوص تراش خراش یا قہقہہ کی قابلیت داخل نہیں ہے۔ اشارہ کے ایک تیسرے معنی بھی ممکن ہیں یعنی اس لفظ سے وہ تمام صفات مراد ہیں جو معلوم ہوں یا لا معلوم ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو تمام شیرازۂ منطق منتشر ہوجائیگا اس لئے کہ اس دنیائے ترکیب کی ہر شئے ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور کسی ایک شئے کی تحقیق میں ہم کو ساری دنیا کی تحقیق کرنی پڑے گی اور گویا سوا شئے مقصود کے اور جملہ عالم خدا و مخلوق۔ آسمان و زمین ادسی شئے مقصود کے اشارہ میں داخل ہوجائینگے جو ضرورت سے زیادہ فضول سی بات ہے اور مزید براں کسی شئے کے متعلق ہمارا علم مثل ایک قطرے کے ہے اور اُس کا جہل مثل ایک بے پایان سمندر کے ہے اور اسلئے مکمل معلومات محض ایک وہم ہے اور کچھ نہیں جس کا حصول ہمارے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔

نتائج بلیغ منطق کے کسی سوال میں یہ ہرگز نہ دیکھنا چاہیئے کہ اوسکے معنی آپ کے یا میرے نزدیک کیا ہیں بلکہ ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ حقیقتاً و لازماً اُس کے معنی کیا ہونے چاہییں۔ اور اُسکے جو کچھ معنی ہونے چاہییں وہ جمہور عام کی اتفاق رائے سے معیّن ہونے چاہییں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ سمجھ لیجئے کہ اشارہ اُن صفات کا نام ہے جنکی موجودگی میں ہم کسی انسان کو انسان یا دیوار کو دیوار کہتے ہیں اور جنکی عدم موجودگی میں ہم انسان کو انسان یا دیوار کو دیوار نہیں کہتے۔

کیا ہر کلمہ میں اشارہ و احاطہ دونوں موجود ہیں ؟

عام اسمائے جامد کے اعتبار سے اشارہ و احاطہ دونوں دست و گریبان ہیں یوں بھی حقیقتاً اشارہ و احاطہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں مگر ان کے رشتہائے نسبتی اسمائے معرفہ اور مشتق خالصہ میں برہم ہوجاتے ہیں۔ مل صاحب اپنی کتاب منطق منعرمہ

سے کے حصہ اول میں رقم طراز ہیں کہ اسمائے معرفہ اور اسمائے مشتق اشارہ و احاطہ دونوں کے مالک نہیں ہیں بلکہ صرف احاطوی یا غیر اشاروی- (Denotative or Non-connotative) ہوا کرتے ہیں۔ آڈمین (Adamson) اپنی کتاب جوزف کی منطق (Joseph's Logic) (صفحہ ۱۷۱-۲) میں فرماتے ہیں کہ کسی اسم معرفہ یا مشتق کو احاطوی کہہ دینے سے اصل معنی کو بہت زیادہ وسعت ہو جاتی ہے۔ مل صاحب کی پیروی کرتے ہوئے فاؤلر (Fowler) صاحب نے ناموں کی تقسیم اسطرح پر کی ہے (۱) ایسے اسم جنہیں احاطہ و اشارہ دونوں موجود ہیں (۲) ایسے اسماء جن میں صرف احاطہ موجود ہے۔ (غیر اشاروی یعنی اسمائے معرفہ) (۳) ایسے اسم جو صرف اشارہ رکھتے ہیں (غیر احاطوی یعنی اسمائے مشتق)

بقول آڈمین صاحب کے یہ واقعاً صحیح ہے کہ مقدمات محدودہ میں معمولی اسمائے عام کا حوالہ جمع موجود نہیں ہے۔ اسم مشتق ایسی صفت یا مجموعہ صفات کا حامل ہوتا ہے جو حالت اشتقاق میں (اصل شے سے جدا) سوچی جاتی ہیں لہذا ایک خالص اسم مشتق جہاں حوالہ تحقیقی موجود نہ ہو کوئی احاطہ نہیں رکھتا اور اگر کلمہ کے لئے واحد یا عام سمجھنا ناگزیر ہو جائے تو اسے واحد سمجھنا چاہیئے مگر اوس کلمہ واحد کی شان معمولی کلمات واحد سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ مل صاحب کی رائے یہ ہے کہ اسمائے معرفہ کوئی اشارہ نہیں رکھتے وہ لفظ اشارہ کے معنی عملی طور پر اسم عام کے حوالہ جمع (reference [illegible]) تک گھٹا دیتے ہیں اس قید و بند پر نگاہ رکھتے ہوئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ واقعی اسم معرفہ محروم اشارہ ہیں مگر لفظ اشارہ کو اس طرح پر محدود کر دینا اولی ظلم ہے اسلئے کہ اگر اسم معرفہ کوئی معنی رکھتا ہے تو وہی معنی اُس کا اشارہ ہے۔ مگر مل صاحب کو انکار ہے کہ دقیق نگاہوں سے دیکھئے تو اسم معرفہ میں کوئی مفہوم یا معنی نہیں ہیں وہ کہتا ہے اسم معرفہ ایک نشان مہمل ہے جو کسی صفت کو نہیں بتاتا بلکہ فرد مخصوص کو تمیز کرتا ہے صرف ایسے دماغوں کے لئے بہت سے صفات کو تجویز کر دیتا ہے جو فرد مقصود سے واقف ہوں۔

یہ سوال معمولی اسمائے واحد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جس میں (اشارہ و احاطہ) دونوں پہلو نمایاں ہوتے ہیں مثلاً "وہ رکن مجلس جسنے حسب ذیل ضوابط قلمبند کئے"۔ ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اس بارہ میں کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جب کسی اسم معرفہ کو جملہ سے علحدہ پاتے ہیں تو (۱) یہ نام ہم کو صفات شخص یا مقام کے متعلق کوئی خبر نہیں دیتا جب تک کہ ہم خود اُس انسان یا مکان سے واقف نہ ہوں۔ (۲) اور اگر ہم واقف صفات بھی ہوتے ہیں تو جس وقت اسم معرفہ کسی دوسرے اسم معرفہ سے بدل جاتا ہے تو ہمیں بہ نسبت پیشتر کے کوئی جدید خبر نہیں ملتی اس کا تقابل یوں ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کسی شئے کا نام بدل دیں مثلاً نباتات سے حیوانات کر دیں تو صفات خبریہ میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو جاتی ہیں (۳) یہ بھی واقعہ ہے کہ اسم معرفہ صفات مخصوصہ کے اظہار کیلئے نہیں رکھا جاتا۔ کسی بچہ کی مثال لیجئے اوس کا نام صفات مخصوصہ کا حامل نہیں ہوتا۔ بہت ممکن ہے کہ وہی بچہ بڑا ہو کر اُن صفات مجوزہ کا مالک ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا تجویز یا واقفیت اسمائے معرفہ کی اسمائے عام کے معنی کے برابر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ مل صاحب اور اُن کے بہت سے مقلدین کہتے ہیں کہ اسم معرفہ کے کوئی معنی نہیں مگر فلون صاحب اور دیگر منطقین کی رائے اسکے خلاف ہے وہ کہتے ہیں

کا اسم معرفہ کے معنی معین و مستقل نہیں ہوتے مگر اشارۂ محصولہ (acquired) موجود ہوتا ہے اور جب کسی جملہ میں استعمال ہوتا ہے تو اسم معرفہ کے معنی صرف تجویز یا واقفیت کے نہیں ہوتے بلکہ نہایت اہم مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔
واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی نام کسی جملہ میں مستعمل ہوتا ہے تو کسی شخص یا مقام کے وجود کا پتہ ضرور ملتا ہے اور حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) کسی انسان سے مراد ہے یا کسی مقام سے (۲) اُس انسان یا مقام کا تعلق کسی ملک و قوم سے ہے۔
(۳) اگر انسان ہے تو مرد ہے یا عورت۔

ان تمام مباحث کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر اسم احاطہ و اشارہ دونوں رکھتا ہے اور اُسکے معانی عام ہوتے ہیں۔

کلمات کا رشتہ اونکے معانی اور خیالات سے۔ اور خیالات کا رشتہ ایک دوسرے سے

قوانین خیال لفظ قانون ذو المعنی ہے۔ ایک مفہوم تو قوانین فطرت کا ہے جن کا وجود تراکیب فطری پر منحصر ہے اور جسمیں کوئی ایک استثنا بھی رد قانون کے لئے کافی ہے دوسرے مفہوم میں لفظ ایک ایسا فرمان یا قاعدہ ہے جو کسی مختار مستند کی طرف سے جاری کیا جائے جسکی تعمیل لوگوں کے لئے ضروری ہو گر لوگ اُس کی نافرمانی پر بھی قادر ہوں لیکن لوگوں کی نافرمانی سے مختار مستند کے اختیارات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔ جب ہم قانون خیال کہتے ہیں تو لفظ قانون کو ہم اسی دوسرے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ لوگ اپنے دورِ خیال میں بہت سی غلطیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہوا کرتے ہیں اور اسطرح نافرمانی قوانین خیال عمل میں آتی ہے مگر وہ لوگ ارادتاً اور عمداً اس نافرمانی کے مرتکب نہیں ہوتے۔
قوانین خیال ایک قابل تقلید معیار قائم کر دیتے ہیں اگر قوانین خیال کے مفہوم کو وسعت دیجئے تو خیال کے تمام ضوابط اسکے اندر موجود ہیں لیکن محدود مفہوم میں صرف اُن بنیادی اصول سے مُراد ہے جو تجزیہ کی بنا ہیں۔
ارسطو کے وقت سے بنیادی اصول تین ہیں (۱) قانون مطابقت۔ مثلاً آفتاب آفتاب ہے۔ انسان انسان ہے۔
(۲) قانون تضاد۔ مثلاً آفتاب سیارہ ہے اور آفتاب سیارہ نہیں ہے۔
(۳) قانون تخرجہ اوسط۔ یا تو آفتاب سیارہ ہے یا آفتاب ثابت ہے۔

نتائج اصول (۱) کلمات کے معنی معین ہونے چاہئیں اور بغیر کسی نہایت قوی دلیل کے کوئی تبدیلی عمل میں نہ لانی چاہئیے
(۲) یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی کلمہ ایک ہی وقت ایک ہی طریقہ اور ایک ہی چیز کی اثبات یا نفی دونوں ہوسکے مثلاً آفتاب سیارہ ہے اور آفتاب سیارہ نہیں ہے یہ نہ تو دونوں غلط ہیں نہ دونوں صحیح لہذا ایک غلط ہے اور دوسرا صحیح۔
(۳) جسمیں کوئی تیسری صورت بھی ممکن ہو مثلاً یا تو آفتاب سیارہ ہے یا آفتاب ثابت ہے اسمیں بہت ممکن ہے کہ آفتاب صفات سیارگی بھی رکھتا ہو اور صفات ثابتیہ بھی اور دونوں صفتیں جداگانہ حیثیت میں مجموعی طور پر موجود ہوں۔
لائب نز (Leibniz [?]) کے زمانہ سے ایک نہایت اہم اصول علم منطق میں متعارف کیا گیا ہے اور قوانین منطق کے دوش بدوش رکھا گیا ہے۔ اس کو اصول دلیل کافی (The Principle of Sufficient Reason) کہتے ہیں ہر چیز کے لئے کہ یہ ایسی

کیوں ہے ایک دلیل منطقی موجود ہے۔ اس اصول میں دو قانون منطق شامل ہیں (۱) یہ کہ ہر جملہ کیلئے جو کہ نتیجہ ہوتا ہے کچھ مدلل مقدمات لازمی ہیں۔ مگر یہ بات قوانین منطق کے لئے لازمی نہیں ہے اسلئے کہ قوانین منطق تمام تجربہ کی بنیاد ہیں اور وہ بنفس خود علوم متعارفہ نہیں جنکے بغیر نہ تو وجود خیال ممکن ہے نہ وجود حکمت و علم۔ چونکہ دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے سے متعلق ہے لہذا ہمارا ہر فیصلہ بھی حقیقتاً ایک دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے گو بہت سے موقعوں پر ہم اُنکے نسبتی علاقہ ظاہر نہ کرسکیں جسکی وجہ ہماری کم علمی ہے (۲) دنیا کے ہر عمل کے لئے کوئی وجہ ہونی چاہئیے۔ جسکے سبب سے وہ عمل عالم ظہور میں آیا ہو۔

بیانیہ منطقی The Logical Proposition حکم۔ خواہش۔ سوال Grammatical Sentence جملہ قواعد مسئلے اپنے اختیاری Exclamation یا کسی اظہار سے لبریز ہوا کرتے ہیں آخری شکل میں جملہ قواعدی کسی شئے کے لئے کسی شئے کا اظہار کرتا ہے۔ صرف اُسی وقت ہم کسی جملہ کو سچا یا جھوٹا کہہ سکتے ہیں جب اُسمیں کوئی اظہار یا بیان موجود ہو مگر منطقی مطمح نظر کے اعتبار سے کوئی جملہ اُس وقت تک بیانیہ نہیں ہوسکتا جب تک اُس میں فاعل و مفعول اور حرف وصل موجود نہو۔ فاعل وہ ہے جسکے متعلق کوئی بات کہی جائے۔ اور مفعول وہ بات ہے جو کہی جائے۔ حرف وصل محض فاعل و مفعول کو اُس طور پر نہیں جوڑتا جس طرح زنجیر آہنی ریل کے ڈبوں کو انجن سے جوڑتی ہے اور نہ تو اُس فیصلہ میں جسکا اظہار جملہ بیانیہ سے ہوتا ہے کوئی تیسرا خیال حرف وصل کے لئے موجود ہوتا ہے جو فاعل و مفعول کے درمیان آسکے۔ حرف وصل محض فیصلہ کے عمل ذہنی کو ظاہر کرتا ہے۔

بیانیہ کے اقسام (۱) بیانیہ جیسے ع۔ ص ہے" بیانیہ بلاشرط (Categorical) کہلاتے ہیں تاکہ بالشرط بیانیہ کے مقابلہ میں وہ پہچانے جاسکیں بالشرط بیانیہ وہ ہے جسکا جوہر اصلیہ کسی شرط کا محتاج ہو بالشرط بیانیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) قیاسی (Hypothetical) مثلاً اگر دہات گرم کیجائے تو پھیلتی ہے۔ بیانیہ قیاسیہ کے عام طریقے دو ہیں (الف) اگر الف ب ہے تو الف س ہے (ب) اگر الف ب ہے تو س د ہے۔ (۲) بیانیہ کی دوسری قسم بلا واسطہ کہلاتی ہے مثلاً یا تو انسان غیرفانی ہے یا خود اپنے کو نہیں سمجھ سکتا۔ بیانیہ بلاشرط کی قسمیں ارسطو کتاب (ملاحظہ ہو (۱-۱) De ...) اور اس کی قسمیں دو ہوسکتی ہیں (۱) یا تو شئے بیان کردہ کے لئے ہم کچھ اقراری حیثیت میں کہینگے یا (۲) انکاری صورت میں کہیں گے۔ اثبات و نفی کی حالتیں بھی مختلف ہونگی۔ (الف) کسی فرد خاص سے متعلق ہو۔ (ب) ایک پوری جماعت سے تعلق رکھتی ہو (ج) کسی جماعت کے کسی خاص حصہ سے متعلق ہو (د) یا ایسی صورت ہو کہ اُس سے کسی جماعت کے جزو یا کل کا کوئی پتہ نہ چلتا ہو۔ حضرات متاخرین نے ایک کو صفاتی اور دوسرے کو تعدادی مان لیا ہے بقول ارسطو کے اقراری بیانیہ یکجا اور مجتمع کرتا ہے اور انکاری بیانیہ منقسم و جدا کرتا ہے دیکھئے اس مثال میں کہ تمام ثوابت بنفس خود روشن ہیں۔ اثباتی صورت صفت روشنی کو ذات ثوابت میں مجتمع کرتی ہے۔ اور اس طور پر فاعل و مفعول کے باہمی رشتہ کو یکجا کردیتی ہے۔ اسکے برعکس انکاری حیثیت نے فاعل و مفعول میں جدائی پیدا کردی ہے مثلاً سونا روانی کی

قابلیت نہیں رکھتا۔ اس بیانیہ میں روانی کی قابلیت جو صفت ہے فاعل سے چھین لی گئی ہے ثبات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انکاری بیانیہ میں نہیں حرف ربط سے متعلق ہے نہ کہ مفعول سے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو ہر انکاری بیانیہ اقراری ہو جائے گا (جسکی تفصیل آیندہ کیجائیگی)

بیانیہ تعدادی

(الف) جب اثبات یا نفی کسی فرد واحد کے متعلق ہو تو بیانیہ بھی واحد ہو جاتا ہے مثلاً اُس نے غلطی کی شاید کسی خفیہ جرم کا مرتکب ہوا ہے بعض متوسطین نے کلمۂ واحد کو بیانیہ سے خارج کر دیا تھا لہذا جب متاخرین کو ضرورت لاحق ہوئی تو اُنھوں نے واحد کو بھی عام یا جمع کی صورت میں ظاہر کیا اونکی دلیل یہ ہے کہ کلمۂ واحد، فاعل کے کسی ایک جزو سے متعلق نہیں بلکہ کل سے ہے، مثلاً شاہد سے مراد صرف شاہد کے ہاتھ یا پاؤں نہیں ہیں بلکہ تمام ترکیب جسمی، حالانکہ یہ استدلال کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے مگر اتفاق جمہور کی وجہ سے مجبوری ہو جاتی ہے۔ ([illegible])

(ب) جب اثبات یا نفی کسی جماعت کے ہر فرد کے لئے یکساں ہو تو ایسا بیانیہ بیانیۂ عام ہوتا ہے مثلاً تمام ثوابت بذریعہ خود سے روشن ہیں یا کوئی آدمی غیر فانی نہیں ہے۔ (Universal Proposition)

(ج) جب اثبات یا نفی کسی جماعت کے کسی خاص حصہ کے لئے ہو تو ایسی صورت میں اُس کو بیانیۂ مخصوص کہتے ہیں مثلاً کچھ لوگ منطقی ہیں یا "کچھ بیانات قابل نقل نہیں ہیں" مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ "کچھ" "کوئی نہیں" کا برعکس ہے اور اس لئے صرف کوئی نہیں اسکے احاطہ سے خارج ہے نہ کہ تمام ہی خارج ہے اسلئے کہ کچھ لوگ منطقی ہیں اس سے سامع کو یا متکلم کو نہیں معلوم ہوتا کہ کتنے لوگ منطقی ہیں یا کیسے لوگ منطقی ہیں۔ اس لئے "کچھ" میں سے "کوئی نہیں" کو چھوڑ کر تمام شامل ہو سکتے ہیں (Particular Proposition)

(د) اثبات یا نفی جزو کل کے لئے بغیر کسی ظاہری امتیاز کے ہو سکتا ہے ایسے بیانیہ کو غیر معین کہتے ہیں مثلاً "مسرت جذبہ نیک، بیدار بختی تصریح اصلیہ کا دوسرا نام ہے"، مگر بوجوہ منطق میں بیانیہ غیر معین کی اُسوقت تک کوئی جگہ نہیں ہے جب تک کہ ہماری معلومات اسکے یقین و تعین کا سبب نہ بنجائے۔ مثلاً انسان ناطق ہے یا ہر مثلث کے تینوں زاویہ دو قائمہ زاویہ کے برابر ہوتے ہیں۔

بہرحال بیانیہ کی چار شکلیں ہیں۔

عام { اثباتی (۱) ہر ص ع ہے = یہ طریقہ حرف (الف) سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً صلع
عام { منفی (۲) کوئی ص ع نہیں ہے = یہ طریقہ (ی) سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً صیع

مخصوص اثباتی (۳) کچھ ص ع ہیں = یہ طریقہ (د) سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً صدع
مخصوص منفی (۴) کچھ ص ع نہیں ہیں = یہ طریقہ (و) سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً صوع

مخفف صلع مترادف (۱) ہوا۔ صیع مترادف (۲) صدع مترادف (۳) اور صوع مترادف (۴) ہوا۔

بیانیہ کی تقسیم مزید

باعتبار وضع بیانیہ کی تین قسمیں ہیں (Modality)

(الف) لازمی مثلاً ص یقینی ع ہے (Necessary)

(ب) اظہاریہ مثلاً س، ع ہے۔ (assertorial)

(ج) شکیہ مثلاً ص، ع ہو سکتا ہے (Problimatic)

غرض وضع صرف اسقدر ہے کہ وہ فاعل و مفعول کے باہمی تعلقات کے فطرت کو آئینہ کردے۔

بیانیہ کی آخری تقسیم بیانیہ کی آخری تقسیم یوں ہوسکتی ہے (۱) زبانی (Verbal) یا (Exblicative) بیانی یا (Analytic) تفریقی (۲) حقیقی (real) یا (ambliative) بسیط یا (synthetic) ترکیبی

اس امتیاز کا دار و مدار کلمہ مستعملہ کی مفروضہ تعین معنی پر ہے یعنی اگر کلمہ مستعملہ کے معنی معین فرض نہ کرلئے جائیں تو شان تمیز بے کافور ہوئی جاتی ہے۔ ایسا بیانیہ کہ ص، ف ہے اُس وقت تفریقی ہوجاتا ہے جبکہ ف ہی تعریف ص کا ایک جزو ہو اور بصورت دیگر ترکیبی ہے صاف ظاہر ہے کہ مختلف ہستیوں کی معلومات بھی مختلف ہیں اور امتیاز بالا محض واقفیت فاعل پر موقوف ہے لہذا ایک ہی وقت میں ایک ہی بیانیہ کسی کے لئے زبانی اور کسی کے لئے حقیقی ہوجائیگا اور اس طرح زیادہ علوم کے ساتھ فاعل کے متعلق معلومات بڑھتی جائینگی اور وہی بیانیہ جو آج زبانی ہے کل حقیقی ہوسکتا ہے۔ دیکھ لیجئے آج سے کچھ صدی پہلے النسان کے عناصر صرف چار تھے آج ۶۳ ہیں۔

جملہ ہائے علم کلام و نظم و نثر کی منطقی ترتیب

اسکے لئے ہملٹن صاحب کا یہ علم متعارفہ خوب یاد رکھنا چاہئے۔ ترتیب دینے کے پہلے کلمات کے پورے مفہوم مکمل طور پر سمجھ لینے چاہئیں منطق کیلئے اُن مفاہیم کو ظاہر کردینے کی پوری اجازت ہے جو طرز بیان و تحریر میں چھپے ہوئے ہوں۔

پہلے بیانیہ مرکب کی مثال لیجئے جسکو متقدمین حضرات قابل تقسیم کہا کرتے ہیں اکثر دو مفرد بیانیہ الفاظ "اور" "یا" "لیکن" "اگرچہ" "یا ہرگز نہیں" سے ہمرشتہ کئے جاتے ہیں اور اُن کی تشریح بآسانی ہوجاتی ہے۔

مثلاً (۱) فرانس اور جرمنی نے ہتیہ جنگ کیا۔ مترادف ذیل ہے

(الف) فرانس نے ہتیہ جنگ کیا (ب) جرمنی نے ہتیہ جنگ کیا۔

(۲) سونا اور چاندی بیش قیمت دہات ہیں۔

(الف) سونا بیش قیمت دہات ہے (ب) چاندی بیش قیمت دہات ہے۔

(۳) بزرگ نیک نہیں ہے مگر نیک بزرگ ہے۔

(الف) بزرگ اسلئے نیک نہیں ہے کہ وہ بزرگ ہے (ب) نیک بزرگ ہے۔

(۴) وہ غریب ہے مگر ناقابل اعتبار

(الف) وہ غریب ہے (ب) وہ ناقابل اعتبار ہے۔

(۸) ایسے لوگ جو امین وزاہد ہیں کبھی قابل تعظیم ہونے میں ناکامیاب نہیں ہونگے۔ خواہ ناخواندہ وغریب ہوں بشرطیکہ وہ محتاج غیر نہیں ہیں مگر ایسی صورت میں نہیں کہ وہ دست نگر ہوں (ون صاحب Venn)

(الف) ایسے امین وزاہد لوگ جو محتاج غیر نہیں ہیں قابل تعظیم ہونگے۔

(ب) دست نگر اصحاب خواہ امین وزاہد ہوں ناقابل تعظیم ہوں گے۔

(ج) غریب وناخواندہ لوگ جو محتاج غیر نہیں ہیں اور امین وزاہد ہیں قابل تعظیم ہونگے۔

(د) غریب ناخواندہ امین وزاہد حضرات جو دست نگر ہیں ناقابل تعظیم ہوں گے۔

خارج Exclusive اور استثنائی بیانیہ کی تشریح (Exceptive)

خارجی (Exclusive) بیانیہ مرکب میں فاعل کی حد ان الفاظ سے ہوتی ہے صرف، اکیلا، سوا، محض مثلاً صرف انسان ناطق ہیں اس کی تشریح یوں ہوئی (۱) ہر انسان ناطق ہے (۲) کوئی غیر انسان ناطق نہیں ہے۔

استثنائی بیانیہ مرکب میں فاعل کی حد مگر جبتک، اور سوا، سے ہوتی ہے مثلاً مجلس انتظامیہ میں سوا رکن ص کے سبنے حصہ لیا' کسی بیانیہ مرکب کی تشریح سے پہلے چند باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

(الف) اگر نگاہ اول میں فاعل بیانیہ صاف طور پر ظاہر نہیں ہے تو ہمکو یہ سوال ضرور کرنا چاہیئے کہ یہ بیان کس چیز کا ہے یا کس چیز کا تذکرہ ہو رہا ہے اس سوال کے جواب میں فاعل منطقیہ حاصل ہو جائیگا کبھی کبھی فاعل قواعدی سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

(ب) فاعل جان لینے کے بعد ہم کو یہ پوچھنا چاہیے۔ کہ اوسکے لئے کیا کہا گیا ہے یا اوسکے متعلق کیا بیان ہوا ہے اس کا جواب حامل مفعول ہوگا اور بتادے گا کہ بیان متعلق فعل مثبت ہے یا منفی اگر ضروری ہو تو فعل کو ضرور بدلدیجئے تاکہ "ہونا" کی کسی شکل میں آجائے۔

(ج) اسکے بعد ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا مفعول کا تعلق کل سے ہے یا محض کسی ایک جزو سے پہلی صورت میں بیانیہ مخصوص اور دوسری شکل میں عام ہوگا۔

الفاظ مخصوص

بیانیہ (الف) صاع۔ سب ہر ایک کوئی وہ جو کہ جس نے بھی ایک بھی ہمیشہ

بیانیہ (ی) صع = نہیں - کوئی نہیں - کبھی نہیں۔

بیانیہ (ی) صئ -- کوئی - کچھ - بہتیرے اکثر عام طور پر - بیشتر - اکثر اوقات

بیانیہ (د) صوع = میں ہر لفظ بالا حروف نفی کے ساتھ مستعمل ہوسکتا ہے۔

طالب الہ آبادی

سراب

(۱)

وہ فصلِ خشک و شعلہ زا وہ نصفِ روزِ مرحلہ
کہ ذرّہ ذرّہ دشت کا نشیمنِ سموم تھا
وہ دھوپ برق سے سوا وہ آتش آفریں ہوا
درخت تھا کوئی ہرا نہ سبزہ زار کا پتہ
میں اک غریبِ بے نوا خموش اور شکستہ پا
رواں تھا صورتِ [illegible]

(۲)

نظر سے دور ناگہاں کُھلا کہ نہر ہے رواں
تپش سے خشک تھی زباں وہ پیاس تھی کہ الاماں!
چلا میں اس طرف رواں بخاطرِ سکونِ جاں
وہ دوپہر کی تیزیاں وہ پائے آبلہ فشاں
میں ضعف سے تھا ناتواں مگر قرار تھا کہاں
گرا کہیں اُٹھا کہیں

(۳)

غرض بعد جفاکشی وہ نہر پاس آگئی
مگر وہ ایک سطر تھی شراروں سے بھری ہوئی
تھی خاک دور تک پڑی چمک تھی جس میں ذرّوں کی
ہوا غبار سے بھری فریبِ موج تھی بنی
تڑپ گئی فتادگی ہوئی نصیب [illegible]
نم آفریں تھی آستیں

(۴)

وہ عالمِ سراب تھا طلسمِ موجِ آب تھا
تسلیوں کا خواب تھا سکون کا حجاب تھا
اُٹھا تو اضطراب تھا رہینِ التہاب تھا
اسیرِ صد عذاب تھا غموں کا پیچ و تاب تھا
فریب کامیاب تھا خرابِ انقلاب تھا
شہیدِ فطرتِ [illegible]!

(۵)

بعینہ نظر پڑا حسین اک مجسّمہ
تجلیوں کا آئینہ ترقیوں کا ارتقا
وہ سینۂ شراب زا شباب میں بھرا ہوا
وہ پیکرِ چمن نما وہ شوخ نسترن ادا
نقاب رخ پہ تھا پڑا جھلک رہا تھا چاند سا
سحر جبین و نازنیں

(۶)

نظر جھجک کے رہ گئی اُٹھی بدن میں سنسنی
ہوا جو زور بے خودی تڑپ اُدھر ہی لے چلی
ہوس وہ دستِ شوق کی کہ ہاتھ آئے تو سہی
وہ دل کی برقِ حسرتی کہ ہمکنار ہو ابھی
حیا اُن کی وہ سادگی نگاہ کی وہ خیرگی
نفس نفس تھا شعلہ چیں

(۷)

مگر میں جب گیا اُدھر تو بڑھ کے رک گئی نظر
نہ تھا وہ کوئی فتنہ گر شبیہ حسن تھی مگر
نگارشوں میں مستتر نمائشوں سے مفتخر
مرقعِ فسوں اثر کہ جیسے مطلعِ سحر
چھپا ہو زیرِ ابرِ تر سوادِ سرخ رنگ پر
حسین اور مرمریں

(۸)

ہوا خرابِ شوقِ دل ہوئی نگاہ مضمحل
سراب جلوہ سے خجل ندامتوں سے منفعل
تو اک نوائے مشتعل ہوئی ہوا میں منتقل
کہ ہیں نقوشِ آب و گِل مقیم اور مرتحل
مشاہداتِ متصل مدرکاتِ منفصل
فریبِ چشمِ سہل بیں

ساغر نظامی

الیاس

صوفا کے نزدیک مشرقی روس میں ایک بشکیر[۵۱] رہتا تھا جسے الیاس کہتے تھے اسکا والد قلاش تھا مرتے دم کچھ نہ چھوڑا لیکن الیاس کے پاس پہلے سے ۲ گھوڑیاں، دو گائیں اور بیس بھیڑیں موجود تھیں اُسنے اپنے آپ کو ایک اچھا مالک ثابت کیا اور اپنی آمدنی کو بڑھایا۔
بیوی اور خاوند صبح سے شام تک محنت شاقہ کرتے اپنے ہمسایوں سے صبح سویرے اُٹھتے اور دیر سے سوتے سال بسال دولتمند ہوتے گئے۔

جلد ہی الیاس دو سو گھوڑوں ایک سو مویشی، بارہ سو بھیڑوں کا مالک ہوگیا۔ اُس کے ریوڑوں اور مویشیوں کے لئے کئی ایک نوکر تھے۔ عورتیں گائیں اور گھوڑیوں کا دودھ دوہکر کمس[۵۲] مکھن اور پنیر بناتیں۔ الیاس کو کسی چیز کی کمی نہ تھی اُس کا ہر ہمسایہ رشک سے کہتا تھا "الیاس خوش قسمت ہے جو کچھ چاہتا ہے اُسے میسر ہے۔
الیاس کے بہت سے دوست تھے۔ مہمان دور دور سے آتے۔ یہ پروا نہ کیجاتی کہ وہ کون ہے؟ اجنبیوں کی شاہانہ طور پر چاء۔ شربت کمس۔ اور بھیڑ کے گوشت سے خاطر تواضع کیجاتی۔ اگر مہمان تھوڑے ہوتے تو بھیڑ ذبح کر دی جاتی اگر بہت تو گھوڑی۔
الیاس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ وہ تمام شادی شدہ تھے۔ غربت کے ایام میں لڑکے گھوڑے گھوڑیاں چرایا کرتے تھے امارت نے لڑکوں کو بگاڑ دیا۔ ان میں بڑا بادہ پرست ہوگیا اُسے کہیں دھینگا مشتی میں قتل کر دیا گیا۔
چھوٹے کی بیوی مغرور عورت تھی۔ چھوٹے لڑکے نے بیوی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اُسکے باپ سے گستاخی کرے اور حق وراثت مانگے۔ الیاس نے ایک گھر اور ریوڑ کا کچھ حصہ دیکر علیحدہ کر دیا۔ اسکے تھوڑے عرصے بعد بھیڑوں میں ایسی وبا پھیلی کہ سینکڑوں کی تعداد میں مرنے لگیں۔
اگلا سال اُن کے لئے منحوس ثابت ہوا۔ گرما میں گھاس کی فصلیں سوکھ گئیں۔ سرما میں اُسکے کئی مویشی مر گئے۔ خانہ بدوش ڈاکوؤں نے گھوڑوں کے گلّوں میں سے خاص گھوڑے چُرا لئے۔
الیاس روز بروز قلاش اور غریب ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ صحت بھی جواب دینے لگی۔
بہتر سال کی عمر میں اُسنے کھالیں۔ زینے۔ خیمے۔ رہائش گاہ بھی بیچ دی لیکن ضرورتیں ختم ہونے کو نہ آئیں۔ اُس کی رفتہ امارت میں جو چیز بچ رہی تھی وہ کپڑے تھے۔ چغہ۔ ٹوپی۔ اور ما کو چمڑے کے سلیپر تھے۔

---

۵۱ منگولین نسل کے مسلمان جو کوہ یورال کے ڈھلوانوں پر رہتے ہیں۔ ۵۲ کمس یا کومیس یا گھوڑی کا دودھ خفیف گاس کے دودھ کو جوش دیکر جس طرح اب ڈبوں میں بند کر کے یورپ والے فروخت کرتے ہیں بعینہ اسی طرح گھوڑی کے دودھ کو ابال کر استعمال کرتے اور دوسرے جانوروں کے دودھ سے ہاضمہ کے حق میں بالخصوص جبکہ لگاتار تپ آتی ہو مفید جانتے ہیں۔

اُس کی بیوی شام شمگی - جو کہ اب بوڑھی تھی - اُسکا لڑکا جسے حصہ دیا تھا کہیں دور دراز ملک میں چلاگیا تھا - اُسکی لڑکی مرچکی تھی - تنہا ہی کوئی نہ تھا وہ کسی کو اپنی مدد کے لئے بلاسکے -
لیکن انکے نیک دل دولتمند ہمسایہ محمد شاہ کو ان پر ترس آیا اور کہا -
بیوی کے ہمراہ میرے ہاں آکر رہو - اپنی طاقت کے موافق گرمی کے دنوں باغ میں کام کرنا - اور جاڑے میں مویشیوں کو چارہ کہلانا - شام شمگی " گھوڑیوں کا دودھ دُہکر کمُس بنائیگی - میں تمھیں روٹی کپڑا اور جس چیز کی ضرورت ہوگی دونگا -
الیاس سجدۂ شکر بجالایا - اور بیوی کے ہمراہ محمد شاہ کے ہاں نوکروں کی طرح رہنے لگا -
کام کرتے وقت شروع شروع میں تکلیف ہوئی لیکن جلدہی عادی ہوگئے دونو نبساط بھر کام کرتے - کیونکہ وہ کسی وقت مالک رہ چکے تھے - اسلئے اُنھوں نے اپنے آپ کو مفید نوکر ثابت کیا - وہ کام کرنا جانتے تھے کاہل نہیں تھے - لیکن محمد شاہ انہیں اس حالت میں دیکھ کر ہمیشہ افسوس کرتا تھا - ایک دن محمد شاہ کے مکان پر کئی ایک مہمان ایک مُلّا کے ہمراہ آکر ٹھیرے - شاہ نے حکم دیا کہ بھیڑ پکڑ کر اُنکے لئے ذبح کردی جائے - الیاس نے کھال اُتاری اور پکاکر مہمانوں کو بھیجدی - بھیڑ کا گوشت کھلانے کے بعد چاء پلائی گئی - مہمان اور مہماں نواز گدّے اور کھالوں پر ایک ساتھ بیٹھکر بات چیت کرتے ہوئے کمُس پینے لگے -
محمد شاہ نے دیکھا الیاس کام ختم کرکے دروازے کے نزدیک آہستہ سے گذرا - ایک مہمان سے مخاطب ہوکر کہا یہ بوڑھا جو دروازے کے قریب سے گذرا ہے کیا تم نے دیکھا ہے ؟ مضافات میں کسی زمانے میں بہت بڑا امیر تھا اسکا نام الیاس ہے -
مہمان نے کہا شاید اُس سے مجھے ذاتی تعارف حاصل نہیں ہوا - لیکن وہ ایک مشہور آدمی ہے - اب وہ ایک قلاش ہے - دونوں میرے ملازم ہیں - اُسکی عورت گائیں اور گھوڑیوں کا دودھ دُہتی ہے - مہمان یہ سنکر ششدر رہ گیا - سر ہلاکر کہا " طالع ایک پہیہ ہے ایک کو پست کرتا ہے اور دوسرے کو بلند ؟ وہ اپنی قسمت پر روتا ہی ہے "
میں کچھ نہیں بتاسکتا وہ ایک خاموش - امن پسند اور محنتی آدمی ہے -
مہمان نے پھر کہا - کیا میں اُس سے اُسکی زندگی کے متعلق چند سوال کرسکتا ہوں -
محمد شاہ نے کہا - بیشک آپ کرسکتے ہیں -
بوڑھے میاں ا بیوی کے ہمراہ اندر آئیے کچھ کمُس پی لیجئے -
وہ دونوں اندر داخل ہوئے - الیاس نے اپنے مالک اور مہمانوں کے سلام کا جواب دیکر دعا دی اور دروازے کے قریب بیٹھ گیا اُس کی بیوی اپنی مالکہ کے نزدیک پردے میں بیٹھ گئی
کمُس کا ایک پیالہ الیاس کے ہاتھ میں دیا گیا - الیاس شکریہ میں جھککر تھوڑا سا پی کر پیالہ نیچے رکھدیا -
مہمان نے ملتفت لہجے میں کہا - میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہمیں دیکھ کر مغموم سے ہوگئے ہو - شاید پرانے دن یاد آگئے یا تم نے اپنی موجودہ غربت کا گذشتہ خوشحالی سے موازنہ کیا ہے -

الیاس نے مسکرا کر کہا۔ اگر میں آپ سے اپنی خوشی اور ناخوشی کی بابت کچھ کہوں تو آپ یقین نہیں کرینگے۔ بہتر ہوگا میری بیوی سے پوچھ لیں۔ کیونکہ وہ ایک عورت ہے جو کچھ اسکے دل میں ہے وہ اُس کی زبان پر ہے۔ وہ تمام ماجرا سچ سچ کہ دیگی۔

مہمان نے پردے سے پوچھا۔ بڑھی اماں، اپنی گذشتہ اقبال مندی اور موجودہ بدنصیبی کی بابت تم کیا کہتی ہو۔؟

شام شمگی نے کہا۔ میری یہ رائے ہے ۔ ۔ پچاس سال میں تے اور میرے خاوند نے سچی خوشی کو ڈھونڈا مگر نہ پا سکے اب جبکہ دو سال ہوئے ملازموں کی طرح رہتے ہیں ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب ہم نے سچی خوشی کو جسے ہم ڈھونڈھ رہے تھے پالیا ہے۔

وہ تمام متحیر رہ گئے ۔ محمد شاہ اُٹھا اور پردے سے بڑھی کو دیکھنے لگا۔ وہ ہاتھ باندھے خاوند کو دیکھکر مسکرا رہی تھی۔ اور بوڑھا پیچھے سے مسکرا رہا تھا۔

عورت نے کہا، یہ ہنسی نہیں ہے بلکہ میں سچ سچ کہ رہی ہوں۔ ہم نے پچاس سال خوشی کو تلاش کیا۔ اقبال مندی کے ایام میں اُسے نہ پا سکے۔ اب ہمارے پاس کچھ نہیں اور نوکر ہیں وہ خوشی آج حاصل ہے۔

تمہاری اس خوشی کا راز کیا ہے؟ "یہ ہے" جب ہم امیر تھے ہمیں ایک لحظہ بھی آرام حاصل نہ تھا۔ ہمارے اندیشے اور تفکرات اسقدر تھے کہ عبادت کرنے کا موقع تو درکنار ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کا وقت بھی نہ ملتا تھا ہمیں مہمانوں کی تواضع کرنے اور تحفہ تحائف پیش کرنے کے متعلق سوچنا پڑتا تھا۔ جب مہمان رخصت ہو کر چلے جاتے تھے اپنے آدمیوں کا خیال کرنا پڑتا تھا کیونکہ وہ کھانا تو جانتے تھے لیکن کام کرنے سے جی چراتے تھے۔ کبھی ہم بھیڑیوں سے ڈرتے تھے اور کبھی چوروں سے اس اندیشے میں مبتلا کہ کوئی بھیڑ اپنے بچے کو روند نہ ڈالے۔ ہم اکثر سوتے بھی نہ تھے۔ راتوں کو اکثر بیدار ہوتے اور پھرتے۔ جب بھیڑوں کو صحیح سلامت پاتے تو ان کے جاڑے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا۔ لیکن سب سے بُری یہ بات تھی کہ میں اور میرا خاوند ایک بات پر بھی متفق نہ ہوتے۔ ہم اکثر اس بات پر جھگڑ پڑتے تھے کہ فلاں کام اسطرح کیا جائے۔

گویا زندگی اندیشہ تھی اور خوشیاں ہم سے کوسوں دور تھیں۔

لیکن اب ۔۔۔ میں اور میرا خاوند اُٹھتے ہیں صلح آشتی سے بات چیت کرتے ہیں کیونکہ جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہوتی ہمارا اندیشہ صرف اتنا ہے کہ مالک کی نوکری کسی طرح انجام دیجائے۔ طاقت کے موجب خواہش سے کام کرتے ہیں کہ ہمارے مالک کو فائدہ ہو نقصان نہ ہو۔ کام کے بعد ناشتہ تیار ہوتا ہے۔ اگر سردی ہوتی ہے تو گوبر اور اوڑھنے کے لئے پوستین موجود ہوتی ہے پچاس سال ہم نے سچی خوشی تلاش کی اب کہیں جا کر حاصل ہوئی۔

مہمان ہنس پڑے ۔ الیاس نے کہا۔

بھائی ۔ ہنسو نہیں ۔ یہ ہنسی نہیں بلکہ آدمی کا تجربہ ہے۔ ہماری قسمت جب بگڑی تھی میں اور میری بیوی احمقانہ طور پر رو دیے تھے لیکن خدا نے سچ ظاہر کر دیا۔ اب ہم تم پر تمسخر کے طور پر نہیں بلکہ تمہارے فائدے کے لئے آشکارا کئے دیتے ہیں۔

ملاّنے کہا وہ سچ کہتاہے اُسنے سچ کو ظاہر کیا ہے ایساہی قرآن مجید میں لکھا ہے ۔ مہمانوں نے ہنسنا بند کردیا اور جو کچھ سُنا تھا اُس پر غور و خوض کرنے لگے ۔

(ٹالسٹائی)

حاجی محمد صادق ایوبی (ڈیرہ غازی خاں)

میرے کمرہ کی تصویریں شاعر ہیں

میری نشست گاہ اور خوابگاہ کی دیواریں چند مشاہیر چند مناظر چند حسین ایکٹرس اور چند جمیل نسائی تصویروں سے مستقلاً آراستہ رات کی خاموشی میں جب میرے پاس کوئی نہیں ہوتا جب میرا دماغ کثرت مشاغل سے تھکا ہوا اور پریشان ہوتا ہے ۔ میری نظریں اُنسے طالب کیف ہوتی ہیں، وہ شمع کی منور اور پرسکوں روشنی میں مجھ سے قطعاً مخاطب ہوجاتی ہیں اور ایسے ایسے مجھے شعر سناتی ہیں کہ میری رُوح وجد میں آجاتی ہے ۔

کسی کی آنکھوں سے شراب مجسم بنکر شعریت کا رس ٹپکنے لگتا ہے، کسی کے تابہ کمر بال مضمون پریشاں کی طرح صفحۂ نظر پر ترسم ہوجاتے ہیں ۔ کسی کا رنگ فضائے قلب میں ایک شگفتگی پیدا کردیتا ہے ۔ کسیکا تبسم میری خاموشیوں میں خلاق تکلم بن جاتا ہے ۔ اور میں بے حس و حرکت تماشازار تصاویر میں ہمہ تن مستغرق ہوجاتا ہوں ۔

جب میری نگاہ اُس دوشیزہ رقاصہ پر پڑتی ہے جو اپنے دامنوں کی پرواز سے بے خبر، عریاں روائی سے لاپروا، اور ہلاکت شوخی سے مستغنی ہوکر مصروف رقص ہے تو میں اپنے مجسمۂ خیال کو ایک ایسی تماشاگاہ محو نظارہ دیکھتا ہوں، جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہوتا ۔ مسکرات ماحول صرف میری نگاہوں کی پذیرائی پر آمادہ ہوتے ہیں ۔ اور جہاں شراب کیف پیمانۂ منظر میں صرف میرے ہی لئے بھری جاتی ہے ۔

میں اپنے سکون زار خلوت کو لطائف گوناگوں سے معمور پاتا ہوں، کبھی حسن میرا ہمراز ہوتا ہے کبھی حسین حرکات مصور میرے ماؤف دماغ کو بہار آفریں بنادیتی ہیں، یہاں تک کہ میری آنکھیں تسکرات محیط سے بے خود ہوکر بند ہوجاتی ہیں ۔ اور میری رُوح میں وہی تصویریں بیدار ہوکر میرے خواب نوشین کو دنیائے جدید بنادیتی ہیں ۔

ساغر

تاریخِ نقاب

اور

احکامِ عریانی

(۱)

ہے تخلیقِ دنیا عریاں　　اولیاتِ اولیٰ عریاں
صحرا گلشن دریا عریاں　　پھول کلی اور پتا عریاں
کوہ برہنہ چشمہ عریاں　　ہر قطرہ ہر ذرہ عریاں
چرخ عریاں ہر تارا عریاں　　بجلی اور شرارہ عریاں
تیور عریاں غمزہ عریاں　　حسن کا ہر عشوہ عریاں
سورج چاند ثریا عریاں　　آگ ہوا اور شعلہ عریاں
نکہت سی عطارہ عریاں　　شبنم سی آوارہ عریاں
بادل بوندوں والا عریاں　　بوندوں کا پیمانہ عریاں
فطرت ہے در پردہ عریاں　　ہے اصلاً ہر جلوہ عریاں
بدویات رعنا عریاں　　ہوتے ہیں سب پیدا عریاں

جس حد تک دنیا فانی ہے
عریانی ہی عریانی ہے

۲

عالم کا ہر منظر عریاں　　گوہر عریاں پتھر عریاں
جلوۂ صبح نستر عریاں　　رنگ شفق مغرب پر عریاں
پھولوں میں گنجِ زر عریاں　　ہر خارِ خشک و تر عریاں
آئینہ میں جوہر عریاں　　صورت میں صورت گر عریاں
موجیں اور سمندر عریاں　　سایہ دھوپ برابر عریاں
زیر میں نقشِ آذر عریاں　　کعبہ کا سنگِ در عریاں
ہر قانونِ داور عریاں　　شرعِ ہر پیغمبر عریاں
زخموں پر ہر نشتر عریاں　　گردن پر ہر خنجر عریاں

سایہ عریاں پیکر عریاں　　شیشہ عریاں ساغر عریاں
ہر شے پوشیدہ تر عریاں　　باہر پردہ اندر عریاں!

عریانی کو سمجھا کیا ہے
عریانی خود اک پردہ ہے

۳

وحدت جب کثرت میں آئی　　رعنائی نے لی انگڑائی
لب تھے رنگین و مینائی　　آنکھیں مخمور و صہبائی
دیکھی جب ایسی زیبائی　　نیت کی نیت للچائی
شوق نے یورش کی ٹھہرائی　　صبر و سکون نے کی پسپائی
نظارہ نے وسعت پائی　　حسن نے صد رنگی چمکائی
وہ عالم اور وہ تنہائی　　طلعت کی فطرت شرمائی
سامنے تھی چشمِ بینائی　　گھبرایا خوفِ رسوائی
تنویر اک پردہ سا لائی　　اور حیا چہرہ پر چھائی
چونک اٹھی برقِ سینائی　　حیرت کی دیوار اٹھائی
راز بنی شانِ یکتائی　　لاکھ حجاب اور اک ہرجائی

پردہ میں جلوہ پنہاں تھا
لیکن پردہ خود عریاں تھا

۴

حسن میں تھا جوشِ آزادی　　خود پردہ کی قید اٹھا دی
شوخی نے اک آفت ڈھا دی　　بجلی جلووں کی برسا دی
اف وہ ادائیں سادی سادی　　دنیا تھی صرفِ بربادی
عالم میں اک دھوم مچا دی　　سب پر جلوے کی ٹھہرا دی

طور پہ جاکر آگ لگادی — مصر میں شورش سی پھیلادی
نجد میں جاکر خاک اُڑادی — رُوحِ محبت کی دوڑادی
فکر تمدن تھی فریادی — "انت المادی انت الہادی"
بدرسمی کی بے بنیادی — حسن کو برقع کی ایذا دی
پردہ میں تنویر چھپادی — فطرت نے پرشور صدا دی
ہے انسان ایسا ایذادی — عریانی اصل مٹادی

جوشِ نقاب آباد رہیگا
حسن مگر آزاد رہیگا

— ۵ —

فطرت اور مافوق الفطرت — رُوح فرشتے دوزخ جنت
نقشِ قضا اور لوحِ قسمت — عرش اور کرسی سترِ عورت
ہے انکے چھپنے میں حکمت — پنہاں ہوں اسرار وحدت
ہوا انسان مجبورِ عقیدت — جوشِ برائے جذب ارادت
حُسن ہے لیکن، جانِ محبت — برقِ لطافت نوشِ حلاوت
اس سے ہے عرفان ملاحت — اس سے ہے ترویج صباحت
اسکے جلوے نازشِ عشرت — اسکے عشوے بارشِ لذت
اسکا رم تو یدِ شریعت — اس کا خم گیسوئے طریقت
اس کو کیا پردہ کی ضرورت — پردہ ہے انسان کی بدعت
پردے سے ہے حسن کو نفرت — عریانی ہے اسکی خلقت

ہے شرقِ حسن انسانی
عریانی قطعاً عریانی +

ساغر نظامی

طمانیت

میرے افکار و انتشار کی طمانیت کا بہترین وقت وہ ہوتا ہے جب میرے ہذیانات متشکل و مجتمع ہوکر میری نگاہوں کے سامنے آتے ہیں، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنے الہامات ذہنی کی برقی تجلیوں کو ہمیشہ کے لئے شیرازہ بند کرلیا ہے۔

ساغر

کشمیر اور گلمرگ کی سیر

(میری ۷۔ اگست ۱۹۲۴ء کی ڈائری کا انتخاب)

آج میں اپنی خوش بختی سے مسیح الملک کے ہمراہ گلمرگ کی سیر کو جا رہا ہوں۔ پہلے بھی جب کشمیر آیا تھا تو یہاں کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا تھا۔ کوئی شخص کشمیر جائے اور گلمرگ کی سیر سے محروم رہے تو یہ سمجھیے کہ وہ بہشت میں تو گیا مگر دیکھا کچھ بھی نہیں۔ صبح کے ۷ بجے ہونگے کہ نثار اور ڈاکٹر عالم صاحب مسیح الملک کی کوٹھی پر جا پہونچے اور ابھی ایک گھنٹہ نہیں گذرا تھا کہ دولتکدہ سے مسیح الملک کا ورود ہوا۔ تین موٹریں آغوش محبت وا کئے ہوئے اس پارٹی کو گلمرگ پہنچانے کے لئے سرگرم انتظار تھیں۔ ٹھیک ۸ بجے موٹریں روانہ ہوگئیں۔ سری نگر سے تنگ مرگ کوئی ۲۴ میل ہے۔ تنگ مرگ سے چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں سے گلمرگ چار میل ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پُر فضا راستہ کی خوبصورتی اور دلفریبی کا نقشہ صفحۂ قرطاس پر کوئی کس طرح کھینچے اور اس کی توصیف زبان سے کیونکر کرے۔ سپیدے کے دلکش درخت شاہراہ کے دونوں طرف قطار در قطار معشوقان طناز کی طرح کھڑے ہوئے ہیں۔ دہانوں کے زمردین کھیتوں کے ساتھ نسیم بہار اٹھکھیلیاں کر رہی ہے۔ زاہدان سبز پوش کی طرح سر پر برفانی عمامے باندھے ہوئے پہاڑ ایک حلقے میں قدرت کی نیرنگیوں پر وجد کر رہے ہیں۔ آفتاب عالمتاب اپنے پُر ضیا چہرے سے ابر سیاہ فام کی نقاب اُلٹے ہوئے دوشیزگان نبات کے ساتھ دیدہ بازیوں میں مصروف ہے۔ چشمے جوش مسرت سے اُچھل اُچھلکر نہایت سُریلی آواز میں حمد باری تعالیٰ کے شیریں راگ الاپ رہے ہیں۔ اور سبزۂ خوابیدہ طائر نظر کو پھانسنے کے لئے سراپا دام بنکر رہ گیا ہے۔ اس نظر فریب نظارہ پر میری آنکھیں نرگس شہلا کی طرح کھلی ہوئی تو ضرور ہیں مگر محویت نے ایک خواب کا عالم پیدا کر دیا ہے یا یوں کہیئے کہ گلزار ارم کی باصرہ نواز روشوں میں نگاہ مشتاق کچھ ایسی کھو گئی ہے کہ تن بدن کا ہوش نہیں۔ حیرت مجسم بنکر کہنا ہی پڑتا ہے۔

(بہ بیداری ست یا رب یا بخواب است) موٹر کی سواری نہ ہوتی تو خدا جانے ہم کب سری نگر سے تنگ مرگ تک پہونچ پاتے قدم قدم پر دل کو سمجھانا پڑتا۔ جیسے جیسے پر آنکھوں کو پھسلانا پڑتا تو شاید آگے بڑھنے کا نام لیتے ورنہ یہیں کے ہو رہتے۔ آخر کار الحمد للہ کر کے دس بجے کے قریب تنگ مرگ پہونچ گئے لیکن مسیح الملک کی موٹر کا ابتک کہیں پتہ نہیں۔ شاید راستہ ہی میں مچل گئی۔ موٹروں کے ناز و ادا کو اسکے عاشق زار ہی خوب جانتے ہیں۔ موٹر ہٹ نے تریا ہٹ کو بھی مات کر دیا ہے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد یہاں سے ایک موٹر بھیجی گئی۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ کل پارٹی کے دل بھی ہو لئے۔ آخر انتظار کا خاتمہ ہوا۔ اور مسیح الملک کی موٹر بخیر پہونچ گئی۔ سب لوگ اب اس چھوٹے سے مکان کی طرف چلدیئے جو تنگ مرگ کے پہلو میں کوئی چھ سات میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی پُر فضا پہاڑی کے آغوش میں متمکن ہے۔ مگر افسوس ہم سب وہاں پہونچے تو اسکا در بند پایا۔ خیر اس کا ملال ہی کیا ہوتا ہماری پارٹی کو سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ کی بلندی مطلوب ہے۔ جہاں کوئی خوشگوار مقام ہوا در خوان نعمت بچھ جائے ہمیں ایسے تنگدل

مکان کی ضرورت نہیں۔ اس موقع پر گو ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا ہے۔ مگر اسکا پانی پینے کے قابل نہیں۔ البتہ عین اسی کے پہلو میں ایک نالہ ہے جس کا پانی نہایت ہی خنک اور خوشگوار ہے۔ پارٹی نے یہیں قیام کیا۔ خوان نعمت بچھ گیا۔ اور انواع انواع کے کھانے چن دئے گئے۔ اس وقت بعض ممبران کے خرام ناز پر خوب ہنسی اُڑی۔ بڈھے بوڑھے اگر لغزش پا کا الزام راستہ کی ناہمواری کے سر تھوپتے تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ یہاں تو جوان بھی پسینہ پسینہ ہوکر اپنی حالت زار پر کھڑے ہوئے آنسو بہا رہے ہیں۔ حقیقتاً آجکل امارت کی شان ہی یہ ہے کہ سر ہو اور بالیں۔ پہلو ہو اور تکیہ۔ موٹر ہو اور ہوا خوری۔ پیادہ پا پہاڑوں کے سر چڑھنا نشیب و فراز کی سختیاں جھیلنا کچھ ہنسی کھیل نہیں۔ کاش تن آسانیاں اور تعیش ہماری سپاہیانہ اولوالعزمیوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈالتا اور کاہلی اور سستی ہمارے مردانہ جذبات اور ارادوں پر بزدلی کا پانی نہ پھیر دیتی۔ خیر کچھ سکون و آرام کے بعد سب پارٹی دسترخوان پر ڈٹ گئی اور خدا کی دی ہوئی نعمتیں خوب سیر ہوکر کھائیں۔ یہاں ایک گھنٹہ قیام رہا۔ اب واپسی میں پگڈنڈیوں کا اتار چڑھاؤ عجیب لطف دے رہا ہے۔ پیٹ بھرنے کے بعد جو لوگ قیلولہ کے عادی ہیں وہ زیادہ کشمکش میں ہیں۔ ہنسی اور دل لگی کان کو بات تک نہیں آنے دیتی۔ گلمرگ کی سیر کا اشتیاق کشاں کشاں لئے جا رہا ہے۔ نہ سر کی خبر ہے نہ پاؤں کی۔

گلمرگ جانے کے لئے تنگمرگ میں گھوڑے تیار کھڑے ہیں۔ یہاں گھوڑے کثرت سے ملتے ہیں۔ گو بظاہر وہ دبلے پتلے ہوتے ہیں مگر پہاڑ کی چڑھائی پر جس پھرتی اور تیزی سے چڑھتے ہیں انھیں کا کام ہے۔ یہاں وہ موٹے تازے گھوڑے بیکار ہیں جو اصطبلوں میں کھڑے کھڑے چاندی کھایا کرتے ہیں۔ اور جب کام لیا جاتا ہے تو ذرا سی دیر میں پسینہ پسینہ ہوجاتے ہیں اور طرح طرح کی شوخیاں کرنے لگتے ہیں۔ آدمی ہو یا جانور اگر وہ کام اور محنت کرنے کا عادی نہیں ہے تو اسکی یہی حالت ہوجاتی ہے۔ ان گلمرگ جانے والے گھوڑوں کا کرایہ بھی کچھ زیادہ نہیں۔ تقریباً ڈیڑھ روپیہ میں آمد و رفت کے لئے ایک گھوڑا ملجاتا ہے۔ گویا یہ انکا دن بھر کا کرایہ ہے۔ تیرہ گھوڑوں پر ہماری پارٹی کے ممبر روانہ ہوگئے۔ مجھے بہت ہی خوشی ہوئی جب میں نے مسیح الملک کو ایک شان کے ساتھ گھوڑے پر سوار دیکھا۔ صاحب موصوف پورے شہسوار ہیں اور باقاعدہ سواری کرتے ہیں۔ میں اس وقت آپ کو اس شان کے ساتھ گھوڑے پر دیکھکر کیوں خوش ہو رہا ہوں۔ اسواسطے کہ آجکل گھوڑے کی سواری معدوم ہوچلی ہے۔ خصوصاً امرا تو شرم کی وجہ سے گھوڑے پر چڑھتے ہی نہیں حالانکہ پہلے اس سواری پر ناز و فخر کیا جاتا تھا۔ مگر حضور ممدوح روزانہ نہایت ذوق و شوق سے سواری فرماتے تھے۔ اب کچھ دنوں سے بوجہ مصروفیت کار سواری کا موقع نہیں ملتا۔ افسوس موجودہ زمانہ کی رفتار نے ایک شہسواری کو نہیں بلکہ تمام سپاہیانہ شان کو نیست و نابود کردیا ہے۔ اسوقت کا تماشہ بھی عجیب دلکشی رکھتا تھا پارٹی کے شہسوار جب گھوڑے دوڑاتے ہوئے گذر رہے تھے اگر انکا فوٹو لیا جاتا تو ایک یادگار فوٹو ہوتا۔ اور اگر اس منظر کا فلم تیار کر کے بائیسکوپ میں دکھایا جاتا تو اور بھی سونے پر سہاگہ تھا۔

دو میل تک تو مسیح الملک کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا مگر بارش سر پر آرہی تھی۔ بادل منڈلا رہے تھے۔ اسواسطے ارادہ کیا کہ گھوڑے کو بڑھا کر جلد تر گلمرگ پہونچ جاؤں تاکہ گلمرگ کی آبادی میں پارٹی کی رہبری آسانی سے کرسکوں۔ علاوہ ازیں چھتری تھی

نہ برساتی - کپڑے تر ہو جاتے تو سردی سے تُوہُو کون کرتا - گھوڑے کو تیز کرنا تھا کہ ترشح ہونے لگا - ترشح کیا اچھی خاصی
برسات شروع ہو گئی - یہ تو یہاں ایک معمولی سی بات ہے - بادل ہر وقت چار طرف کھیلتے پھرتے ہیں - کوئی نہیں بتا سکتا کہ
کب پانی پڑنے لگے گا - مگر اللہ رے ٹٹو بھی طوفان باد و باراں میں دلدل کو روندتا ہوا سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا - آخر
چالیس منٹ میں ۳ میل کا سنگلاخ راستہ طے کر کے ایک درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا - اسوقت کی ہیئت کذائی دیکھنے کے قابل
تھی - سر سے پاؤں تک شرابور - سردی کی وجہ سے ناطقہ بند - سطح سمندر سے آٹھ ہزار پانسو فیٹ کی بلندی پر ایک عجیب بے بسی
کیحالت میں کھڑا ہوا پارٹی کا انتظار کر رہا تھا - تھوڑی ہی دیر کے بعد پارٹی بھی اسی شان کے ساتھ وارد ہوئی - اسوقت بھی
بوندا باندی ہو رہی تھی - بادل سر پر چھائے ہوئے تھے - گھوڑوں کی قدمبوسی کے لئے چپہ چپہ پر کیچڑ اور پھسلن تیار تھی - اب یہ
پارٹی جائے تو کہاں جائے - آخر اس چھوٹے سے گروپ نے دہلوا بولکر افتاں و خیزاں ہوٹل کو جا لیا - وہاں صاحب لوگوں اور
میم صاحبان کے لئے یہ شاندار پارٹی ایک دلچسپ تماشا بن گئی - اور قہقہے اڑنے لگے - اتنے میں ایک صاحب بہادر جھپٹے ہوئے
آئے اور اسلام علیکم کہکر فرمانے لگے "آیئے آیئے" صاحب بہادر کے منہ سے یہ جملہ ایک طرفہ حیثیت رکھتا تھا - ہمارا خیال تھا
کہ یہ ہوٹل کے مالک ہیں اور ہمیں ہوٹل کے کسی حصہ میں ٹھہرانے کے واسطے لیجانا چاہتے ہیں - سلام علیکم پر ذرا ہم ٹھٹھکے -
اور پھر کچھ سمجھکر سب پارٹی صاحب بہادر کے پیچھے پیچھے ہولی - اور ہم بجائے ہوٹل کے ایک شاندار پرائیوٹ کوٹھی کے ایک وسیع
خوشنما سجے سجائے کمرے میں بٹھا دیئے گئے - یہ انہیں صاحب کی پرائیویٹ کوٹھی تھی - میں نے خواجہ کمال الدین صاحب
سے ان کا نام نامی دریافت کیا - ممدوح نے ارشاد فرمایا کہ یہ صاحب مسٹر ہری نند ہیں - یہ ہوٹل انھیں کا ہے - ان کی مختصر
ہسٹری یہ ہے کہ انکے والد مجید جرمنی کے باشندے ہیں - مگر مسٹر ہری نند کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی ہے - یہ مسلمان
ہو گئے ہیں - اور نام کے مسلمان نہیں بلکہ سچے مسلمان ہیں - اسوقت آپ اپنے ہوٹل کے کام میں مصروف تھے - اسواسطے آپ
انگریزی ڈریس میں انکو دیکھتے ہیں - ورنہ یہ تمام پنجابی لباس پہنتے ہیں اور پنجابی ہی بولتے ہیں - حالانکہ انگریزی خوب جانتے ہیں
اور کشمیری زبان سے بھی واقف ہیں - انھوں نے یہیں ایک کشمیری خاتون سے شادی بھی کر لی ہے - گلمرگ کے قریب ایک
موضع ہے وہ انھیں خاتون کی زمینداری میں ہے - علاوہ ازیں اس گلمرگ میں انکی اور جائداد بھی ہے - اور اچھے خاصے
دولتمند ہیں - اب تو کل جائداد کے مالک بھی یہی ہیں - مسٹر ہری نند نہایت ہی متواضع اور خلیق انسان ہیں - حکیم صاحب
انکی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور ان کے ضیق النفس کا نسخہ بھی تجویز فرمایا - چونکہ ہم سب بھیگے ہوئے تھے اور
سردی کے شدید حملے چین سے بیٹھنے نہیں دیتے تھے صاحب بہادر نے دوسرے کمرے میں انگیٹھی روشن کرا دی - تاکہ ہم
لوگ اپنے کپڑے بھی خشک کر لیں - اور سردی کی یہ گرم بازاری بھی سرد ہو جائے - صاحب بہادر نے پہلے سوڈا لیمنیڈ کی
تواضع کی - مگر سردی ہوش اڑائے دیتی تھی - سوڈا واٹر کا سودا مفت میں کون مول لیتا - تھوڑی دیر کے بعد نہایت تکلف کے
ساتھ چاء آ گئی - کیک بسکٹ اور ہر قسم کی مٹھائی بھی ساتھ تھی - پیالیوں کا دور چلنے لگا - اور مٹھائیوں نے شیریں کام

کرنا شروع کر دیا۔ اسوقت صاحب بہادر اپنی کسر نفسی سے بار بار فرما رہے تھے کہ میں شرمندہ ہوں۔ خاطر خواہ تواضع نہیں کر سکتا اللہ رے تکلف اب ہم اور کیا کھاتے۔ یہ دور ختم ہوا تو گرمی پاکر ہمارے کپڑے بھی سوکھ گئے تھے۔ اب سکون و آرام کیسا؟ اور وہ بھی گلمرگ میں۔ جہاں بقول کسے۔ ع گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید۔

یہ گھوڑ سوار پارٹی پھر چاق چست ہوگئی۔ گھوڑے کودنے لگے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے پھر دلوں میں امنگوں کی حرارت پیدا کر دی۔ پھر پیاہیانہ جذبات بڑھ بڑھ کر اکسانے لگے۔ اس نئی آن بان کے ساتھ یہ جنگی ٹروپ ہوٹل کے سامنے سے گذرا تو دریچے اور کھڑکیاں سب کی سب دیدۂ حیرت بنکر رہ گئیں۔ کمرے کے ایک بالائی حصہ سے چار صاحب بہادر اس سین کو دیکھ رہے یوں کہیئے کہ ان جوانان صف شکن پر نظر ڈالکر فرمانے لگے یہ کیا تماشہ ہے۔ خواجہ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ یہ وہی تماشا ہے جو آپ یہاں بنایا کرتے ہیں۔ اس پہ خوب قہقہہ اڑا۔ مسٹر ہری نند دھوبی گھاٹ کے چشمے کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ یہ پارٹی گھوڑے دوڑاتی ہوئی اسیطرف چلدی۔ اور سب نے جاکر اس چشمہ کا پانی پیا۔ پانی میں کچھ تکدر تھا اور مزہ بھی ذرا پھیکا معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال ہمیں تو اس میں کوئی خوبی دیکھی نہیں۔ اب پارٹی کا ارادہ ہوا کہ واپسی ٹھنڈی سڑک سے ہو۔ گلمرگ کی ٹھنڈی سڑک تعریف سے مستغنی ہے میں نے پہلے سفر میں بھی اس سڑک کا گلگشت کیا ہے۔ مگر افسوس باتوں ہی باتوں میں اس دلفریب سڑک کا راستہ چھوٹ گیا۔ اور ہم پھر اسی راہ پر لگ گئے جسپر ہو کر آئے تھے۔ اچھا ہوا کہ اسوقت اس سڑک کی سیر نہوئی۔ ورنہ پھر دل اور آنکھ کے ساتھ ایک بحث کا سلسلہ قائم ہو جاتا۔

یہاں سے مسٹر ہری نند رخصت ہوتے ہیں۔ مگر ان کا اخلاق اور انکی تواضع ہمارے دلوں کو اپنے جلو میں لئے جاتی ہے۔ ان کی تصویر ہمارے صفحۂ دل پر نقش ہوگئی ہے۔ اور ان کی جدائی میں "جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی"۔ حسب اتفاق آگے چلکر اسٹیٹ کے رزیڈنٹ صاحب سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مگر مسیح الملک اخلاقاً کچھ مختصر سی بات چیت کر کے بڑھے چلے گئے۔ پھر خان بہادر سراج الدین صاحب جو ریزیڈنسی کے ہیڈ کلرک ہیں ملے۔ انہوں نے چاء کے لئے کہا مگر اب چاء کا کیا وقت تھا۔ چاء تو سب پی ہی چکے تھے۔ باتیں کرتے کرتے جب ہم اس موقع پر آئے جہاں سے آثار شروع ہوتا ہے تو خان بہادر نے کہا آیئے۔ تھوڑی دیر ٹھنڈی سڑک پر گھومیں۔ مسیح الملک - نثار - ماسٹر محمد حسین صاحب - اور ایک اور صاحب ٹھنڈی سڑک پر چلے گئے۔ سبحان اللہ کیا سڑک ہے تعریف نہیں ہو سکتی۔ ایک جانب تو اونچے اونچے پہاڑ اور دوسری طرف نشیب اور پھر پہاڑوں کا سلسلہ عجیب ہی دلکش منظر ہے۔ سر بفلک پہاڑوں پر چاندی سے چمکتے ہوئے برفانی خطوط اور ان پر سورج کی کرنیں نشیب و فراز پر درختوں کی مستانہ ادائیں ہنستے ہوئے پتھروں پر آب زلال کا سریلی آواز سے گاتے ہوئے اٹکھیلیاں کرنا دل کو کھینچ رہا تھا۔ ۸۵۰۰ فٹ کی بلندی پر کھڑے ہو کر ہم ۱۴۵۰۰ فٹ کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کاش وقت ہوتا اور ہم کوکچو تھر کی جھال پر اڑ کر پہونچ جاتے۔ گلمرگ آپ اپنی نظیر ہے۔ نینی تال۔ مسوری۔ شملہ۔ مری۔ ڈلہوزی۔ سب گلمرگ کے قدم چومتے ہیں۔ اور اس کے آگے سربسجود ہیں۔ قدم قدم پر یہاں ایک نظر فریب منظر ہے۔ اسکے گوشہ گوشہ پر بہشت کا دھوکا ہوتا ہے گلمرگ گویا کشمیر جنت نظیر کے سر پر ایک

مرصّع تاج ہے - یا یوں کہیئے کہ گلمرگ خطۂ کشمیر کے تاج کا ایک تابندہ کوہ نور ہے - وقت کو مدّ نظر رکھ کر ہم زیادہ سے زیادہ ایک میل تک گھومے ہونگے - آخر واپس ہو کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور نیچے اوترنے لگے - پارٹی کے کچھ ممبر آگے بڑھ گئے تھے - جمیل میاں اور ماسٹر محمد حسین صاحب برابر تنگ مرگ تک پیدل آئے - میں ہی مسیح الملک کے ساتھ تین میل تو گھوڑے پر آیا - کیونکہ راستہ میں پھسلن اور کیچڑ قدم نہیں اُٹھانے دیتی تی - اور آخر کا میل ہمنے بھی پیدل ہی طے کیا - گھوڑے اس دلدل اور پھسلن میں اُتار پر بھی اُڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے - گلمرگ میں برف ہر وقت دُرِعدن بنکر اسکے سر پر نثار ہوتا رہتا ہے - تنگ مرگ پہونچکر سب پارٹی اپنے اپنے ٹھکانے پر موٹروں میں بیٹھ گئی - اور ہم نے ٹھیک چھ بجے تنگ مرگ کو الوداع کہدیا - ہماری موٹر کو راستہ میں اتفاقیہ ایک خطرہ بھی پیش آیا - دو بیل لڑتے ہوئے موٹر سے ٹکرا گئے جسکے سبب سے ایک لمحہ کے لئے موٹر رک گئی - مگر للہ الحمد کچھ نقصان نہیں ہوا - ہماری موٹر امیرا کدل پر پہونچ گئی - تو دیکھا کہ مسیح الملک کی موٹر مچلی ہوئی کھڑی ہے اور ڈرایور طرح طرح سے اُس کی نازبرداریاں کر رہا ہے - مسیح الملک تانگہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے - ہم آٹھ بجے اپنی ہاؤس بوٹ میں آگئے - اس سے پہلے مسیح الملک بھی مع الخیر تشریف لے آئے تھے - آج بھی گھوڑے کی سواری کے علاوہ میں نے پہاڑ پر پانچ چھ میل پیدل گشت لگایا - میرے دوست سمجھتے ہونگے کہ تکان کی وجہ سے میں نے کھانے کے بعد فوراً بستر پر چلا جاؤنگا - اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر خراٹے لینے لگونگا - مگر کیسا تکان ؟ کیسا کسل - میں تو اخبار پڑھ رہا ہوں - افسوس آجکل نوجوان اُٹھکر پانی بھی نہیں پیتے - کل پہاڑوں کی اونچی سے اونچی چوٹیاں ان کے قدم چومتی تھیں اور دنیا کے وسیع سے وسیع میدان ان کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا اپنا فخر سمجھتے تھے - فاعتبرو یا اولوالابصار -

نثار حسین

نیرنگِ تماشا

جب میں تمھارے حسنِ رنگیں کے مطالعہ میں مصروف و محو ہو جاتا ہوں تو میری تخیل پر مرّی - ڈلہوزی، گلمرگ اور کشمیر کی فردوسیت ہمہ نور و مکیرنگ بنکر چھا جاتی ہے - میں اس نیرنگِ خیال کی وسعتوں میں کھو نہیں جاتا، تخیل کو نہایت خاموشی سے سمیٹتا ہوں، اور میرے سامنے تمھارا جمال پھر شرقِ بہار کی طرح پھیل جاتا ہے - یہ تمھارے حسن کا شعبدہ ہے یا میری نگاہِ تماشا زا کا اعجاز صبح -

ساغر

مقتلِ خرام

شوقِ جفا کارِ ما
نگہتِ گلبارِ ما
مستِ طرحدارِ ما
ترکِ کماندارِ ما

(۲) ــــــــ مے رود و مے زند

رونقِ ایوانِ ما
روحِ سر و ریحانِ ما
شمعِ شبستانِ ما
غارتِ ارمانِ ما

(۳) ــــــــ مے رود و مے زند

غمزہ ز عشوہ عیاں
دشنہ بہ غمزہ چکاں
کیف بہ چشمش نہاں
لغزشِ پا در میاں

(۴) ــــــــ مے رود و مے زند

اے سحرِ وصلِ یار
کسلِ مئے ہمکنار
میکندم بیقرار
از برِ من آں نگار

(۵) ــــــــ مے رود و مے زند

زلف برانگیختہ
تا کمر آویختہ
خونِ دلم ریختہ
زہرِ غمم آمیختہ

(۶) ــــــــ مے رود و مے زند

با نگہِ خشمگیں
موجِ شکن بر جبیں
چیدہ دراز آستیں
تیر بدستِ حسیں

(۷) ــــــــ مے رود و مے زند

شد شبِ عشرت خراب
آں بتِ مستِ شباب
ریختہ جامِ شراب
مثلِ قمر بے حجاب

(۸) ــــــــ مے رود و مے زند

ساغرِ آشفتہ حال
خستۂ فکرِ وصال
کشتۂ حسن و جمال
دست بدشت و جبال

ــــــــ مے رود و مے زند

ساغر نظامی

آنسوؤں کے چند قطرے

(راز چاندپوری کی نظم "شکوہ" پر ایک لطیف و مختصر تبصرہ)

اے نصیبِ نارسا اے بختِ خفتہ الوداع — رخصت اے اُمید اے جوشِ تمنا الوداع

ہو چکا برباد میں اب تو خدارا الوداع — کر چکے تم میرے دل کو پارا پارا الوداع

جاؤ! میں واماندۂ مقصودِ خاطر ہو چکا — وہ فریبِ سحرِ باطل مجھ پہ ظاہر ہو چکا۔

ایک مایوس تمنا، ایک ناکام آرزو، اس وقت جبکہ اسکی مایوسی کے بڑھتے ہوئے سیلاب، اور اس کے جوشِ گریہ کے متلاطم طوفان نے زخمی دل کو اُمید و رجا سے بے نیاز کر دیا ہے، وہ اپنی نارسائی قسمت کا بارہا تجربہ کر چکا ہے، تمنا کی سیکڑوں صورتیں بنا کر بگاڑ چکا ہے، خلوت شب میں اپنی قسمت، اپنی تمنا کے ہجوم کو مخاطب کرکے انتہائی یاس و الم میں حزنیہ ترانہ گاتا ہے اور کہتا ہے میں نے جو آرزو کی قسمت کی نارسائی نے اُسے پامال کر دیا، میں نے اُمید کی جسقدر عظیم الشان عمارتیں بنائیں ان سب کی بنیادوں کو یاس و حرمان کے شدید زلزلے نے ہلا دیا، میرا دل ان ہوشربا مصائب و آلام کو سہتے سہتے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور اب مجھ میں یہ تاب نہیں کہ آئندہ بھی اس روحانی کشمکش سے اسی طرح دو چار رہ سکوں اور پھر اب مجھ پر وہ راز بھی ظاہر ہو چکا ہے، جو اُمید کی تاریکی اور سراب تمنا میں پوشیدہ رہا کرتا ہے، تو اب کوئی وجہ نہیں کہ میں تمھاری ٹھوکروں میں اپنے جسم زار کو پاش پاش ہونے کے لئے پڑا رہنے دوں، اسلئے "رخصت اے امید، اے جوش تمنا الوداع" آہ ؎

جاؤ! میں واماندۂ مقصودِ خاطر ہو چکا — وہ فریبِ سحرِ باطل مجھ پہ ظاہر ہو چکا۔

"وہ فریب سحر باطل" کسقدر بلیغ ٹکڑا ہے نہ صرف بلیغ بلکہ رنج و ملال کا مکمل مرقع بھی، یہ نہیں بتایا گیا کون سا فریب آشکارا ہو گیا، یہ نہیں کہا گیا کون سے دھوکے کے پردے آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے، مگر ذرا دیکھنا دل سے نکلے ہوئے اس تیر کی قوت و ہمہ گیری کو کہ دل میں اتر کر ایک مضطرب دل سے خود کہہ جاتا ہے کیا ہو گیا"۔

اے مری شوریدہ بختی اے تمنائے حزیں — بس خدا حافظ کہ اب تم سے مجھے مطلب نہیں

ہو نہیں سکتی تمھاری شکل میرے دل نشیں — اب تمھارے در پہ جھک سکتی نہیں میری جبیں

میں نیازِ آرزو سے خاک بر سر ہو گیا — سجدے کرتے کرتے میرا سر برابر ہو گیا

وداع کا پُر الم اور دلشکن ترانہ سنکر تمنا بیتاب ہو جاتی ہے، آرزو تڑپ اُٹھتی ہے، بدقسمتی کا متموج طوفان بڑھتا ہے کہ ایک ضعیف انسانی مجسمہ کو پھر اپنے آغوش میں دبا لے لیکن دیکھو اس پختہ کار اصول و تجربہ انسان کو، کس بیزاری اور احتیاط سے دامن جھاڑ کر کہتا ہے گویا کوئی آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہتا ہے مگر سننے والا جوان معذرت کی حقیقت سے خوب واقف ہے کانوں پر ہاتھ رکھ کر عجیب دردناک انداز سے کہتا ہے ؎

اے مری شوریدہ بختی اے تمنائے حزیں — بس خدا حافظ کہ اب تم سے مجھے مطلب نہیں

ایک پرستار تمنا اور بت اُمید کا ایک عبد قدیم گزشتہ دور عبدیت کی فضولیات پر غور کرکے کس نادر المثال استغنا اور استقلال عہد کے ساتھ کہتا ہے

ع "اب تمہارے در پہ جھک سکتی نہیں میری جبیں" - میں تمہاری پرستش کرتا تھا اسلئے کہ میری صعوبتیں دور ہوں، میں ستم رسیدہ ہوں، میں نے تم سے اپنے حسن مستقبل کو وابستہ کیا تھا وہ روشن ہو لیکن حال، ماضی سے زیادہ سخت اور استقبال حال سے بڑھکر پر ہیبت، میرا کوئی مقصود دلی پورا نہیں ہوتا، میں نے سمجھ لیا تم لائق پرستش نہیں - ع "سجدے کرتے کرتے میرا سر برابر ہو گیا" مگر نتیجہ کے خانوں کو دیکھو تو وہی صفر نظر آتا ہے تو اب آخر جبیں سائی کی کیا فائدہ؟

زندگی بھر تم نے مجھ کو سیکڑوں دھوکے دیئے　　　کاہشیں رنج اٹھائی تھیں اسی دن کے لئے
جو نہ کرنا چاہئے تھے کام وہ میں نے کئے　　　آہ امرت کی ہوس میں زہر کے پیالے پئے
ہو گیا حسرت تمنا اک سراب زندگی　　　ستم قاتل کو میں سمجھا تھا شراب زندگی
کر چکے تم مجھکو رسوا کوچہ و بازار میں　　　کر دیا تم نے خجل مجھکو نگاہ یار میں
ہوں پشیماں آج میں اللہ کے دربار میں　　　فرق ظاہر ہو گیا دیوانہ و ہشیار میں
بیخودی کا راز مجھ پر کھل گیا ہے سر بسر　　　کیا بتاؤں میں جو عالم ہے مرے پیش نظر

تم نے ابتک مجھے مغالطہ میں رکھا تمہارے دھوکہ میں آکر میں رسوا ہو گیا دربار خداوندی اور بارگاہ دوست میں مجھے شرمندگی ہوئی زہر ہلاہل کے بیشمار پیالے میں تریاق سمجھ کر پی گیا، کیوں؟ صرف تمہاری ابلہ فریبیوں میں آکر + ؎

اے مری امید اے میرے نصیب راہزن　　　مدتوں تک تم رہے دل میں مرے جلوہ فگن
آکے تم دونوں کے کہنے میں سہے رنج و محن　　　دشت غربت میں پڑا ہوں چھوڑ کر اپنا وطن
تم نے وہ افسوں پڑھا مسحور مجھکو کر دیا -　　　شاد کرنے کے عوض رنجور مجھکو کر دیا

میں ایک غنچۂ ناشگفتہ تھا، سر سبز پتیوں کے جھرمٹ میں مطمئن تھا، چمن میری بھینی بھینی عنبر بیز خوشبو سے معطر ہو رہا تھا، میری پنکھڑیاں کھلنے کیلئے بیتاب تھیں، باد نسیم کے سرد و خنک جھونکے ہر صبح مجھے جھولا جھلاتے تھے، شبنم کے شفاف قطرے اپنے نازک اور دلفریب ترشح سے میرا منھ دھلاتے تھے، غرض ساری عشرت نصیبیاں چمن کے اندر مجھے حاصل تھیں لیکن آہ اسی دور راحت و کامرانی نے میرے کان میں کہدیا کہ "وہ پھول جسمیں گردنوں میں صباحت آرہا ہو جس نے فضائے چمن کو الوداع کہدیا"، تمہارے اس پیغام نے ایک سیل تمنا میرے سینہ میں بہادیا - جو ہزاروں امیدوں کے ساتھ مجھے چمن سے نکال لایا اور بجائے اسکے کہ میں کسی حسین روح کے دماغ کی ضیافت کرتا کسی حسین و رعنا ہستی کے گلے کا ہار ہوتا کسی کی مست آنکھوں سے اکتساب خمار کرتا، کسی خوبصورت دامن کے بوسہ لیتا باد سموم کے سخت و تند جھونکوں سے کملھایا جا رہا ہوں حوادث کے سخت تھپیڑوں سے چاروں طرف مارا مارا پھر رہا ہوں اور آہ! عشرت چمن کی یاد مجھے گھلائے دے رہی ہے - میں تو کھبتا تھا تمہارا وہ پیام جو زمانۂ شگفتگی میں تم نے مجھے دیا تھا، میرے لئے باعث مسرت ہوگا، مگر آہ، افسوس، ع "کیا بتاؤں میں جو عالم ہے مرے پیش نظر"

اس الوداعی زمانے کے آخری جذبات　، نہایت بیزاری کے ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں، صبر و قناعت کا حوصلہ دیکھئے "دل بے آرزو" کو کسطرح زندگی کا سہارا بنایا جا رہا ہے ؎ آرزو مندی سے ہی اچھا دل بے آرزو + یہی بہتر ہے میرے لئے میرا دل بے آرزو -

علی کوثر چاندپوری

آشنا

جذبی باوجودیکہ ایک قابل ادیب تھا اور کسی زمانہ میں اُس نے کافی شہرت حاصل کی تھی لیکن دور جدید میں عامر کے رنگین اور رازِ شباب مضامین نے اُس کی شہرت میں رکاوٹ پیدا کردی تھی، وجہ یہی کہ جذبی کے نہایت علمی قابلیت سے لکھے ہوئے مضامین عام طور پر خشک ہوتے تھے اور کوئی جدت نہیں ہوتی تھی مگر عامر معمولی سے معمولی بات میں کوئی نہ کوئی جدت پیدا کرتا تھا اُس کا خاص رنگ دنیائے ادب میں اس قدر مقبول ہوا کہ ہر شخص کو اُس کے اتباع کا شوق ہوا۔ اسطرح عامر نے اپنے خاص رنگ میں دنیائے ادب کو رنگا اور سب سے کہلوا لیا کہ وہ دور جدید کا بہترین ادیب ہے اسکے ساتھ ساتھ اُسکے مستند دل و دماغ میں جذبی کی قابلیت علمی کا اثر موجود تھا اور وہ خوب سمجھتا تھا کہ اگر جذبی ان خشکیات سے کنارہ کش ہو جائے تو وہ اُسی طرح قبولیت حاصل کرسکتا ہے جس طرح کبھی مشہور رہ چکا ہے۔ عامر نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ وہ جذبی کا مدمقابل ہے۔ بلکہ اُس نے بعض اوقات اپنے احباب سے کہا بھی کہ "یہ دنیائے ادب کی غلطی ہے کہ جذبی کے مقابلہ میں عامر کا نام لیا جائے وہ اپنے رنگ کا اُستاد ہے اور میرا رنگ جداگانہ مجھکو جذبی سے کوئی مناسبت ہی نہیں میں اپنے شباب کی ڈائری تیار کرتا ہوں اور میرا ہر مضمون میری کیفیات کا آئینہ ہوتا ہے اور جذبی کا ہر مضمون علمی اور پرانی روش کے ماتحت علمی دنیا میں قابل قدر ہوتا ہے علمی اعتبار سے میں جذبی کا مقابلہ نہیں کرسکتا یہ اور بات ہے کہ مجھ میں جدت کا مادہ ہے" برعکس اسکے جذبی جو پہلے عامر کا تذکرہ [illegible] کی طرف سے اپنے دل میں حریفانہ جذبات رکھنے لگا اُسکے دل میں عامر کی شہرت کانٹے کی خلش بن گئی اور اسی سبب سے وہ برسوں سے عامر کے یہاں نہیں گیا لیکن جب جذبی اور عامر کی ملاقات کو مدت گذر گئی تو خود عامر نے جذبی کے پاس جانے کا ارادہ کیا اور اس میں دوسرا مفید پہلو یہ بھی سوچا کہ وہ اپنی محبوبہ آشنا سے مل سکے گا جو جذبی کی ہم وطن ایک زبردست شاعرہ تھی اور عامر اُس سے در پردہ محبت کرتا تھا۔ اس ترکیب کو مناسب سمجھ کر اُس نے اپنی روانگی کی اطلاع جذبی کو دی اور روانہ ہو گیا ـــــ۔

(۲)

جذبی کا مکان ایک چھوٹے سے قصبہ میں تھا جہاں اُس کا ہم مذاق اور کوئی نہ تھا۔ آشنا کو وہ اکثر اپنے مضامین سنایا کرتا جو نہایت قابلیت سے اُسکے مضامین پر ریویو کرتی، گو وہ خود محض شاعرہ تھی تاہم نثری مضامین میں جس قابلیت سے وہ رائے دیتی تھی اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود نثار بھی ہے اسی لئے جذبی کے [illegible] فرصت کے لمحے آشنا کے پاس گزرتے تھے۔ جذبی بھی پوشیدہ طور پر عامر کی طرح آشنا سے محبت کرتا تھا۔ مگر آشنا کو نہ تو عامر کی محبت کی خبر تھی نہ جذبی کی محبت کا علم بہرصورت کیونکہ وہ ایک آزاد دوشیزہ تھی اسلئے اس کو ایک رفیق حیات کی تلاش دل ہی دل میں ضرور تھی اور وہ اپنے نقطہ نظر سے ایک ایسے ادیب یا شاعر کی خواستگار تھی جو اس کی محبت میں فنا ہو کر اُسکو ڈھونڈھے

آج بھی جذبی آشنا کے مکان پر ہے اور دونوں کسی ادبی بحث میں مشغول ہیں:۔

عامر تسلیم آپ کی قدر دانی نے میری محنت ٹھکانے لگا دی۔

آشا مگر آپ کی رنگین عبارت اور شوکت الفاظ پر بہت سے لوگوں کو اعتراض ہے۔

عامر یاد رفرمائیے کہ میرا مقصد انشا پردازی محتاج ستائش نہیں ہے اور جب مجھکو ستائش کی تمنا نہیں تو اعتراض کی کب پروا ہوگی۔ مجھ کو معلوم ہے کہ وہ لوگ جو زبان کو اسی حالت میں رکھنا چاہتے ہیں جس حالت میں وہ پیدا ہوئی میرے مضامین کو کفر ادبیت سمجھتے ہیں لیکن وہ جماعت جو ترقی زبان کی کوشش کر رہی ہے میرے مضامین کو پسند کرتی ہے مجھکو اپنی فطرت سے جداگانہ بزرگوں کی خشکیات کی تقلید نا پسند ہے اور جن کو پسند ہے وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح پتوں سے ستر پوشی کو بھی جائز سمجھیں جن کو شوکت الفاظ پر اعتراض ہے وہ ادبی رسالے کیوں دیکھتے ہیں ان کو سہل الفاظ ابتدائی درسی کتابوں میں بکثرت ملیں گے۔

آشا (جذبی سے) آپ اسقدر خاموش کیوں ہیں؟ آپ کی کیا رائے ہے؟

جذبی میں اس تمام گفتگو کو بچپن کی ناتجربہ کارانہ بلند آہنگی سمجھتا ہوں۔

عامر بیشک جذبی تم علمی اعتبار سے مجھ سے ممتاز ہو لیکن اگر تم مجھکو بچہ اور میری حرکات کو بچپن سمجھتے ہو تو میں تمکو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں تمہارا ہم عمر ہوں۔

جذبی لیکن میری معلومات نے مجھ کو میری عمر سے زیادہ تجربہ کار بنا دیا ہے۔

عامر تو یہ بھی یقین فرمائیے کہ میری ادبیت ابھی موجودہ شہرت سے زیادہ قوت پائے گی۔

جذبی یعنی۔؟

عامر میری شریک زندگی ایک حسین شاعرہ ہوگی جو میری کیفیات شباب میں ایک حسین انقلاب پیدا کر دے گی۔

جذبی وہ کون؟

عامر اگر میرا انتخاب محبت صحیح ہے تو آشا.........

جذبی (غصے سے سرخ ہو کر) مگر تمکو معلوم ہونا چاہیئے کہ "آشا میری حسن شناس نظر کی منتخبہ ہے"۔

عامر آپ جسطرح اپنی زبان سے ایک چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں اسی طرح میں بھی اپنی زبان پر قادر ہوں۔

جذبی عامر تم اس امیدواری سے دست بردار ہو جاؤ ورنہ نتائج کا میں ذمہ دار نہیں۔

عامر میں آپ کو بھی یہی رائے دیتا ہوں۔!

جذبی خاموش رہ۔ او متکبر جاہل خاموش۔ خبردار آئندہ آشا کے نام لینے کی جرأت نہ کرنا۔

عامر تہذیب سے گرے ہوئے وحشی اپنی عزت بچا اور گستاخی سے باز آ۔

جذبی میں کہتا ہوں کہ آشا میری ہے۔

عامر میں کہتا ہوں کہ آشا میری ہے ۔

جذبی اسکا فیصلہ کیوں کر ہو ؟

عامر یا تو آشا کا خیال دل سے نکالو ورنہ پھر ڈوئل سے فیصلہ کر لو ۔

جذبی ڈوئل، ہاں ڈوئل درست ہے، نکالو پستول، اور قسمت کا آخری نتیجہ نکل آنے دو ۔

عامر میں تیار ہوں ۔

(۴)

اسوقت آشا کا دل اور دماغ بیکار سا ہو گیا تھا اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے وہ گھبرائی ہوئی دوڑی اور اپنے دارالتصویر میں گئی، کیوپڈ کی حسین تصویر سے پردہ اُٹھا کر اُسکے خداوندانہ تجلّی کے سامنے سر نیاز جھکا کر دعا مانگنے لگی ۔

"اے محبت کے حسین دیوتا تجھ کو معلوم ہے کہ میں دوشیزہ ہوں اسوقت میرے دو اُمیدوار قسمت آزمائی کرنے کو تیرے دربار میں حاضر ہیں مجھکو نہیں معلوم کہ کسکا دل حقیقی معنوں میں میرا طلبگار ہے اے خدائے عشق تو فیصلہ کر اور میرے صحیح پرستار کو فاتح محبت بنا دے جو میرا طلبگار ہو نہ کہ میرے دوروزہ حسن کا، اس کی فتح ہو اور وہی کامیاب ہو"

اس دعا کے دوران میں آشا پر کچھ غنودگی طاری ہوئی اور وہ بیہوش ہو گئی عالم بیہوشی میں اُس نے دیکھا کہ ۔

"کیوپڈ تصویر کے چوکھٹے سے برآمد ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کمرہ میں لیگیا جہاں دونوں گرفتاران محبت آمادۂ جدال تھے ۔ کیوپڈ نے دونوں کو سحر بند کر کے بیہوش کیا اور دونوں کی پسلیاں چیر کر دل نکال لیئے، آشا کو دکھائے جذبی کے دل میں بہت سی حسین دوشیزاؤں کے نام تحریر تھے اور اُن میں آشا کا نام بھی تھا ۔ مگر عامر کے دل میں صرف ایک نام بخط جلی تحریر تھا —— آشا

کیوپڈ نے آشا سے کہا کہ پسند کر آشا نے عامر کا دل اپنے ہاتھ میں لیکر چوما اور اُسکو پھر عامر کی پسلیوں کے اندر رکھ دیا ۔ کیوپڈ نے اپنی نورانی جھنڈی ہلائی جسکے ساتھ ایک دھماکے کی آواز آئی ۔"

کیوپڈ غائب تھا اور آشا بیدار ۔ گھبرا کر اُس کمرہ میں گئی جہاں لڑائی ہو رہی تھی اُس نے دیکھا کہ جذبی فرش پر تڑپ رہا ہے اور عامر فاتحانہ انداز سے آشا کو ڈھونڈھ رہا ہے آشا اس منظر سے متاثر ہو کر عامر کی آغوش میں آ گری ۔ جذبی کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی، محبت کی دو تصویریں ہم آغوش تھیں اور سورج کی ایک اچھوتی شعاع میں کیوپڈ اپنی نورانی جھنڈی ہلا رہا تھا ———— "

شوکت تھانوی

خوابِ تجلّی

ایک بار دیکھا ہے، دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے

شب، کہ میں خواب میں تھا بستۂ راحت بیدار
تیرہ ظلمات میں ہر چیز تھی کل عالم راز

نگہت آمیز ہواؤں میں، گلوں سوتا تھا
شبنم برگ نشیں سیکھ رہی تھی پرواز

یک بیک مطلع رواں سے اجالا چمکا
صورت آرا ہوا اک جلوۂ تخئیل طراز

جس کے پرتو سے ہم سب تھی اسباب نشاط
جسکی شاداب نگاہیں تھیں حیات اعجاز

عجز فطری پہ ہوا ذوق تماشا طاری
لڑکھڑا کر پئے تعظیم بڑھا شوق نیاز

رونق خلوت پہلو نہ ہوا دل کی طرح
میرا غمخانہ بنا برق گہ جلوۂ ناز

مجمر شوق میں اک آتش لذت بھڑکی
روش مہر فزا اس کی ہوئی عنبر ساز

زانوئے عنایت پہ رکھا سر سودائی کو
مل گیا بخت فضائی کو سریر اعجاز

لب شیریں سے پلائی مئے تبسم [illegible]
آہ یہ عرش تعشق پہ ہے معراج نیاز

لے مرے مردم دیدہ کی ضیا سے روشن!
لے مرے آئینۂ دل کی جلا! جنت ناز

پردۂ خواب میں مستور تجلی نہ چھپے
سوز بن کر تن آلودہ میں ہو روح گداز

ایک تنویر سکوں ہو کے رہے جان میں
ایک تصویر درد دل بن کے ہو تجانہ نواز

زنگ کثرت بہ یکے روحِ من طاری شد
جلوۂ یگانہ فعال از نفسم جاری شد

ابو العرفان فضائی سیمابی (ٹونکی)

سزائے موت

(۱)

میں دفتر سے فارغ ہو کر بازار میں ایک دوکان سے کچھ چیزیں خرید رہا تھا کہ کسی نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر کہا "نصیر کیا ہمیں بھول گئے!"

میں حیران ہوا کہ یہ ترش رو اور سیاہ و سفید بالوں والا آدمی کون ہے، جس نے مجھے بازار میں یوں بے تکلفی سے مخاطب کیا ہے۔ میں نے حیرانی سے اُسکی طرف دیکھا، مجھے اُسکا چہرہ کچھ مانوس سا دکھائی دیا، تھوڑی دیر بعد میری قوت حافظہ نے [illegible] اور میں نے کہا کہ "مسعود! دوست مسعود کیا حال ہے، اچھے تو رہے، آج قسمت کا کیسا اتفاق واقع ہے کہ ہم تم ملے"

تب اُسے اپنے ساتھ مکان پر لے گیا وہ اسقدر تبدیل ہو چکا تھا کہ بڑی مشکل سے پہچانا جاتا تھا، وہ بالکل بوڑھا معلوم ہوتا تھا اُسکے چہرے پر بجائے تبسم کے ایک ایسی چیز نمودار تھی، جو بیان نہیں کر سکتا اور جسے میں نے پہلے کبھی اُسکے چہرے پر نہ دیکھا تھا جب وہ باتوں میں مشغول ہوتا تھا تو یہ کیفیت چھپ جاتی تھی لیکن جیسے ہی وہ خاموش ہوتا وہ فوراً ایک نقاب کی طرح ہٹ جاتی

میں نے باتوں باتوں میں اُس سے کہا "کیسی عمدہ گھڑی ہے یہ! ایک دوسرے سے اسطرح باہم ملنا! دیکھو پورے نو سال گزرے، کیا نہیں؟ اُسوقت جب ہم آخری دفعہ تمہارے مکان نو محلہ میں مجتمع ہوئے تھے"

اُس نے سر ہلا کر کہا "ہاں نو سال اور چار مہینے ......"

اُس نے بات کاٹ کر کہا "ہاں یاد آ گیا، واللہ تم سچ کہتے ہو اور اُس کے چند دن بعد جنگ چھڑ گئی اور ہم سب جدا ہو گئے، ہاں میں حیران ہوں کہ دوسرے کیا ہوئے ...... سعید احمد، حامد اللہ اور دوسرے محمد اسلم اور محمد لطیف ...... اور بیچارہ لیاقت؟

آہ لیاقت تو فوت ہو گیا میں نے اُسکے متعلق اخبارات میں پڑھا تھا کیا اچھا آدمی تھا، تمہیں یاد ہے کہ وہ کیسی اچھی نظم کہا کرتا تھا، اور کیا سعید فرانس گیا تھا یا نہیں؟"

"ہاں گیا تھا لیکن اب نہیں ہے، درحقیقت اسوقت یہیں موجود ہے"

"واقعی؟ واہ دوست! اور تم نے ملنے کا کوئی انتظام کیا ہے یا یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہو؟"

"درحقیقت میں انہی کی تلاش میں ہوں، سعید اور حامد تو مجھے اچانک مل گئے اُسوقت میرے دل میں خیال آیا ــــ میں نے سوچا کہ ایک دفعہ ہم پھر جمع ہوں، تمہیں تو وہ دن یاد ہونگے جب ہم جمع ہو کر مسرتوں کی عید منایا کرتے تھے؟"

"ہاں مجھے یاد ہیں، اور تمہیں دوسرے بھی ملے، یا نہیں؟"

"لطیف کا ملنا تو آسان تھا، وہ اپنے چچا کے کارخانہ میں کام کرتا ہے، اسلم ایک اخبار کا اڈیٹر ہے اور بیچارہ بڑی محنت کرتا ہے اور اب ...."

پھر اُس نے سگریٹ کی راکھ کو جھاڑ کر کہا "اب قسمت نے ہمیں یکجا کر دیا ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ "حلقۂ محبت" کو پھر مکمل کریں"

"حلقۂ محبت" — آہ یہی وہ نام ہے جس سے ہم اپنی
مجلس کو یاد کیا کرتے تھے، میں نے ایک پرسوز آہ بھر کر باہر بازار
کی طرف نگاہ دوڑائی، گذشتہ دنوں کی یاد نے میرے دل میں
چٹکی لی، میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کاش ہم اُن گزرے
ہوئے دنوں کی خوشی ایک لمحہ کیلئے بھی [illegible]!
رخصت ہونے سے پہلے مسعود نے تجویز کیا کہ وہ اتوار کی شام
کو ایک دعوت دیگا جس میں ہم سب شریک ہونگے۔

(۳)

اتوار کے دن شام کو سات بجکر پچیس منٹ پر جب میں مسعود
کی کوٹھی پر پہنچا تو سعید اور اسلم کو وہاں پہلے سے موجود پایا تھوڑی
دیر بعد لطیف بھی آگیا، اور عین ایک منٹ بعد [illegible]
انتشار اور ایک آسودہ تبسم چشم کے ساتھ [illegible] ہوئی!
دعوت کا انتظام مسعود نے [illegible] کمرے میں کیا تھا،
جسے میں نے نور محل میں دیکھا تھا، اور [illegible] کچھ
دیر باتیں کرنیکے بعد ہم ایک خوشنما کمرے میں پہنچے، جہاں دعوت کا
انتظام کیا گیا تھا،
میرا خیال ہے ہم سب ایک قسم کی [illegible] محسوس کر رہے
تھے، اور میں اپنے دل میں ان خیالات [illegible]
اُن خوشگوار راتوں کو کیا کرتا تھا [illegible]
کرتے تھے ہم بے تکلفی سے گفتگو میں مشغول تھے، اور پرانی صحبت
کو زندہ کر رہے تھے، لیکن ایک خیال رہ رہ کر میرے دل میں
چٹکیاں لیتا تھا اور وہ یہ کہ ہم بالکل تبدیل ہو گئے تھے، یہ
دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا کہ سعید [illegible] ہونے کے بالکل کمزور
ہو گیا تھا اور اسلم جو ایک خوشرو اور خوبصورت جوان تھا، اب [illegible]
[illegible] لباس پہنے ہوئے تھا، جسکے [illegible] سے [illegible]

[illegible] تھا کہ وہ کبھی صاف نہیں کیا گیا، لطیف جو کبھی نازک اور
دبلا پتلا نوجوان تھا اب تندرست [illegible] ہو گیا تھا، اور [illegible]
زخم، جو لغینیا جنگ کا نتیجہ تھا، اسکے بائیں گال پر منہ کے کونے
سے لیکر ابروؤں تک بے ترتیبی سے پھیلا ہوا اور ہونٹ کو ایک
خوفناک طریقے سے اوپر کی طرف کھینچا ہوا بنا دیا تھا، لطیف
کسی زمانے میں ہم سب سے خوبصورت تھا، ہم اسے "[illegible]"
کے خطاب سے پکارا کرتے تھے، لیکن اب [illegible]
ہوتا تھا، میں بذات خود اس خیال سے بہت پریشان تھا کہ میں انہیں
کیسا نظر آتا ہوں،
دسترخوان کے سرے پر [illegible] بیٹھی ہوئی [illegible]
ہم سب کے لئے باعث مسرت ہوا کرتی تھی لیکن اب وہ تبدیل ہو گیا
تھا، اور بلا شک و شبہ ہم سب سے زیادہ تبدیل ہو گیا تھا، [illegible]
چہرے پر [illegible] کی جگہ وحشت برستی تھی، میں نے [illegible] دل سے اس
تبدیلی کی وجہ دریافت کی، فوراً میرے [illegible]
زہرا کا خیال آیا، بیشک .... زہرا ہی اس تبدیلی کا
سبب تھی، غریب مسعود! وہ اسکی محبت کی زنجیر میں بری طرح جکڑا
ہوا تھا، ہم مسعود اور زہرا کی شادی میں شریک ہوئے [illegible]
نے [illegible] کیا تھا ہم سب نے پیشگوئی کی کہ [illegible]
شادی "حلقۂ محبت" کو توڑنے کا سبب [illegible]
غلط ثابت ہوئی اور "حلقۂ محبت" اسی طرح قائم رہا۔
زہرا خوبصورت تھی، اور یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے
ایسی خوبصورت عورت کبھی نہیں دیکھی، لیکن مجھے اس سے
نفرت تھی اور میں محسوس کرتا تھا کہ وہ مسعود کے حق میں اچھا نہ تھا
نہیں کیونکہ اسکی خوبصورتی کی تہ میں چند خرابیاں تھیں اس کے
[illegible]

تھا، آخر میرا خیال درست نکلا، اور وہ مسعود کو چھوڑ کر کسی شخص کے ساتھ چلی گئی،

میں انہی خیالات میں تھا کہ مسعود ہنسا، اور مجھے اسکی کرخت آواز سے سخت اذیت پہنچی، پہلے اسکی آواز ایسی نہ تھی، اب اسکی طبیعت میں تلخی داخل ہوگئی تھی، جسنے اسکی ہر خوبی کو تیزاب کی طرح جلا دیا تھا،

دسترخوان بچھا، کھانا چنا گیا، ہم کھانا کھاتے جاتے تھے اور گزشتہ زمانے کی بابت گفتگو بھی کرتے جاتے تھے، حامد کی ظرافت آمیز گفتگو اور اکبر کا چڑچڑا پن ہم سب کو محظوظ کر رہا تھا،

(۳)

کھانے سے فارغ ہو کر ہم پھر اسی کمرے میں بیٹھے، فرش پر آرام کرسیاں بچھی تھیں، کتابوں کی الماریاں اور عمدہ سگریٹ کے ڈبے قرینے سے رکھے تھے، دیواروں پر رنگا رنگ تصاویر لٹکی ہوئی تھیں، انگیٹھی میں آگ جل رہی تھی، جو ہم سب کے لئے ان دنوں راحت کا باعث تھی،

ہم ایک بے ترتیب سے نصف دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے، اور اکبر ایک سینی میں چائے لیکر مسکراتا ہوا داخل ہوا اسنے سب کو علیحدہ علیحدہ پیالی دی، اور باہر چلا گیا ہم پھر باتوں میں مشغول ہوگئے اور گزشتہ زمانے پر بحث کرتے لگے، ان ایام کی نسبت جب ہم آخری دفعہ نور محل میں جمع ہوئے تھے باتوں باتوں میں کسی نے زہرا کا ذکر چھیڑ دیا،

زہرا کا خیال ہمارے دماغوں کی تہ میں بڑی دیر سے منڈلا رہا تھا، لیکن ہم اسکی بابت کچھ کہنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن جونہی کسی نے زہرا کا نام لیا ہم سب چونکے ہو کر مسعود کیطرف ٹکٹکی لگا کر اسطرح دیکھنے لگے جیسے کوئی اپنے کسی جوہر کو دیکھتا ہے،

اسنے اٹھا کر انگیٹھی سے دیا سلائی اٹھائی اور ہماری طرف دیکھنے لگا، اسکے چہرے پر ایک تاریک اندیشناک سا تبسم نمایاں تھا اس نے غمگین لہجے میں کہا "آہ زہرا! میں حیران ہوں کہ کسی نے پیشتر یوں اسکا ذکر چھیڑا نہیں کیا، بلاشبہ تم چاہتے کب تھے، ہاں اس خوف سے کہ کہیں میرے دل کو اذیت نہ پہنچے"

اس نے جلتی ہوئی دیا سلائی کو پھینک دیا اور ذرا تامل کر کے ہم سب کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "میں جانتا ہوں کہ تم اس معاملے کے متعلق کسقدر جانتے ہو، میرا مطلب ہے کہ وہ کس حد تک سچ ہے اگر تم سننا چاہو تو میں تمھیں بتاتا ہوں، بلکہ میں تو تمھیں بتانا پسند کرتا ہوں"

جس نے کہا "دوست مسعود! تمھیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں، ہم جانتے ہیں کہ تم کسقدر شکستہ دل ہو اور ...... "

اس نے سگریٹ اٹھا کر سلگایا، اسکے نتھنے ہانپتے ہوئے گھوڑے کی مانند پھول رہے تھے اور سگریٹ کو انگلیوں میں مسل رہا تھا، اسنے کہا "لیکن میں خود تمھیں بتانا چاہتا ہوں، در اصل آج میں نے اسی لئے تمھیں اکٹھا کیا ہے .... صرف اسی مقصد کے لئے"

ہم سب حیرانی سے خاموش ہوگئے، پھر پاؤں کی آہٹ سنائی دی، اکبر نے کہا "اچھا .... اگر تم چاہتے ہو تو ہم بھی سنتے ہیں در اصل ہمارا جی نہیں چاہتا .... میرا مطلب ہے، کہ ہمیں پتہ ہے، تمہارا قصور تھا واقعی"

وہ ہم سب کی طرف دیکھنے لگا، جونہی اسکی نگاہیں مجھ سے چار ہوئیں میں فوراً تاڑ گیا کہ اسے کیا کہنا ہے، اسنے کہا "کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کے معاملات میں کون قابل الزام ہے عورتیں؟ اوہ وہ شیطان ہیں! میں جانتا ہوں کہ دنیا میں ایسے انسان بھی ہیں جو اس کے

خلاف ہیں ۔ لاحول ! میں تمھیں بتاتا ہوں، تم ہرگز ہرگز اس راز معمہ کو نہیں سمجھ سکتے "

(۴)

وہ خاموش ہوگیا، اور سگرٹ کو طشتری میں پھینک کر کہنے لگا " زہرا کی بابت پوچھتے ہو ــــ مجھے اُس سے محبت تھی، شادی کے بعد میں نے اُسے وہ تمام باتیں مہیا کر دیں، جسکی ایک عورت کو ضرورت ہو سکتی ہے، اور وہ راضی تھی "

اُسکی آواز رک گئی، پھر وہ نیا سگرٹ جلا کر کہنے لگا " مجھپر لعنت ہے، میں اُس عورت کے متعلق کسقدر بے وقوف تھا، میں نے اپنا آرام اپنی راحت اُسپر قربان کر دی، لیکن اُسے اسکی ضرورت نہ تھی درحصل وہ مجھسے اُکتا گئی تھی، اور میں؟ آہ میرے اللہ! میں اُس کی محبت میں گرفتار تھا، میری شادی کو صرف ایکسال ہوا تھا کہ جنگ چھڑ گئی۔

مجھے فرانس میں گئے ہوئے تین ہفتہ بھی نہ ہوئے تھے، کہ وہ نو دو گیارہ ہو گئی، اُس نے میرے نام خط بھیجا کہ میں نے تمام حالات پر غور کرکے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ ہماری شادی ایک غلطی تھی، اور میں اُس آدمی کیساتھ جا رہی ہوں جس سے مجھے ہمیشہ محبت رہی ہے۔ وہ اُسے اپنا خصوصی دوست کہا کرتی تھی ،،

وہ دیوانہ وار ہنسکر کہنے لگا " میں خندق میں پڑا ہوا یادہ گار پڑا تھا میں نے خیال کیا کہ وہ اپنا کوئی نشان نہ چھوڑینگے۔ خط کے ڈیڑھ سال بعد مجھے رخصت ملی، اور اُسوقت ــــ آہ میں کیا کر سکتا تھا، میں اُس آدمی کو تلاش کرنا چاہتا تھا جس نے میری زندگی تباہ و برباد کر دی تھی - آہ اگر میں اُسے پہلے جانتا ہوتا تو اُسے جان سے مار دیتا، لیکن کچھ بھی ہو یہ زہرا کا انتخاب تھا ــــ لیکن وہ اُسکے ساتھ معقول سلوک کرتا تو ــــ ،،

وہ سگریٹ جلانے کیلئے خاموش ہوگیا، پھر کہنے لگا " کاش وہ اُس کے ساتھ معقول سلوک کرتا! افسوس اُس نے ایسا نہ کیا، مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اُس نے زہرا کو دوزخ میں جھونک دیا، دوزخ! وہ اُسے لاہور لیگیا، پھر امرتسر یہ ۱۹۱۶ء کے اوائل کا واقعہ ہے، اور جب وہ اُس سے سیر ہوگیا، تو اُسے چھوڑ دیا اور خود ڈاکخانہ میں نوکر ہو کر فیلڈ میں چلا آیا، وہ بیچاری بیسے بیسے سے ترستی ہوئی مر گئی، رخصت کے بعد میں نے مہینوں اُس کی تلاش کی کیونکہ مجھے اُس سے محبت تھی، میں اُسے دل سے گرانے کے قابل نہ تھا، اور آخر کار میں اسکی تلاش میں کامیاب ہوگیا، لیکن کس حالت میں .... "

" وہ بالکل مبہوت کھڑا تھا، اور اس طریقے سے دیکھ رہا تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوانہ ہوگیا ہے اور خوفناک چیزیں دیکھ رہا ہے، یکایک وہ جوش میں آکر کہنے لگا :-

" جب میں اُسکے میلے کچیلے اور پھٹے ہوئے بستر کے قریب کھڑا ہوا جسپر مرحومہ نے جان دی تھی، اور جب میں نے وہ قبر دیکھی، جسمیں وہ لیٹی تھی تو میں نے قسم کھائی کہ جبتک میں اُس آدمی سے بدلہ نہ لے لوں، جس نے اُسے تباہ کر دیا، اُسوقت تک مجھپر آرام حرام ہو گیا ہے [illegible] تصور رکھا ہوا [illegible]

وہ خاموش ہو [illegible] اور [illegible] خاموشی چھا گئی [illegible] وہ آدمی ــــ [illegible] لگا

وہ آدمی کون تھا [illegible]

[illegible] کہنے لگا [illegible] کوئی مبہم واقعہ نہ تھا [illegible] لیکن اب وہ [illegible] اور [illegible] خیال آیا [illegible] کو تلاش

کرنیکی اُمید، جس نے میری خوشی چھینی، اور زہرا کو قتل کیا ——
ہاں قتل کیا۔ اسی حقیقت سے وابستہ ہے کہ ہاتھ کبھی تبدیل
نہیں ہو سکتے، اور یہ کہ انسان چہروں سے زیادہ ہاتھوں سے
پہچانے جا سکتے ہیں، فروری ۱۹۱۶ء میں میرا نوکر اکبر، جو مجھسے
بہت مانوس ہے، لاہور گیا، ایک دن وہ بازار سے گذر رہا
تھا، کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے ایک موٹر ٹھیر گئی، موٹر میں
اُسنے ایک خوبصورت عورت کا چہرہ دیکھا......... وہ زہرا
تھی اُسنے ساتھ والے آدمی کو دیکھنے کی کوشش کی، لیکن
یہ ناممکن تھا، اچانک دروازہ کھولتے کو اٹھا، اُسکا چہرہ
اب بھی پوشیدہ تھا لیکن اُسکے ہاتھ بڑی دیر تک دروازے
پر پڑے رہے۔ ہاں تو اکبر کو ہاتھوں کے پہچاننے میں طولے
حاصل ہے، اگر وہ ایک دفعہ غور سے ایک ہاتھ کو پہچان لے،
تو وہ اُسے بھولتا نہیں "

میرا خیال ہے کہ یہ سعید تھا جسنے کہا "لیکن وہ کون
احمق ہے جو تمھاری مدد کرے گا، اکبر کے معائنے کے لئے
تم ہر آدمی کا ہاتھ کسطرح دیکھ سکتے ہو؟"

مسعود نے مسکرا کر کہا "بیشک تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن
مجھے معلوم ہوا ہے، کہ وہ ہاتھ جو اکبر نے لاہور میں دیکھے،
تم پانچوں میں سے ایک کے ہیں "

حامد نے کہا، "پانچوں میں سے ایک کے؟"

"ہاں، کیونکہ جب میں نور محل میں رہا کرتا تھا، تو مہمانوں کی دعوت
کا انتظام اکبر کے ہاتھ ہی میں تھا، اُس نے کئی مرتبہ تم سب کو مل دی ہے۔ اور وہ تم سب کے ہاتھ پہچانتا ہے "

لطیف نے رُک رُک کر کہا "لیکن...... تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ"
مسعود نے بات کاٹ کر کہا "یہاں اسوقت پانچ حاضر ہیں،

اور لیاقت بیچارہ تو اُس دن سے دو دن پہلے مرگیا تھا جبدن
اکبر نے زہرا کو لاہور میں دیکھا ——— اسلئے وہ اس معاملے میں داخل نہیں"
دو تین منٹ تک کسی نے لب نہ ہلائے، پھر اسلم نے حیرانی
سے کہا "او خدا! تو کیا تم ہم میں سے کسی کو مجرم خیال کرتے ہو؟ تم ضرور
دیوانے ہوگئے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

اُسنے سگرٹ کا ایک کش لگایا، اور چھت کی طرف دھواں اُڑاکر
کہنے لگا "میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جو میں کہہ رہا ہوں، میرا مطلب
ہے کہ وہ ظالم جس نے میری زندگی کی مسرت چھین کر مجھے تباہ و برباد
کر دیا، جس نے میری زہرا کو مجھسے جدا کیا ——— اور اُسے ایک کتے
کی موت مارا ——— اسوقت اس کمرے میں موجود ہے "

اُسکی جوشیلی آواز اور متین صورت نے میرے دل میں کوئی
شبہ نہ چھوڑا کہ وہ اپنے لئے حق بجانب تصور کرتا ہے، میرے بال
بکھرے ہوئے تھے اور میری ہتھیلیاں پسینہ سے تر تھیں، میں نے
چلا کر کہا "لیکن...... لیکن مسعود ان سب باتوں پر لعنت بھیجو۔ یہ
ایک بوسیدہ داستان ہے "

مسعود نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی"
حامد نے کہا "پھر خدا کیلئے بتاؤ کہ ہم میں سے کون تھا؟ کون؟"
اُس نے پھر کش لگایا اور دیوانہ وار سر ہلا کر کہا "میں نہیں جانتا"
اسلم نے حیرانی سے کہا "تم نہیں جانتے؟"

مسعود کہنے لگا "نہیں، تمھارے آنے سے پہلے میں نے اکبر سے
یہ انتظام کر رکھا تھا کہ اگر دسترخوان پر کھانا چنتے ہوئے وہ ان ہاتھوں
کو پہچان لے جو اُسنے لاہور میں دیکھے تھے تو مجھے ایک خاص اشارہ
کرے، اب جبکہ وہ آخری دفعہ کمرے میں آیا، تو اُس نے مجھے اشارہ
کیا لیکن میں ابھی تک لاعلم ہوں کہ وہ کون ہے "

میں اب قائل ہوگیا کہ مسعود ضرور دیوانہ ہوگیا ہے، وہ بیہوش سا

نظر آتا تھا، اور بولتے وقت اسکی آواز عجیب قسم کی تھی، وہ کہنے لگا۔
"جو مجھے کرنا تھا، کر چکا ہوں، صرف اسکے اثر ہونے تک انتظار کر رہا ہوں"

لطیف نے اچھلکر کہا "صرف! ... اثر ہونے تک؟"

"خدا کیلئے مسعود! تمھارا مطلب کیا ہے؟"

"مسعود! خدا کیلئے"

"یہ ضرور کوئی غلطی ہے، تم اچھی طرح جانتے ہو! دوست ....."

"ہم میں سے ایک"؟

"کیا تم بتا نہیں سکتے؟"

اب ہم دیوانہ وار ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، یہ جاننے بغیر کہ وہ کونسی ایسی چیز ہے جس سے ہم یوں خوفزدہ ہو رہے ہیں، مسعود نے مسکرا کر کہا "سنو، یہ انتظام ہو گیا ہے کہ جب آئسکریم آجائے لائے تو ہر مہمان کو علیحدہ علیحدہ پیالی دے۔ اور ان پیالی میں۔ جو اس آدمی کو ملے، جس کے ہاتھ وہ پہچان لے ——— زہر ملا دیا جائے"

لطیف نے چیخ کر کہا "زہر ملا دیا جائے؟"

ہم سب پر ایک قسم کا خوف چھا گیا، اور ہم مبہوت ہو گئے میں نے کہا۔
"لیکن مسعود ...... تم ضرور دیوانے ہو گئے ہو!"

مسعود نے ہنسکر کہا "دیوانہ؟ ہاں شاید تم بھی دیوانے ہو جاتے اگر تمھیں ایک عورت سے محبت ہوتی، جس طرح مجھے زہرا سے تھی، اور کوئی اسے لیکر بھاگ جاتا! جیسا کہ تم میں سے ایک نے زہرا کے ساتھ کیا"

میں نے پھر کہا "لیکن ——— زہر؟"

مسعود نے مسکرا کر کہا "ہاں ایک اعلیٰ قسم کا زہر، جسکے متعلق اکبر نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ الیشیا میں تیروں پر استعمال کیا جاتا ہے

ایسا زہر جو کسی قسم کا نشان نہیں چھوڑتا جس سے سراغ مل سکے شاید تھی مثلاً تاہم لیکن جو ایک گھنٹہ بعد موت کا باعث ہو اب جانے کو ہے پینتیس ۳۵ منٹ ہوئے ہیں سات منٹ اور گزر گئے اور مجھے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کون تھا"

وہ انگیٹھی سے سہارا ... لگا کر کھڑا ہو گیا میں نے اس کے خوفناک چہرے کی طرف نگاہ کی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے دل کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ میں نے بڑی کوشش کرکے اسکے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں اور دوسرے چاروں کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا حامد کے ہونٹ سفید ہو گئے تھے اور اس کا منہ ایک عجیب طریقہ سے کھلا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی نے اسکی آنکھوں میں ایک زبردست گھونسہ رسید کیا ہو۔ سعید کا چہرہ بجائے سرخ ہونیکے زرد تھا اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کرسی کو تھامے تھا جو خوف کی وجہ سے سفید ہو گئے تھے، اسلم کی اونچی پیشانی پر بالوں کا گچھا بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا، اور مسعود کی طرف حیرانی سے دیکھ رہا تھا، اور بالکل میرے سامنے بجلی کی روشنی سے لطیف کا چہرہ صاف طور پر نظر آتا تھا، اسکے رخسار کا زخم بہت برا معلوم ہوتا تھا، وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے زانوؤں کو دبائے اور کندھوں کو آگے نکالے بیٹھا تھا، اسکی آنکھیں! میں نے ساری زندگی میں ایسی خوفناک آنکھیں نہیں دیکھیں، وہ ایک وحشی درندے کی پر از غضب اور تکلیف زدہ آنکھوں کی مانند تھیں جو پنجرے میں قید ہو۔

یکا یک لطیف نے تھرتھرانا شروع کیا اُسکے چہرے پر مردنی چھا گئی، اور ایک تکلیف زدہ آواز اُسکے حلق سے نکلی سب کی آنکھیں اُسپر جا لگیں، یکا یک اُسکے بازو ڈھیلے پڑ گئے وہ کمزور ہو کر لڑکھڑانے لگا، اور ایک خوفناک چیخ مار کر زمین پر منہ کے بل گر پڑا:-

مسعود نے مکر آمیز نظر سے لطیف کی لاش کو دیکھا، جو اُسکے قدموں میں پڑی تھی، اور کہا، "ہاں ——— لطیف! تمہیں یہاں آنیکی بڑی تکلیف ہوئی، ہاں تو تم ہی وہ ظالم ہو جسکے ساتھ زہرا کو محبت تھی، اسکے خصوصی دوست! آہا! خوب اگر وہ اسوقت دیکھ سکتی تو تمھارے متعلق کیا خیال کرتی؟"

میں فوراً اُٹھا اور جلدی سے اُسکا بازو پکڑکر کہنے لگا "مسعود! مسعود!! تم نے یہ کیا کیا؟"

اُس نے میری طرف حیرانی سے دیکھا، اُس کی آنکھوں سے ڈر لگتا تھا، وہ کہنے لگا "کیا کیا؟"

اسلم نے کہا "ہوں ——— مسعود! بھلے آدمی کیا تم نہیں جانتے کہ ———"

یکایک میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا، میں مسعود کو ایکطرف ہٹا کر لطیف کے جسم کے پاس گھٹنوں کے بل جھکگیا، تھوڑے عرصے کا معائنہ کافی تھا، میں اس بات کا قائل ہوگیا کہ اب انسانی مدد سے بالاتر ہے، میں نے گھبرا کر کہا "کیا تم اس کام کے نتیجے کو نہیں سمجھتے! بیشک تم سمجھ گئے ہوگے کہ یہ مرگیا ہے"

اُس نے کہا "ہاں"

کسی نے چلا کر کہا "مرگیا؟ کیا تمھیں پورا یقین ہے؟ کیا ...... یہ ...... بے ...... ہوش ہے، یا ..... کچھ اور؟"

میں نے سر ہلا کر کہا "ہاں مجھے یقینِ واثق ہے کہ وہ مرگیا ہے"

کمرے میں ہرطرف خاموشی طاری تھی، ہم سب کھڑے تھے، مسعود انگیٹھی کے سامنے کھڑا تھا، ہم اسکی طرف حیرانی سے دیکھ رہے تھے میرا خیال ہے، کہ یہ اسلم تھا جس نے مہر سکوت کو توڑا، وہ کہنے لگا "کیا ہمارے لئے یہ بہتر نہیں ——— میرا مطلب یہ ہے ——— کیا یہ معمولی واقعہ ہے؟ —— ہاں کیا پولیس کو اطلاع نہ دیجائے؟ ——— انھیں ٹیلیفون کرو ——— جلد آئیں، تمھیں کچھ ہوش بھی ہے یا نہیں؟"

مسعود نے ہنسکر جواب دیا "ضرور پولیس کو بلاؤ، میرا خیال ہے سامنے والی دوکان میں ٹیلیفون ہے ...... تمھیں وہاں ٹیلیفون مل جائے گا"

میں نے غصہ سے کہا "تمھیں پتہ ہے کہ تمھارا کیا حشر ہوگا؟"

اُس نے کندھا ہلا کر کہا "کیوں؟ مجھے کس بات کا خوف ہے؟"

میں نے جواب دیا "مسعود! ——— تمھیں جان لینا چاہیئے کہ یہ قتل ہے"

اُس نے اپنا سر ہلا کر "قتل؟ آہا! یہ قتل نہیں، یہ انصاف ہے، اور کچھ نہیں"

"تمھارا خیال ہے میں تو اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں کہ یہ انصاف ہے۔ مجھے خوف ہے کہ عدالت اس معاملے کو ——— کس نگاہ سے دیکھے گی"

"عدالت؟ مجھے عدالت سے کیا سروکار؟"

"لیکن تم نہیں جانتے کہ تم مقدمہ کے لئے مجبور ہو"

"کیوں"

"خوب، کیا تم نے جان بوجھکر ایک انسان کو زہر نہیں دیا؟"

"زہر؟ کسی قسم کا نہیں"

"لیکن ......"

"چائے کی پیالی میں کوئی زہر نہ تھا"

"کوئی زہر نہیں؟"

"سنو ابھی تک پیالی میں ایک گھونٹ بچا رکھا ہے اسکا تجزیہ ہوسکتا ہے، صاف ظاہر ہے کہ لطیف دل کی حرکت بند ہوجانے کی وجہ سے مرا ہے"

"اور کیا تم نے اسے ...... نہیں ...... مارا؟"

ہم نے حیرانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اُس نے جواب دیا تو اُسکی آواز ایک ضعیف کی طرح کمزور تھی، اُس نے کہا "میں نے نہیں بلکہ اُسنے خود اپنے کو مارا، اور اب اگر تم پولیس کو بلانا چاہتے ہو ..." ——— میں سنبھلا اور ٹھنڈی سانس بھری، کمرہ خاموش تھا، میں ٹیلیفون کی طرف لڑکھڑاتا ہوا دوڑا +

(ماخوذ) نظامی

سکوت

(نظم متعلق تصویر)

(۱)

وداعِ ظلمت ستانِ شب ہے سحر کی گھڑی جھلملا رہی ہے — اندھیریاں ہو رہی ہیں رخصت سواری صبح آ رہی ہے

جماہی لینے لگے ہیں تارے قمر ہے آسودۂ منازل — ردائے انجم بہ رنگِ یاس وداع کے گیت گا رہی ہے

گداز کے کیف سے کواکب ٹپکنے والے ہیں نغمے شبنم — صبا بہ اندازۂ تردامنی گلوں کے دامن بچھا رہی ہے

کنارِ حسرت میں سونے والی نہ دفعتاً چونک جائے کوئی — جہان پر صبح کی تجلی سکوت بن بن کے چھا رہی ہے

زمیں بھی ساکت — سما بھی چپ ہے
شجر بھی چپ ہیں — ہوا بھی چپ ہے
ندی بھی خاموش — ندا بھی چپ ہے
ہے ساز ساکن — نوا بھی چپ ہے

خموش ہے نہر کی روانی ٹھہر گیا ہے سمٹ کے پانی
سحر کی معصوم خندہ شانی سکوت میں مسکرا رہی ہے

(۲)

نکل چکے آشیاں سے طائر چلے درختوں پہ چہچہانے — دلوں میں ذوقِ شجر نشینی لبوں پہ بیٹھے ہوئے ترانے

تبسمِ زیرِ لب سے کلیاں ہوئیں بہ آغوشِ برگ رسوا — نسیم کی ایک خموش جنبش سنا گئی رات کے فسانے

شمیم و نکہت کی صبح خیزی کہیں نہ ہو مبتلائے لغزش — جو پھول مستی میں گر چکے ہیں انھیں صبا آگئی اٹھانے

سیاہ چادر سی بام و در سے اٹھائی غازۂ سحر نے — ہوئی ہر اک چیز آشنا اور بدل گئے راز کے زمانے

خموش جنگل — چمن بھی خاموش
طیور ساکن — ہرن بھی خاموش
سکوت میں گل — سمن بھی خاموش
سخن سرا چپ — سخن بھی خاموش

لطیف پردوں میں ہے کرن پر خرامِ شب اسقدر سبک تر

کہ جیسے لیلیٰ کسی سے مل کر خموش محمل میں جا رہی ہے

(۳)

سکوت کی چاندنی کھلی ہے زمین سے لیکے آسماں تک
نہیں فضا میں کوئی تحرک پہونچ رہی ہے نظر جہاں تک

ہر ایک وادی ہر ایک دامن پہاڑ کا بے صدا پڑا ہے
ہے خواب میں گرد نازِ منزل نہیں ہے بیدار کارواں تک

ترادشِ بادہ شبی سے خمار ہے چشم نگیہ سبزہ
فسردہ ہے جوشِ نغمہ زنی جمود آگیں ہے نیستاں تک

مویشیوں کے گلے کی گھنٹی ابھی کہاں مائلِ سماعت
کسان کے جھونپڑے سے نکلا نہیں ابھی صبح کا دھواں تک

زباں بھی ساکت — بیاں بھی ساکن
عیاں بھی بے خود — نہاں بھی ساکن
یہاں خموشی — وہاں بھی ساکن
خیال بے حس — گماں بھی ساکن

چمن میں صحرا میں بستیوں میں کسی کو اذنِ صدا نہیں ہے
غرضکہ ہنگامہ خیز دنیا خموشیوں میں سما رہی ہے

(۴)

بڑی نہیں ہے ابھی کسی جسم نیم مردہ میں جان گویا
ابھی تک اس آسماں کے نیچے بنا نہیں ہے جہان گویا

نہ کوئی نغمہ نہ زمزمہ ہے نہ کوئی نطق آفریں نوا ہے،
کسی دہن کو ہے تکلم ملی نہیں ہے زبان گویا

نہ کوئی ہشیار انجمن میں نہ شمع روشن کوئی لگن میں
مکین گویا ابھی ہیں مہمل ہے نقش باطل جہان گویا

یہ خامشی اور یہ اداسی کہ جیسے کل صور پھک چکا ہو
پڑے ہیں خالی پس قیامت زمین اور آسمان گویا

خموش منظر — نظر ہے ساکت
دل صدف میں — گہر ہے ساکت
ہے شمع بھی گل — شرر ہے ساکت
اثر سے اپنے — سحر ہے ساکت

ہے بے صدا جنبش نفس بھی، اگر فضا اک پری سحر کی
سکوت زا بانسری میں کوئی پیام فطرت سنا رہی ہے

ساغر نظامی

ڈراما

انسان

از:- ساغر نظامی سیمابی (علیگ)

(وقفۂ تنوع)

یورپین ڈراما نویسی کے لوازمات میں ایک صنف یہ بھی ہے کہ ڈراما لکھتے لکھتے کوئی غیر متعلق بات ایسی چھیڑ دیتے ہیں۔ جو حقیقتاً ڈرامے سے متعلق ہوتی ہے مگر ناظرین کے مطالعہ میں اس سے ایک خاص تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ انسانی ڈراما نویسی میں اس صنف کو "کومک" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ہندوستانی ڈراما نویسوں نے اسے اسقدر مبتذل کر دیا ہے کہ متانت نگاہ کے لئے اس میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ کومک لفظ (Comady) کا مخفف معلوم ہوتا ہے جس کا منشا ذہن واضع میں یہ تھا، کہ ٹریجک (Tragic) یا مظاہرۂ حادثات سے جب سماعت اور بصارت ماؤف ہو جائے تو کومک سین (Comic Scene) ان پر لطافت و تازگی کا رنگ پھیر دیں، یورپ نے اپنے ڈراموں میں لطافت کے ساتھ متانت کو ایک حد تک باقی رکھا مگر ہندوستان نے انتہائے تمسخر کو کومک سے تعبیر کر لیا۔

اس وقفۂ تنوع سے سماعت کی گرانی ضرور دور ہو جاتی ہے اور اسی بنا پر میں اپنے ڈرامے کے سلسلہ کی ایک قسط ارادتاً ملتوی کر کے بعض متنوع واقعات کی تسطیر و تدوین پر اس نمبر میں اکتفا کرتا ہوں، جنکا تعلق اسی زمانے سے ہے جو ہمارے ڈرامے میں زیر بحث ہے۔

تمدن:-

ہمارے خیالات میں مدنیت انسان کے ساتھ پیدا ہوئی ہے جب انسان اس خاکدان عالم میں آیا تو اُسے ایک

اجتماعی قوت اور حالت کی ضرورت ہوئی، وہ مل جل کر رہنے لگا - اس مجالست و معیشت نے ضروریات تمدن کی بنیاد ڈالدی
فطرت نے وہ تمام اسباب بھی انسان کے ساتھ پیدا کئے تھے جن پر اس کی زندگی کا مدار تھا، جن عناصر سے انسان کی ترکیب
ہوئی تھی، ان میں نقص لازمی تھا۔ کہ انسان کا ہر تنفس تحلیل عناصر کا باعث ہوتا ہے۔ ہر لحظہ دل و دماغ اور اعضائے جسم میں کمی زیادتی
ہوتی رہتی ہے، ان عناصر کے اعتدال و کمال کے لئے متعلقات معلومہ کے خزانے بھی دنیا میں تخلیق کر دئے گئے تاکہ عناصر،
بعد نقص تکمیل فطرت ...... [illegible] خود کر لیا کریں لیکن سکے انسان میں عناصر کا قیام جزوی تھا، اور ذرائع تکمیل میں کد
کافی وسعت و کشادگی اسلئے بعض اوقات آفتاب کی شدت، سمندر کی برودت، ہوا کی رطوبت، زمین کی حرارت کو انسان برداشت
نہ کر سکا اور چونکہ اسے فن تعمیر میں ہنوز درک حاصل نہیں ہوا تھا، اسلئے غاروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں زندگی بسر کرنے لگا۔
رفتہ رفتہ مدنیت نے ترقی کی، معلم عقل نے درس تعمیر دیا پہلے درخت کے پتوں سے رہائش گاہیں بنائیں، پھر درختوں کی جڑوں
سے کچھ کام لیا اور پھر پہاڑ کی شکست و ریخت کو ممکن العمل بنا کر پتھروں سے حصار عافیت تیار ہوئے انسان کی فطرت میں تنہا پسندی
ازل ہی سے نہ تھی بلکہ مٹی کا پیدا کیا ہوا، اسوقت تک معرض وجود میں نہ آیا جب تک انسانیت روح کا اس سے اشتراک نہ ہو گیا
پھر بھی چونکہ روح مستور تھی اور انسان کی طبیعت ذوق رفاقت کے لئے مجبور، اسلئے اسکی عورت کی تخلیق لازمہ ایمائے فطرت
ہوئی، جب اسکا حال علم فطرت، عالم روحانیت اور دیار قدس میں بھی یہ تھا تو پھر دنیا میں کہ جہاں اس کی حرکات مرغوب یا
غیر مرغوب کا کوئی نقاد نہ تھا، وہ بغیر مجالست و مصاحبت کسطرح متنفس رہ سکتا تھا،

تمام ہم جنس ایک جگہ جمع ہوگئے اور ان کی جمعیت کے عروج و کمال اور بسط و کشادت نے تمدن کی بنیادوں پر راحت امن'
سکون، اطمینان اور پناہ و عافیت کی عمارتیں بنانی شروع کر دیں ہزار در ہزار سال کے بعد انقلابات متواتر نے تمدن کی یہ صورت
پیدا کر دی، جو ہمارے سامنے ہے اور جسے ہم آج کئی ترمیم کے قابل اور تشنۂ تکمیل پاتے ہیں، اور اصلاح پذیر مشاہدہ کرتے ہیں
بربریت جو انسان کا دیباچہ تخلیق تھی نسلاً بعد نسلاً انسان میں ودیعت ہوتی چلی آئی ہے اور آج بھی افریقہ کے بعض
وحشی قبائل اطراف شام کی بعض حبشی قومیں اور ہندوستان کی بعض متمدن جماعتیں اس بربریت کی یادگار باقی ہیں جو ازل
خلقت میں اُسے میسر تھی - اور جسے اس نے کثرت تمدن سے بہت کچھ فنا کر دیا ہے - تمدن کی تاریخ، تاریخ انسان کی طرح قدیم ہے
اور اسکی لامحدود ترقیاں ثابت کر رہی ہیں کہ اگر انسان ابدی ہے اور کسی دوسرے عالم میں اُسکے پہنچ جانے کا امکان یقینی ہے تو
تمدن کی قیود وہاں بھی اس کے ساتھ رہینگی، اسلئے تمدن کو جزو لاینفک سمجھیئے جو اب اسی طرح اسکی فطرت سے جدا نہیں ہو سکتا

معاشرت:-

جسطرح تمدن کا کوئی قانون ابتدائے عالم میں انسان پر خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوا، اور عقل کی رہنمائی، امن و سکون کے
قیام و احیاء کے لئے کافی ثابت ہوئی، اسی طرح معاشرت کا درس ضروری بھی انسان کو عقل ہی نے دیا۔ کھانے کی خواہش ہیں
ایک لذیذ بے چینی پینے کی حاجت میں ایک تشنگی تکلیف، اسے محسوس ہوتی جنگلی پھلوں، سبز پتیوں اور نرم چھالوں سے اس نے

مقصورین کا ایک طبقہ بہت ہی ضدی نکلا، اس نے کہا ہم عالم امکان میں ہیں، ہمیں مشاہدہ کی ضرورت ہے، صنعت میں جوہر ذاتی ضرور ہوتے ہیں، صنم خانہ آذری کی بنیاد قائم ہوئی پتھر کی تراش سے خیالی معبودوں کے پیکر تیار کئے گئے، اور انھیں خدا مان لیا گیا اور وجود ذات کا حامل یہ عقائد اسقدر عام ہو گئے، کہ انسان ہر جگہ اسیر فریب ہو گیا حتیٰ کہ اب تک ہے۔

لیکن جس طرح تمدن اور معاشرت نے ترقی کی اسی طرح مذہب بھی ہر زمانے میں ترقی کرتا چلا گیا اور انسان کی تحقیق و تلاش اور فکر و تدبر نے مذہب کی تہذیب میں خون پانی ایک کر دیا، فطرت نے اپنی پیچیدہ شاہراہوں میں انسان کو خوب تھکایا، بالآخر چونکہ انسان میں ایک الٰہی مادہ موجود تھا، جسے اصطلاح عام میں "روح" کہتے ہیں، وہ اسی کی روشنی میں ایک منزل تک پہنچ گیا، اس نے معلوم کر لیا، اسے مشاہدہ ہو گیا اُسے یقین آ گیا، کہ خدا ہے، اور ایک ہے، حالانکہ اس نتیجہ کے بعد بھی فطرت نے کوئی تائید نہ کی؛ ——————

"وہ ہمیشہ خاموش رہی اور اب تک خاموش ہے"

سیاست:-

انسان کی فطرت میں آزادی اور بے احتیاطی تو ازلی تھی ہی، اسپر دنیا کی شر انگیز نفسانیں، بے عنوانیاں، خاصہ طبیعت، یا فطرت ثانیہ بن گئیں، قیام امن کے لئے انتظام و انفراد لازمہ احتیاط تھا، سیاست کی بنیادیں ڈالدی گئیں۔ قبیلے میں جو سب سے زیادہ قوی اور بہادر ہوتا وہ سردار قبیلہ کہلاتا، کھلی ہوئی زمین پر مجلس مشاورت قائم کی جاتی، لوگ حلقے باندھ باندھ کر بیٹھ جاتے اور سردار کبھی اُن کے درمیان میں بیٹھتا اور کبھی کسی قریبی امن گاہ میں مصروف عیش رہتا۔

جانوروں کے سینگ، ہڈیاں، پتھر بطور اسلحہ کام میں لائے جاتے تھے، سواری کیلئے کوئی جانور معین نہ تھا، بھاگ کر دشمن کا مقابلہ اور تعاقب کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ باربرداری اور سواری کے لئے جانوروں کا انتخاب ہوا، شخصی حکومتیں بالآخر ناکام ثابت ہوئیں تعصب اور خودداری نے اصولِ حکومت کی تبدیلیوں کی طرف متوجہ کر دیا، قیادت اسکے سپرد کی جانے لگی، جو قبیلہ میں دانش و تدبر کا مالک تھا، قحط الرجال کی وجہ سے کبھی متعدد قبائل ایک سردار کی نگرانی میں بھی دے دیئے جاتے تھے، انضباط قوانین کی ضرورت ہوئی اور سیاست کی تنظیم شروع ہو گئی اس کے بعد ضرورت کے مطابق قوانین سیاست میں ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی، قانونِ سیاست ہمیشہ ضروریات ملک کے مطابق مرتب ہوتا رہا اور جب زمین کے وسیع حصے اقالیم اور ممالک میں تقسیم کر دیئے گئے تو قانون سیاست کا بھی تجربہ ہوا، چنانچہ آج یورپ، امریکہ، آشیا، عرب اور ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بھی قانون سیاست یکساں مساوی الاثر نہیں ہے اور یہ اختلاف محکومین کے تمدن و معاشرت اور عادات و اطوار کے اختلاف پر مبنی ہے۔

———

؟

(اثر۔ علامہ سیماب صدیقی الوارثی اکبر آبادی)

کبھی کیا اس پہ غور تو نے، یہ خاکدانِ خراب کیا ہے
یہ صبح کو ارتحال کیوں ہے، یہ رات کا انقلاب کیا ہے

تغیّرات اور علی التواتر، تصرفات اور بے محابا
کمالِ حسن و شہود کیا ہے، زوالِ شیب و شباب کیا ہے

یہ آدمی ہے حجاب کس کا، یہ خاک ہے پردہ دار کس کی
یہ روح یعنی جمال کیا ہے، یہ جسم یعنی نقاب کیا ہے

یہ نغمے کیوں جشن ساماں ہیں، نشاط کیوں ہے فریبِ ہستی
سرود میں یہ صدا ہے کیسی، نوائے چنگ و رباب کیا ہے

بہار کی اصل و بو کیا ہے، ہیں رقص میں آبشار کب سے
یہ سرحدِ رنگ و بو کہاں تک، طلسم زارِ حباب کیا ہے

یہ موت اور یہ حیاتِ فانی، ہے کس کا قانونِ جاودانی
جو روز ہوتی ہے تجربہ طاری، یہ مستِ ترکیبِ آب کیا ہے

یہ کیوں درخشندہ ہیں کواکب، یہ آسمان کیوں ہے گردشوں میں
یہ مہر میں التہاب کیسا، لطافتِ ماہتاب کیا ہے

ہے عقدۂ رازِ نظمِ ہستی، اگرچہ ہے سب کو مذاقِ افشا
یہ کاوشِ بے شمار کیوں ہے، وہ شورشِ بے حساب کیا ہے

نکلتے اجسام سے ہیں روحیں، کدھر چلی جا رہی ہیں لاکھوں
تعینِ روزِ حشر کیوں ہے، سیاستِ احتساب کیا ہے

فضائے دل حسن کی خلش سے جراحت اندوزِ نشتر کیوں
سکونِ تخئیل کی تڑپ کا ذریعۂ اضطراب کیا ہے

نہ صرف سائنس و فلسفہ ہے، خود اپنی ہستی کا راز ہو کر
سمجھ جہاں کی حقیقتوں کو، حسابِ خیالِ مجاز ہو کر

صحافتِ حاضرہ پر ایک نظر

انتخاب

اگر آپ یہ الزام نہ دیں کہ ساغر اور پیمانہ کی نگاہوں میں صحافتِ حاضرہ کی ہر ادا غلط ہو تو میں قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ انتخاب کے اجراء سے پہلے حضرت اختر شیرانی کی خود دارانہ شخصیت نے "انتخاب" کو ایک ایسی ندرت آفریں اور ذوقِ ادب کو سیر کر دینے والی صورت میں محفوظ لگا تخیل کر رکھا تھا جس کی ہر نشانات سے جدید و تکمیلِ صحافت مترشح تھی، کاش انتخاب ابھی پردۂ شہود پر نہ ہوتا اور میرے ذہن میں اس کی پاکیزہ صورت بدستور "حقیقتِ منتظر" بنکر باقی رہتی!

"انتخاب" کی صورتِ اجراء سے معلوم ہوا کہ اسکے اجراء کی ہندوستان کو قطعاً ضرورت نہ تھی۔ حضرت رشید سیالکوٹی مجھے معاف فرمائیں جتنا روپیہ وہ اس غیر ضروری رسالہ کی ترتیب و توشیع میں صرف کر رہے ہیں اگر انجمن حمایت اسلام کو دیدیتے تو بڑا ثواب ہوتا!

حضرت اختر شیرانی انغانی نے "انتخاب" کے خیر مقدم میں اعلاناتِ جلی (دو ہزار) جو ہمیں بھیجے تھے وہ اس رسالہ کے دیکھنے کے بعد بھی بدستور ان "مناظرِ مستقبل" کی بشارتوں میں رکھے ہوئے ہیں جنکی ہنوز تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ - - - - اس رسالہ میں کیا ہے؟:-

ہر صفحہ سراب کا حامل ہے، نہایت خوبصورت بلاک کی ایک تصویر ہلکی آسمانی ساری میں ملفوف ہے، ساری سلیقۂ جسم پوشی میں تمام دکمال صرف ہو چکی ہے، پھر بھی انہماک دامن پر تصویر پر مصروف پرواز ہے، جسے اعجازِ مصور کہئے یا بے ذوقی مصور! ہر صفحہ کے بعد سب سے پہلا لفظ "سٹاف" ہے یعنی "اسٹاف" یعنی اربابِ کار یعنی عمال یعنی فہرستِ عمال یعنی حلقۂ ترتیب یعنی دارالمحررین یعنی کارپردازانِ متعلقہ یعنی "ناظمانِ انتخاب" یعنی متعلقینِ ادارت یعنی حاملانِ صحافت"

کیا یہ ایک صحیفۂ اردو کے لئے ترسناک عیب نہیں ہے کہ وہ اپنے طبقۂ صحافت کے لئے ایک انگریزی لفظ کا کوئی مرادف تلاش نہ کرسکا؟ حالانکہ اردو کے خزانے میں اب کوئی کمی نہیں ہے اسکے بعد ایک اور تختۂ تعارف (سائن بورڈ) لگا ہوا ہے جس پر لکھا ہے۔

"ڈائریکٹرز آف پالیسی" یعنی "رہنمایانِ اصول" پھر "ڈائریکٹرز آف ڈیزائن" یعنی "مشیرانِ مصور" پھر سب کے بعد "پروپرائٹر" یعنی "مالک و ناشر" جس رسالے میں ایسے سہل الترمیم غیر ملکی زبان کے مظاہرے ہوں کیا اسے اردو کا رسالہ کہا جاسکتا ہے؟

اس رسالے کے اجزائے ترتیب چار مدیرانِ اعزازی ایک مدیر اور چار معاونینِ مدیر ہیں چار اور ایک پانچ اور چار نو۔ اب خود فرمائیے جو رسالہ ۹ دماغوں کی تہذیب و ترصیع سے آراستہ ہو کر نکلا ہے اس میں مسالہ کس قسم کا ہے؟

زمانہ کا تھیٹر	ماخوذ از دلگداز	آدرشِ شباب	ماخوذ از پیمانہ
تخیل	" " نقاد	خواب کی فناتمیں	تذکرۂ جلوۂ عصر
وطن کا راگ	" " ہمایوں	آرزوئے شباب	" افاداتِ مہدی

تصویر ذہنی — کیا جانے کیا ہے
حیرت کی دیوی — آہن بپا ہے
حسن نسائی — درد آشنا ہے
لکلبن یعنی — حد سے سوا ہو
آنکھیں ہیں نیچی — تیور خفا ہے
نازک کلائی — رنگِ حیا ہے
دستِ حنائی — دل آزما ہے
صوتِ خیالی — ہے صورِ محشر

ہے صورِ محشر، اک کاسۂ سر
——(۳)——
اک کاسۂ سر، ہے صورِ محشر

تمکِ تمیل — ہے محوِ حیرت
اُف کون یہ تھا؟ — بربادِ بستر
اللہ ایسا — ناشاد قسمت!
میرا سا چہرہ — میری سی صورت
میرا سا نقشہ — میری سی ہئیت
یہ بھی تو ہوگا — مغرورِ عشرت
عشق سراپا — حسنِ محبت

دنیا کا گہنا — دنیا کی زینت
صحرا میں لیلےٰ — گلشن میں نکہت
اب سر ہے اسکا — رستے کی ٹھوکر

رستے کی ٹھوکر، اک کاسۂ سر
——(۴)——
یہ کاسۂ سر، رستے کی ٹھوکر

اے زندگانی — یہ شوخ دستی
اے شادمانی — آخر یہ پستی
یہ سرگرانی — اور اتنی سستی
دنیائے فانی — دو دن کی بستی
جھوٹی کہانی — سودائے مستی
دامِ نہانی — دنیا پرستی
گزرے جوانی — اتنا نہ سستی
کیوں بے نشانی — ہے سو پرستی
دیکھا لے حیرانی — انجامِ ہستی!
ہے جاودانی — اک ذاتِ داور

اک ذاتِ داور۔ اک کاسۂ سر
ہے جاودانی۔ اک ذاتِ داور

ساغر

رسالے کی ترتیب میں قطعی توجہ سے کام نہیں لیا گیا، جو مضمون جہاں چاہا لگا دیا۔ یہ بھی اک سلیقہ ہے جو سب کو نہیں "بھگوان" والا مضمون سب سے پہلے ہونا چاہیئے تھا، کتابت کی غلطیاں بے حد ہیں، بعض مضامین اخبارات سے اسقدر مضحک نقل کر لئے گئے ہیں کہ ایک ادبی رسالہ کسی طرح انکا متحمل نہیں ہو سکتا جیسے تجاہل عامیانہ اس قسم کے فرسودہ رنگ اور عامیانہ مضامین کیلئے اخبار ہی کیا کم ہیں کہ اب رسائل میں ان کے لئے گنجائش نکال کر زبان کی گندگی کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کیا جا رہا ہے:۔

حصۂ نظم بہت ہی گرا ہوا ہے، دو تین مطبوعہ نظمیں، چار پانچ پرانی غزلیں جن میں سے ایک تو بہت ہی پرانی ہے "میں نے کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط"، دلگیر صاحب کی غزل میں "فاتحہ دینے مزاروں کو" بالکل غلط محاورہ ہے، مزاروں پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے، مزاروں کو فاتحہ دی نہیں جاتی۔ اسطرح نظیر لدھیانوی کی غزل میں "ہر گھڑی دم" حشو ہے اور آخری مصرع "تیرے استقبال کو جذبات دل ایستادہ ہیں" نہایت ہی

شرمناک ابہام کا حامل ہے پرانی غزلیں اور وہ بھی اسقدر معمولی، پھر وہ بھی ایسے رسالہ میں جس کے نو ایڈیٹر ہوں !

آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر بی اے بیرسٹرایٹ لا وزیر تعلیم پنجاب کی تصویر بھی انتخاب کے لئے طرۂ امتیاز نہیں ہے، شباب اردو میں گزشتہ ماہ میں شائع ہو چکی ہے اور غالباً نیرنگ خیال بھی اسے شائع کر چکا ہے۔

اس تبصرہ میں مینے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی بدنیتی یا تعصب سے اثر گیر ہو کر نہیں لکھا جیسی کہ آجکل بعض مدیران رسائل کی عادت ہے! میں ناظرین کو بتانا چاہتا ہوں کہ اختر میرے دوست ہیں، اور دوست کے ساتھ کوئی زیادتی میرے مذہب میں جائز نہیں لیکن دوست کے ساتھ زمانہ سازی کر کے اسکی رہنمائی نہ کرنا بھی میرے لئے کھلا ہوا گناہ ہے حقیقتاً مجھے جو معائب و محاسن نظر آسے اُن کا ظاہر کر دینا مینے اپنا فرض سمجھا تاکہ انتخابی "نورتن" آئندہ اس بے کار اور غیر مفید طریق ادارۃ سے دست کش ہو جائے، اگر اختر شیرانی کو یہ تنقید ناگوار ہو تو میں رسمی اور غیر معنی ریویو بھی کئے دیتا ہوں:-

"انتخاب ایک نیا رسالہ ہے، لاہور سے شائع ہوا ہے، ٹائٹیل نہایت دیدہ زیب ہے، اندر ایک تصویر بڑی دلفریب ہے، مضامین کا انتخاب محنت سے کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ بہت جلد ملک میں کافی شہرت حاصل کر لے گا۔ ہم اپنے جدید معاصر کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں، کاغذ سپید و روشن، لکھائی چھپائی ہمایوں کی سی، حجم ۸۰ صفحات (قیمت معلوم نہیں)"

ایڈیٹر

عام فہم تفسیر القرآن :-

اسوقت تک قرآن کریم کی جس قدر تفاسیر شائع ہو چکی ہیں اُن سب میں یہ تفسیر جدید اور جامع نظر آتی ہے نہ صرف اسلئے کہ اس میں تمام تفاسیر قدیم کا عطر اور جوہر ہے بلکہ اسلئے بھی کہ مفسر نے عامۃ الناس کی آسانی کو مدنظر رکھ کر بالکل سلیس اور عام فہم زبان میں اسے مرتب کیا ہے اس تفسیر کے اسناد میں نہایت تحقیق و فکر سے کام لیا گیا ہے اور شائع ہونے سے پہلے مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلماء، فاضل اجل مولانا محمد ایوب وغیرہما نے اسے بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا ہے اس کے مختلف مضامین پر گھنٹوں بحث ہوئی ہے اور تمام پہلوؤں پر ایک غائر نظر ڈالی گئی ہے۔

پہلے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ ثبت کیا گیا ہے، پھر بامحاورہ ترجمہ و تفسیر ہے تمام قرآن شریف کے مضامین و مطالب کا سریع الفہم خلاصہ اس تفسیر میں اسطرح کیا گیا ہے کہ معمولی لکھے پڑھے حضرات بھی پورا فائدہ اٹھا سکیں اور بآسانی سمجھ سکیں۔ اور یہی اس تفسیر جدید کا مقصد اقصیٰ ہے۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کی آیات و کلمات کے پوشیدہ اور سینہ بسینہ اعمال و اذکار بھی ہر پارہ کے آخر میں بطور ضمیمہ منکشف کر دیئے گئے ہیں جو آجتک کسی کتاب یا تفسیر میں نہیں دیکھے گئے۔

اس تفسیر کی ترتیب و تدوین کا حق فائق ادیب العصر معلم المشائخ حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کو ہے جو نہ صرف شیخ وقت اور امیر العہد ہیں بلکہ اس قسم کی تصانیف سے اُن کی مذہبی و علمی جدوجہد انھیں ایک ممتاز فاضل و خطیب عالم علوم قرآن

اور ہر کمالات جدید و قدیم ثابت کر رہی ہے۔ حقیقت میں خواجۂ ممدوح نے ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ تفسیر لکھ کر ایک ناقابل معاوضہ احسان کیا ہے اور مسلمانوں کو اُس قعر مذلت و نکبت سے اُبھرنے کا سہارا مہیّا کر دیا ہے، جسمیں وہ قرآنی ہدایات و اشارات کے نہ سمجھنے سے قریب الہلاکت پہنچ چکے تھے۔ واللہ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِین۔ یہ تفسیر تصانیف نظامیہ میں ایک یادگار باقی کی حیثیت سے انشاء اللہ ہمیشہ دلوں اور دماغوں میں محفوظ رہیگی۔

سود مند:۔ یہ رسالہ سید جعفر حسین کی ادارت میں علیگڈھ سے شائع ہو رہا ہے اسکے مقاصد کا زیادہ حصہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی تہذیب ہے، سادہ زندگی بسر کرنے کی ترکیبیں، قومی بنکوں کا اجرار، رضوں اور برباد کن رسموں کی اصلاح۔ کفایت شعاری کے مشورے۔ کاروباری معلومات، صحت جسمانی، ذہنی ترقی اور فلاح عالم کے متعلق مفید ترین مضامین اسمیں شائع ہوتے ہیں۔ اقتصادیات میں مسلمان، ہندوستان کی ہر قوم سے پیچھے ہیں اور افلاس و ادبار کی حقیقی وجہ صرف یہی ہے۔ جسے دور کرنا مسلمان ملک کا فرض اولین ہے۔ سود مند جن مقاصد کو اپنے دامنوں میں لیکر نکلا ہے وہ نہایت ہی وسیع اور اہم ہیں۔ اس قسم کے رسالوں کی ملک کو بے حد ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان بالخصوص اس رسالہ کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائینگے۔ اور اس کے مشوروں پر عمل پیرا ہو کر ایک زندہ ترقی یافتہ اور غیرداماندہ قوم کی طرح اپنی زندگی کو مسرور و مطمئن بنانے کی کوشش کرینگے۔

اس رسالہ میں، مولوی طفیل احمد صاحب (علیگ) کے اکثر مضامین متعلق سود خصوصیت کے ساتھ شائع ہوتے ہیں، مولوی صاحب نے ایک حد تک مسلمانوں میں سود لینے کی تحریک کامیابی کے ساتھ پھیلا دی ہے۔ وہ یہ ثابت کرنے کی برابر کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں سود لینا جائز ہے۔ اکثر طبقات میں اُن کی اس رائے سے اختلاف بھی ہوا ہے مگر ہنوز علمائے اسلام نے اس تحریک کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحب کی تحریک کو وسیع الاثر ہونے میں آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں اور اکثر شہروں میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو روپیہ قرض دیکر سود لینا شروع کر دیا ہے۔

کتب منقودہ کے متعلقات تفصیلی

کتاب	مصنف یا مؤلف	سائز	صفحات	قیمت	کتابت و طباعت	اشاعت گاہ
عام فہم تفسیر القرآن	ادیب المشائخ حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی	۱۸×۲۲	پارہ الم ۸۰ صفحہ	فی پارہ ۸/	بہتر	منیجر نظام المشائخ دہلی
سود مند	سید جعفر حسین	۲۰×۲۶	۳۶	۶/ سالانہ	صاف اور نفیس	منیجر رسالہ سود مند علیگڈھ

نسائیات

پیمانہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء

خلاصۃ الباب

(۱) حیات طیبہ	پروفیسر مولانا وحید الدین سلیم
(۲) عصمت (نظم)	خورشید اقبال ضیاؔ
(۳) میری سہیلی	ز - ب - ن
(۴) گلبدن بیگم	محمد علم الدین سالک بی۔اے۔
(۵) عصمت اور میدان جنگ (نظم)	ایڈیٹر
(۶) تذکرۂ جمیل	ایڈیٹر

حیاتِ طیبہ

(مسلسل)

(از مولانا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی)

قطعۂ ثانی:

طیبہ کرش حنا تخلص بود — نا مرادانہ رفت از دنیا
سالِ ترحیل عیسوی گفتم — شد دغائب بیک رنگ حنا
٢٣ — ١٩

طیبہ کی یاد میں

گر طیبہ دنیا سے نہ جاتی کوئی دن اور — دنیا کو بہار اپنی دکھاتی کوئی دن اور
ہر نظم میں اُس کی تھا نہاں نغمۂ رنگیں — یہ نغمۂ رنگیں وہ سناتی کوئی دن اور
ہر نثر سے اُسکی تھی عیاں شان ادب کی — اعزاز ادب کا وہ بڑھاتی کوئی دن اور
رونق تھی عجب اُسکے سبب گھر کے چمن میں — جنگل میں نہ وہ چھاؤنی چھاتی کوئی دن اور
ہر بھائی بہن پر وہ دل وجاں سے فدا تھی — الفت کا سبق اُن کو پڑھاتی کوئی دن اور
ماں باپ نہ سیر اُسکی محبت سے ہوئے تھے — [illegible] وہ گھٹاتی کوئی دن اور
کیا اُسکے سبب گھر میں خوشی چھائی ہوئی تھی — [illegible] کوئی دن اور
زہری کو وہ پژمردہ نہ کرتی ابھی اے کاش — شبنم کو نہ اس صبح رلاتی کوئی دن اور
صبحی کو اندھیرا نظر آتا ہے مکاں میں — منہ اپنا نہ وہ کاش چھپاتی کوئی دن اور
دل اُس کا اُچٹتا نہ ابھی کاش وطن سے — جنت کی فضا اُس کو نہ بھاتی کوئی دن اور
تھی سیدہ کی موت نہ کچھ حشر سے کمتر — [illegible] نہ یہ حشر وہ ڈھاتی کوئی دن اور
یہ سچ ہے کہ دنیا یہ سب ایذا سے بھری ہو — اے کاش وہ ایذا یہ اٹھاتی کوئی دن اور
گھرداری کا تھا اُس کو سلیقہ مگر اے کاش — بہنوں کو سلیقہ وہ سکھاتی کوئی دن اور
تھے سیدہ کی موت سے ماں باپ پریشاں — ماں باپ کا یہ غم وہ بٹاتی کوئی دن اور
غم سیدہ کا تازہ کیا موت نے اُس کی — اس غم کو نہ وہ یاد دلاتی کوئی دن اور
ماں باپ کی آنکھوں میں تھا نور اُسکے سبب سے — ماں باپ سے آنکھیں نہ چراتی کوئی دن اور
اب صبحی و زہری کے دلوں میں ہے اندھیرا — دل اُنکے نہ وہ کاش بجھاتی کوئی دن اور

کیوں ماں کی محبت سے کیا اسنے کنارہ
دل غمزدہ ماں کا وہ لبھاتی کوئی دن اور

کہتے ہیں حنا جلد گئی باغ جہاں سے
اے کاش وہ رنگ اپنا جماتی کوئی دن اور

ہوتے تھے عزیز اسکی محبت سے مسخر
منتر وہ عزیزوں پہ چلاتی کوئی دن اور

گھر بھر میں تجلی ہی تجلی تھی اگر وہ
منہ اپنا نہ مدفن میں چھپاتی کوئی دن اور

کیوں جا کے ابھی سے وہ تہ خاک لی
آنکھوں میں عزیزوں کی سماتی کوئی دن اور

دنیا سے نہ مٹتا کبھی بھی نام حنا کا
نقش اپنا دلوں پر جو بٹھاتی کوئی دن اور

کیا جلد مٹایا ہے مگر موت نے جوہر
اے کاش یہ جوہر نہ مٹاتی کوئی دن اور

رہتی ادبیات میں وہ زندہ جاوید
گر موت کے پنجے میں نہ جاتی کوئی دن اور

نمونۂ کلام

تسنیم

کیا کہنے انکے ابروئے رخ کے جمال کے
جلوے ہیں ماند چرخ پہ بدر و ہلال کے

ایسا ہو کہ فتنۂ قیامت کا ہو بپا
آنا مرے مزار پہ دامن سنبھال کے

انکی ہر اک نظر سے ٹپکتی ہیں شوخیاں
آنکھیں نہیں ہیں بلکہ ہیں تیور غزال کے

ہو کب زوال قوم کو دوچار ہوں اگر
اے مصطفےٰ کمال تمہارے کمال کے

ہیں شاہد ازل کی تجلی کی جھلکیاں
پھولوں میں جو نمونے ہیں حسن و جمال کے

گر عیش چاہتے ہو تو سیر چمن کرو
ہنستے ہوئے شگوفے ہیں ہر نونہال کے

اجرام جو فلک پہ ہیں دیکھو جو غور سے
جلوے ہیں وہ تمہارے رخ بے مثال کے

جو دل میں دھن بندھے گی وہ بنکر رہیگی تم
دیکھے نہیں ہیں تم نے کرشمے خیال کے

وہ فتنۂ حشر کا ہے نہ یاد اس کو تم کرو
کانپیں گے بند بند تمہارے خیال سے

جولانیوں پہ میرے قلم کی نظر کرو
کاوے جو دیکھنے ہوں سمند خیال کے

پہنچا نہ دل کبھی ترے بام بلند تک
طے کر چکا ہے گرچہ وہ زینے خیال کے

ہیں فکر میں نجات کی سب غرق ناخدا
گرداب میں پڑے ہیں سفینے خیال کے

جو دل میں آیا طائر مضمون نکل گیا
حلقے بکھر کے رہ گئے دام خیال کے

صیاد طبع کر نہ سکے گا انہیں اسیر
اڑ کر فلک پہ پہنچے ہیں طائر خیال کے

مضمون نکلتے ہیں دل حسرت زدہ سے جو
بجھتے ہوئے چراغ ہیں بزم خیال کے

چاہے تو دل کی کوزہ میں کر بند انہیں حنا
یہ کھیلتے گلن ہیں جو دریا خیال کے

کھلے ہیں سرخ گل صحن چمن میں — لگی ہے آگ سی بلبل کے تن میں
کر آزاد اس کو اے مشکل کشا تو — رہے کب تک وطن قید محن میں
شراب ناب اے ساقی عطا کر — لگا دے آگ سی کام و دہن میں
ترے تیر نظر سے ہو کے زخمی — تڑپتے پھرتے ہیں آہو ختن میں
ترے لب کے مقابل آئے کیونکر — کہاں طاقت یہ ہے لعل یمن میں
ہوا کیسی چلی یارب یہ ناگاہ — کہ شمعیں بجھ رہی ہیں انجمن میں
دیا ہے حسن کیا قدرت نے گل کو — نہیں پھولا سماتا پیرہن میں
نہیں ان کو خبر کچھ تن بدن کی — ہوئے جو بے خبر تیری لگن میں
نسیم صبح نے جا کے کہا کیا — کہ خوشبو گل کی رقصاں ہے چمن میں
تری آنکھوں نے جو سیکھی ہے چھل بل — نہیں وہ شوخیاں ہرگز ہرن میں
گرے پڑتے تھے گل شاخوں سے اپنی — خرامیدہ ہوا جب وہ چمن میں

حنا کر لے مسخر تو دلوں کو
زباں شیریں ہو گر تیرے دہن میں

جلتی ہوں سوز غم سے میں رگ رگ میں ہیں شعلے نہاں — پروا نہیں تیا من اگر جل جائیں تیری انگلیاں
ایک ایک سپتے کو کبھی میں تھی سمجھتی اپنی جاں — سیر چمن سے دل مرا ہوتا نہیں اب شادماں
سوز جگر کا عکس ہے چہرے سے میرے سب عیاں — دل میں دبی تھی آگ جو اٹھتا ہے اب اس سے دھواں
دل کی کھٹک بڑھنے لگی ہونے لگا درد جگر — اے ہم نفس تو ہی بتا کیوں کر کروں ضبط فغاں
مدت ہوئی جلوہ ترا دیکھا تھا اے رشک شفق — اب تک اسی کی یاد میں آنکھیں ہیں میری خونفشاں
میں نے سہے کیا کیا ستم لیکن کبھی اف تک نہ کی — دب دب گئیں آہیں مری رک رک گئی میری فغاں
مجھ میں رہا ہی کیا ہے اب لاغر ہوا ہے تن بدن — سوز دروں سے جلتی ہیں دن رات میری ہڈیاں
اے کشتۂ ظلم و ستم اے خوگر اندوہ و غم — روتے ہیں تیرے حال پہ گویا زمین و آسماں
بیتابی دل سے مری نسبت ہے کیا سیماب کو — میری تڑپ کے سامنے کیا چیز ہے برق تپاں
ہیں سب فرشتے وجد میں عرش بریں لرزہ میں ہے — اس پر اثر آواز سے یہ کون دیتا ہے اذاں
میں موسم گل میں اگر جاؤں پئے سیر چمن — سب خشک ہو جائیں شجر آ جائے گلشن پر خزاں
اے چاند اس میں شک نہیں اک نور کا پتلا ہے تو — اس چہرۂ دلکش سی پر تجھ میں ملاحت ہے کہاں

کرتے نہ تھے یوں باغ میں پہلے پرندے سب چہچہے — قمری کی کوکو سے تو ہے اب صاف دردِ دل عیاں

دل سے مرے جاتی نہیں اک دم بھی غم کی یاد اب — پھرتا ہے آنکھوں میں مری ہر وقت وہ دلکش سماں

سب ہے درد میں ڈوبی ہوئی تیری حنا ساری غزل
ہر ایک مصرع سے ترے اڑتی ہیں کچھ چنگاریاں

وہ ناز سے چلتے ہیں جو دامن کو سب جھٹکتے — تارے سے زمیں پر نظر آتے ہیں چھٹکتے

پوچھو نہ مرے دل پہ گذرتی ہے جو حالت — گلشن میں ہوں جب دیکھتی غنچوں کو چٹکتے

اے رشکِ چمن جب سے چمن سے تو گیا ہے — آنکھوں میں مری پھول ہر اک ہیں یہ کھٹکتے

کرتے ہیں مجھے درد کی لذت سے وہ آگاہ — ہنس ہنس کے نمک زخمِ جگر پر ہیں چھڑکتے

رہبر نہ ملے گا ہمیں کیا راہ میں اس کی — رہ جائیں گے اس دشت میں کیا یونہی بھٹکتے

کیا جانے تو کس حال میں رہتا ہوں میں ہمدم — انگارے سے سینہ میں ہیں ہر وقت دہکتے

ہوتی ہیں کبھی گرمیٔ آہیں شرر افشاں — شعلے سے فضا میں نظر آتے ہیں لپکتے

بھر دیتے ہیں پارہ سا مرے قلب و جگر میں — باغوں میں پرندے ہیں یہ جس وقت چہکتے

اک غنچۂ دل ہی نہ ہوا میرا شگفتہ — غنچے تو میں نے صبح کو کیا کیا نہ چٹکتے

افلاک جو تھک جائیں تو تھک جائیں مگر ہم — گردش سے کسی طرح بھی اپنی نہیں تھکتے

پہلو میں جگہ ہم کو کبھی ملتی تھی ساقی — حسرت سے ترے منہ کو ہیں اب دور سے تکتے

ہر پھول سے دل کھول کے ہیں لطف اٹھاتی
کانٹے جو نہ دامن میں حنا میرے اٹکتے

رنگِ دنیا دیکھ کر ہوتی ہے حیرانی مجھے — اب نظر آتے نہیں اوصافِ انسانی مجھے

کوچۂ جاناں کی میں نے سیر کی ہے عمر بھر — کیوں پسند آئے بھلا یہ باغِ رضوانی مجھے

جلوۂ محبوب اس میں مجھ کو آتا ہے نظر — اس لئے بھاتی ہے دل سے سیرِ بستانی مجھے

چارہ گر بے فائدہ کوشش نہ کرنی چاہئے — زندہ کب چھوڑیگا اب یہ دردِ پنہانی مجھے

نمونۂ نثر:-

چاندنی رات

اے خوفناک تیرگی میں ضیا پاش ہونیوالی شبِ ماہ! تیری جلوہ آرائیاں کس قدر دلفریب ہیں۔ جب تو اپنے نورانی چہرے سے نقاب ہٹاکر تبسم کرتی ہے تو تمام جنگل جگمگا اٹھتا ہے۔ ذرّے ہنسنے لگتے ہیں اور ہر طرف حسن و جمال کا دریا بہنے لگتا ہے

تارے رُعبِ جمال سے تیرے حضور میں خاموش و ساکت ہو جاتے ہیں۔ کہکشاں کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ اور نیلی فضا سے لیکر کرۂ ارض تک تیری فرمانروائی مسلط ہو جاتی ہے۔

ہاں میں دیکھتی ہوں اے ملکۂ حسن! تیرے وجود سے ٹوٹے ہوئے ٹھیکروں اور پامال خس و خاشاک پر شعریت برس رہی ہے۔

تیری جلوہ ریزی سے ہر چیز نور سے معمور نظر آتی ہے ہاں اے جود و سخا کی دیوی تیرا فیض عام ہے۔

پرستارانِ فطرت گرم تماشا ہیں۔ چکورا اپنے دلکش نغمے کے ساتھ اپنی جان تجھ پر قربان کر رہا ہے۔ میں بھی تیرے صبیح چہرہ سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔ مگر یہ خیال کہ "اے کاش انسانی دل تیرے باطن کی طرح مصفا ہوتا" میری مسرت و شادمانی کی گھڑیوں کو منغص کر دیتا ہے

بہار کا موسم

بہار! بہار!! اے دلفریب بہار!!! تیری آمد کس قدر خوشگوار ہے۔ گلاب کی سُرخی اور عندلیب کی بیقراری کو تیری ہی آمد کا انتظار تھا تو آئی تو تیرے دیدار کے شوق میں نقابِ گل اُٹھ گیا اور بلبل دیوانہ وار اسکے حسین چہرہ پر نثار ہو کر دلکش آواز میں نغمہ سرائی کرنے لگی۔

چنڈول کا گانا اور شہد کی مکھی کا گنگنانا تیری ہی آمد کے سبب سے ہے تو ہی پہاڑوں اور وادیوں کو سبز خلعت عطا کرتی ہے تو زیرِ لب مسکراتی اور ندی کے خوبصورت چہرہ پر اپنا پرتو ڈالتی ہے تمام اشجار تیری ہی وجہ سے پُر بہار ہیں۔ کُل جاندار تیری ہی آمد کے سبب خوش نظر آتے ہیں۔

میں چنڈول کا دلکش گانا سنتی ہوں۔ نرگس کے خوبصورت پھول پر شبنم کے آنسو دیکھتی ہوں۔ معطر ہوا میں سانس لیکر دل و دماغ کو فرحت دیتی ہوں۔ یہ سب کس کی بدولت ہے؟ ای میری ہمدم بہار یہ تیری اور صرف تیری ہی بدولت ہے۔

تو جب آتی ہے تو ہم صحیفۂ قدرت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو غافل انسان کو ہوشیار کر کے اسے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرتی ہے اور جب جاتی ہے تو ایک کارآمد سبق گوش گزار کر جاتی ہے کہ "دنیا میں راحت کی گھڑیاں کم ہیں اور رنج کی زیادہ۔ پس اے انسان! راحت کی شیرینی میں رنج کی تلخی کو بھی یاد رکھ۔ تاکہ راحت کی مٹھاس کے بعد رنج کی تلخی زیادہ ناگوار نہ ہو"

ہر کمالے را زوالے

مد کے بعد جزر اور بہار کے بعد خزاں ہر آنکھ دیکھتی ہے یہی حال انسان کے کمال اور زوال کا ہے جو لوگ آج عیش و عشرت خوشی و انبساط کا بادۂ خوشگوار اُڑا رہے ہیں۔ اُنہیں کل غم و الم حسرت و اندوہ کی چاشنی چکھنی ہوگی۔ اگر آج جزر ہے تو جزر کے بعد مد کا ہونا بھی لازمی ہے۔ خزاں کے بعد بہار ضرور آئیگی۔ حسرت و اندوہ کا مطلع بالآخر صاف ہو جائیگا۔ جس طرح ہر بہار کے بعد خزاں کا آنا ضروری ہے اسی طرح ہر عروج کے بعد زوال کا ہونا بھی لازمی ہے۔ دراصل مصیبت اور ابتلا ہمارے لئے آئندہ ترقی کا پیش خیمہ ہے۔ ہاں صبر و استقلال ضروری ہے۔ درختوں کو دیکھو خزاں کے دنوں میں اُنکی حالت کیسی خراب ہو جاتی ہے۔ اُن کا سارا حسن و جمال اور بناؤ سنگار جاتا رہتا ہے۔ وہ درخت جن کے پاس بہار کے دنوں میں خلقت کا جمگھٹا رہتا تھا۔ جن کی کلیوں کا چٹکنا اور ڈالیوں کا لچکنا دیکھ دیکھ کر چڑیاں پھولی نہیں سماتی تھیں۔ اور ان پر بیتابی کے ساتھ

نثار ہو ہوکر مسرت آمیز نغمے گاتی تھیں۔ خوش مذاق انسان انکے پتوں کی سبزی سے آنکھوں کو نور اور پھولوں کی نکہت سے دل و دماغ کو سرور پہنچاتے تھے۔ آج وہی درخت بیکسی اور بے بسی کی حالت میں کھڑے ہیں نہ چڑیوں کے چہچہے ہیں نہ انسانوں کے جگمگھٹے۔ مگر آفریں ہے اور ہزار آفریں انکی کوشش اور ہمت پر کہ یہ اس اُجڑی ہوئی حالت میں محنت اور صبر کو ہاتھ سے نہیں دیتے اپنی جڑوں کو نہایت استقلال کے ساتھ سخت زمین میں پھیلا کر اپنے تئیں پہلے سے بھی زیادہ مضبوط و مستحکم بنا رہے ہیں۔ دیکھو پھر بہار آئی اور اب وہی درخت گزشتہ بہار سے بھی زیادہ بہار پر ہیں۔ قدرتی مناظر ہم کو نہایت مفید سبق دیتے ہیں۔ اس دنیا کا ذرہ ذرہ ہمیں بیش بہا نصیحت دیتا ہے مگر ہم اپنی کج فہمی کے سبب کسی کی ایک نہیں سُنتے۔ مدت ہوئی ہمارا کمال و عروج ختم ہوگیا۔ اب ہم ہیں اور پستی و زوال۔ ذلت و رسوائی کی تاریک گھٹا ہمارے سروں پر چھائی ہوئی ہے۔ اور روز بروز زیادہ خوفناک اور گہری ہوتی جاتی ہے۔ دامن استقلال اور تحمل کب کا ہمارے ہاتھ سے چھُٹ گیا۔ کوشش و جانفشانی کے قدم ڈگمگا گئے۔ اس خوفناک تیرگی کے وقت جبکہ ہم گمشدگان راہ ایک ہولناک بیابان میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ دور سے کچھ آدمی ایک نورانی شمع ہاتھ میں لئے ہوئے ہمیں دکھائی دیئے۔ وہ ہماری طرف بڑھے چلے آرہے تھے اور جلدی ہم تک پہنچ گئے۔ شمع کی روشنی سے تمام بیابان روشن ہوگیا۔ اور ہم نے اپنا راستہ پالیا۔ یہ روشنی کچھ ہی دیر رہی کہ بادسموم کا ایک تند جھونکا آیا اور اس مبارک شمع کو آناً فاناً میں گل کر گیا۔ اب پھر وہی تاریک بیابان ہے اور ہم ہیں۔ مگر نہیں ظاہر میں تو اندھیرا ہے لیکن وہ نورانی شمع ہمارے دلوں کو منور کر گئی ہے۔ اور ہم کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ منزل مقصود کا رستہ کس طرف ہے۔ آؤ ہم سب مل کر اور ہمت و استقلال کا زاد راہ باندہ کر اسی رستہ پر چل پڑیں اور چلتے رہیں۔ یہاں تک کہ تاروں بھرا آسمان ہمارے سروں پر جھکنے لگے اور ماہ دو ہفتہ ہمارا استقبال کرے۔

اگر میں تصویر کھینچ سکتی !

اے کمال مصور! تو کس شئے کی تصویر تیار کرنے میں اسقدر منہمک ہے؟ کیا ایک گلزار کی۔ ایک غنچۂ نوبہار کی اور بس۔ کیا تو اسی کو بنانے میں عرق فشانی اور دیدہ ریزی کر رہا ہے! کیا تجھے اس جانکاہی کا صلہ ملے گا؟ کیا تیری کھینچی ہوئی تصویر باوقعت ہوگی کیا وہ لوگوں کے دلوں پر کچھ اثر ڈال سکے گی؟ نہیں اس کی قدر و قیمت صرف یہ ہوگی کہ بعض احباب تعریف کے پل باندھیں گے۔ بعض دیواروں کی زینت کا کام لیں گے کچھ بے پرواہی سے الماری میں بند کر دیں گے۔ اور ہاں کچھ ایسے بھی ہونگے کہ تیری اس جانکاہی کو ردی میں ڈالدینگے۔

افسوس تیری حالت پر کہ تو اپنے لطیف فن کو کس بیدردی سے کھو رہا ہے۔ اچھا اب سُن! اگر میں تصویر کھینچ سکتی تو کیا کرتی دیکھ! میں نہ تو کسی باغ ارم صفت کی تصویر کھینچتی۔ نہ کسی گلزار نوبہار کی۔ نہ کسی قصر جنت نشاں کی۔ نہ کسی شوخ طرحدار رشک قمر کی۔ نہ کوہ و صحرا کی۔ نہ جنگل بیابان کی۔ نہ زمین کی نہ آسمان کی۔ غرض میں تمام عالم میں سوائے ایک چیز کے اور کسی کو بھی تصویر کھینچنے کے لئے موزوں نہ سمجھتی تجھے تعجب ہوگا کہ آخر وہ کون چیز ہے۔ اچھا تو سن۔ وہ کیا چیز ہے؟ ایک تڑپتا ہوا دل۔ ایک لرزتا ہوا دل۔ ایک بیچین اور بیقرار دل۔ رنج والم کا خزینہ۔ غم و اندوہ کا گنجینہ۔ ارمانوں کا مزار۔ حسرتوں کا دفینہ۔ میں ایک ایسے دل کی تصویر کھینچتی۔ کیا اُس کو دیکھ کر ظالموں کی روح کانپ نہ جاتی۔ کیا وہ پھر بھی ظلم و ستم سے باز نہ آتے۔ کیا انہیں ترس نہ آتا۔

کیا اُنکی آنکھوں سے آنسو نہ ٹپک پڑتے۔ نہیں اُنکے دل کانپ جاتے۔ اُنکی روح لرزنے لگتی۔ وہ حیرت کے بھنور میں ڈوب جاتے وہ ظلم وستم سے دست بردار ہوتے اور ہمیشہ کے لئے تائب ہوجاتے۔

اے نادان مصور! اب تو سمجھا کہ دنیا کس قدر لطیف ہوتی، اگر میں "تصویر کھینچی جاتی"۔

اگر میں آسمان کا تارا ہوتی!

تاریک شب میں جبکہ کل حیوانات و نباتات نیند کے پردہ میں مستور ہوجاتے ہیں۔ میں اے ننھے تارے! تجھے کس حسرت سے تکا کرتی ہوں۔ تیری نظریں بھی برابر میری طرف ہوتی ہیں۔ مگر اُن سے کسی قسم کی فکر یا حسرت ظاہر نہیں ہوتی۔ تیرا چہرہ غبار افکار اور گردِ حسرت سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ ضیائے مسرت تیری جبیں سے ہویدا اور تجلیٔ اطمینان تیرے رخساروں سے عیاں ہوتی ہے تو مجھے اپنی طرف اسقدر مائل دیکھکر کبھی کبھی ہنس پڑتا ہے۔ میری سمجھ میں تیری ہنسی کا یہ مطلب آتا ہے کہ شاید تو میری اس حرکت کو ناپسندانہ خیال کرتا ہوگا۔ اور اس سبب سے تجھے بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ کبھی تو کچھ اشارے بھی کرتا ہے جس کا مطلب میرا خیال یہ بتاتا ہے کہ اپنی حالت پر صابر و شاکر رہنا چاہئے۔ مگر میری طبیعت بے طرح بگڑی ہوتی ہے۔ مجھ پر تیری ہنسی اور تیرے اشاروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا میں برابر تجھے رشک کی نظروں سے تکتی اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھتی رہتی ہوں۔

ٹھیک اس وقت جبکہ میری مایوس نظریں تیرے روشن چہرے پر مقابل ہوتی ہیں۔ آرزوؤں اور ارمانوں کی ایک پُرشور لہر میرے دل کے سمندر میں اُٹھتی ہے اور میں بیقراری کے ساتھ اپنے بلند تصور سے کہنے لگتی ہوں:-

اگر میں آسمان کا تارا ہوتی تو تمام مصیبتیں اور تکلیفیں جنہوں نے میرے گرد ہالہ بنا رکھا ہے نام کو نہ ہوتیں۔ مجھے نہ دشمن سے خوف ہوتا نہ دوست پر بھروسا۔ فراق کے صدمے ہوتے نہ وصال کی خوشیاں میں وفا کی طالب ہوتی۔ نہ جفا سے بیزار۔ ہجوم افکار مجھ سے کوسوں دور ہوتا۔ آزادی اور بیفکری کی دلفریب دیوی میرے جلو میں ہوتی۔

رات کے وقت جبکہ تمام شور وشغب ساکن ہوجاتے۔ آفتاب عالمتاب انسان کے مکر وفریب سے بیزار ہوکر اُفق مغرب میں روپوش ہوجاتا۔ تاریکیٔ شب بندگان خدا کے عیوب پر پردہ پوشی کی چادر ڈال دیتی۔ میں اپنے چہرہ سے نقاب ہٹاکر فلک کے نیلگوں کرہ پر جلوہ گر ہوتی۔ تمام شب اس تاریک اور خاموش دنیا کی سیر کرتی۔ نسیم سحری کے خوشگوار جھونکوں سے حظ اُٹھاتی۔ مقدس فرشتوں کے مست کن نغمے سنتی۔ اور قبل اسکے کہ شاہِ مشرق کرنوں کی جرار فوج کے ساتھ نمودار ہو اور انسان مکر وفریب کے جال بچھائے۔ میں اپنی غباری چادر میں مستور ہوجاتی۔ آہ کیسا اچھا ہوتا

"اگر میں آسمان کا تارا ہوتی"

عصمت

(از خورشید اقبال حیا)

جب ازل میں نور سے تخلیق نغمہ ہو گئی جب ہجوم کیف سے آباد دنیا ہو گئی
جب فرشتوں کی عبادت زمزمہ زا ہو گئی جب پرندوں کی صدا پرواز پیرا ہو گئی
جب مری ہر سانس سازِ تمنا ہو گئی جب مری ہر موج اک طوفاں [illegible] ہو گئی
جب نگاہوں کی فضا وجہ تماشا ہو گئی جب تماشوں کی ادا نظارہ آرا ہو گئی
جب مہذب مستی تعلیم صحرا ہو گئی جب مری فطری حیا تمہید پردہ ہو گئی
جب تبسم میں مرے اک برق پیدا ہو گئی جب تکلم کی مرے ہر گھات رسوا ہو گئی
جب ترنم کی ادا صد حشر برپا ہو گئی جب مری کافر جوانی خوب رعنا ہو گئی

بند آنکھیں ہو گئیں ——— یعنی حوریں سو گئیں
نقش راحت دھو گئیں ——— میری نیندیں کھو گئیں
کھو گئیں — کھو گئیں — میری نیندیں کھو گئیں ——— میں ہراساں ہو گئی —

ہو گئی ہاں میں ہراساں ہو گئی اور بے قرار دل کی ہر کروٹ میں پنہاں تھا جہانِ اضطرار
آرزو کے ساز میں تھے چند نغموں کے مزار نغمۂ احساس میں پنہاں تھی مضراب بہار
دل میں لیتے تھے مری جذبات چٹکی بار بار میرے دل کی دھڑکنوں میں تھا کسی کا انتظار
کھینچتا تھا مجھکو اپنی سمت رنگ برگ و بار جذب کی صورت میں پنہاں تھی حیاتِ شام بار
وہ شباب اور اسمیں رنگینی گل بے نوک خار یک بیک وا ہو گئی تشنگی آغوش بہار
میں نے دیکھا نور کی دیوی ہوئی ہے آشکار سیم گوں چادر میں ہے ملفوف جسم پر بہار
اُسکے دوشیزہ تبسم میں نہاں ہے جلوہ زار اور خرامِ نازنیں معصومیت کا اشتہار۔

رنگ عکس گل ہوا ——— جزو جذب گل ہوا
خامشی کا قتل ہوا ——— ہر طرف اک غل ہوا
غل ہوا — غل ہوا — ہر طرف اک غل ہوا ——— میں پریشاں ہو گئی —

ہو چکی جب میں پریشاں دلکو وحشت ہو گئی کانپ اٹھا جسم اور لرزاں طبیعت ہو گئی
میرے ہر اک بال میں بجلی ودیعت ہو گئی میرے ہر اک خال میں پیدا حرارت ہو گئی

کس قدر نازک مرے اعضا کی حالت ہو گئی — ایک لمحہ میں قیامت سی قیامت ہو گئی
پھر مجھے اک سانس لینے کی ضرورت ہو گئی — اک ندا آئی کہ لی جھگڑوں سے فرصت ہو گئی!"
میں نے تھرا کر کہا "آزاد جلوت" ہو گئی — اُسنے گھبرا کر کہا "اب تو بھی عورت ہو گئی
اب نسائیت تری تبریک فطرت ہو گئی — اب طمانیت تری عین مسرت ہو گئی
ناگہاں میری نظر مجبور حیرت ہو گئی — اسقدر سمٹی وہ عورت لفظ "عصمت" ہو گئی

ای حیا کیا ہو گیا ہے ——— شعیدہ سا ہو گیا
اک تماشا ہو گیا ——— اذنِ پردہ ہو گیا
ہو گیا — ہو گیا — اذنِ پردہ ہو گیا ——— میں بھی پنہاں ہو گئی

میری سہیلی

یادش بخیر!

وہ بھی کیا زمانہ تھا — جب میری سہیلی کو مجھ سے محبت تھی — اور وہ محبوب ہستی اپنے سحر آفریں تکلم سے میرے قلب پر ایک سرور انگیز کیفیت طاری کر دیتی تھی — میں اُس مجسمۂ حُسن کی پجاری تھی — تو وہ میری دلدادہ!

زیادہ مدت نہیں گزری — وہ کسی کی شریک زندگی بن گئی — اس واحد ہستی نے اُس کی زندگی کی روش میں اُسکی افتاد میں — غیر معمولی تغیر پیدا کر دیا — اب اسکے طرز عمل میں محبت کا عنصر بھی نہیں۔

وہ مجھ سے کبھی کبھی ملتی ہے — مگر وہ ارتباط خالص، وہ اتحاد حقیقی، جس سے میری زندگی پُر کیف تھی — وہ شگفتگی اور تازگی جو پہلے آپس میں مل کر پیدا ہو جاتی تھی — اب کہاں!

لیکن — میرا دل اُسکی محبت کے غیر فانی جذبات سے ہنوز معمور ہے — میری آنکھیں اُسکو اُسی شوق اور احترام سے دیکھتی ہیں — میرے طرز عمل میں وہی انہماک اور انکسار موجود ہے۔ مجھے اُس سے وہی وابستگی ہر لمحہ انتظار کی وہی کیفیت طاری ہے — جو پہلے تھی! — کیوں — ؟ اس لئے کہ میری محبت میں مکر و تصنع نہیں ہے۔

رات کی پُر سکون اور تنہا ساعتوں میں جب درخت کے پتے خاموش اور انسانی ہستیاں عالم خواب میں سکون در آغوش ہوتی ہیں تو میں اپنی پیاری سہیلی ...... کے تغافل کا راز سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں — لیکن جسقدر غور کرتی ہوں — میری الجھن بڑھتی ہے — میرا وسیع تخیل آسمان کی فضا میں ایک نئی شکل اختیار کر لیتا ہے — اور میں پریشان ہو کر سو جاتی ہوں۔

ز - ب - ل - (ہمشیرہ محمد رشید زبیری)

گلبدن بیگم

(از:- محمد علم الدین سالک بی۔اے،)

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت
دانہ می چیدم من آں روز کہ خرمن داشتم

ہمارے برادران وطن جنہیں اپنی تہذیب اور تمدن کی قدامت پر بہت کچھ ناز ہے جب کبھی اسلامی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو تعصب اور ناتواں بینی کی عینک دیدۂ انصاف پسند پر چڑھا لیتے ہیں جس کی بدولت انہیں ہر واقعہ کی تصویر نہایت ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ وہ صداقت کو پہچانتے ہیں مگر جب حق گوئی کا وقت آتا ہے تو میدان میں ہتھیار ڈال کر بھاگ جاتے ہیں۔ انہیں اسلام سے قلبی خصومت اور دلی عناد ہے۔ اس لئے وہ بسا اوقات اسلام اور تاریخ اسلام پر بے سروپا اور لایعنی اتہامات لگا کر آتش کینہ کو فرو کرتے رہتے ہیں۔ انکا دعویٰ ہے کہ "اسلام نے نہ تو دنیا کی تہذیب و تمدن میں کوئی زبردست انقلاب پیدا کیا ہے اور نہ ہی معاشرتی زندگی میں کوئی اہم تبدیلی پیدا کی ہے۔ عورت کا رتبہ گو اسلام سے پیشتر ہی پست ہو رہا تھا مگر اسلام نے اسکے درجہ کو اور بھی فروتر کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں طبقۂ اناث میں کوئی زبردست ہستی پیدا نہیں ہوئی۔"

ہمارے برادران وطن کا یہ بیان اپنے پہلو میں کس قدر صداقت رکھتا ہے؟ اور کہاں تک واقعات پر مبنی ہے؟ اسکا جواب تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے مل سکتا ہے۔ لیکن اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندو تمدن، ہندو معاشرت، اور ہندو تہذیب نے ہزارہا برس کی طول و طویل مدت میں عورت کے مدارج اور انکی معاشرتی زندگی میں کونسی تبدیلیاں پیدا کی ہیں؟ ہندو فلسفہ کی آغوش میں کونسی عورتیں پرورش پاکر جوان ہوئی ہیں اور انہوں نے ہندوستان کی سیاسی۔ تمدنی۔ معاشرتی اور ادبی زندگی میں کیا کچھ ردو بدل کیا ہے؟ ہمارے برادران وطن اسکے جواب میں سوائے سیتا۔ سیتا بھاما۔ رکمنی۔ دروپدی دمینتی۔ ساوتری۔ اور چندر کلا کے اور کس کا نام پیش کر سکتے ہیں؟ مگر ان مقدس ہستیوں کو سیاسیات اور ادبیات سے کیا تعلق؟ انکی زندگی کا نمایاں جوہر تو صرف عصمت اور پاکدامنی ہے۔ جو ہر ایک عورت کا اصول اولین اور جزو ایمان ہونا چاہیئے۔ اسکے خلاف اسلام اپنی تیرہ صد سالہ زندگی میں ہزارہا ایسی عورتیں پیش کر سکتا ہے جنہوں نے نہ صرف سیاسیات اسلام میں گوناگوں انقلابات پیدا کئے ہیں۔ بلکہ مذہب، فقہ، ادبیات، معاشرت اور تمدن میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ذات النطاقتین۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ ام سلمہ۔ رابعہ بصری۔ رابعہ قزوری۔ ترکان خاتون۔ مہتی۔ رضیہ سلطانہ۔ چاند بی بی۔ زبیدہ خاتون۔ گلبدن بیگم۔ سلیمہ سلطان۔ نورجہاں بیگم۔ ممتاز محل۔ جہاں آرا بیگم۔ روشن آرا۔ زیب النساء بیگم مخفی۔ قرۃ العین۔ خاتون۔ وغیرہ ہما۔ مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

ان مقتدر ہستیوں کے کارناموں کی غلغلہ انداز صداؤں سے تمدن عالم کے درودیوار آج تک گونج رہے ہیں۔ دنیا

مٹ جائینگی مگر ان کے ناموں کو فنا نہیں۔ تہذیب فنا ہو جائیگی مگر انکے کارنامے مردہ دلوں میں بدستور جوش اور ہیجان پیدا کرتے رہیں گے۔

اسلام کا ابر کرم گو ہر ایک ملک پر برسا۔ مگر ہندوستان اور اسکا تمدن خاص طور پر اسکا مرہون منت و ممنونِ احسان ہے۔ حملہ اسلام اور بالخصوص تیموریوں کی آمد سے پیشتر ہندوستان کی تمدنی حالت نہایت ہی یاس آفریں۔ ہمت کش اور باعثِ ننگ و عار تھی۔ بابر نے اس وقت کے تمدن کا جو نقشہ اپنی تزک میں کھینچا ہے کس قدر سچا اور واقعات پر مبنی ہے۔ اسکی مثالیں آج تک ہندوستان کے ان دور دراز گوشوں سے مل سکتی ہیں جہاں پر تمدن اسلام ابھی تک اثر انداز نہیں ہوا۔ ملاحظہ ہو:-

اسپ خوب نے۔ گوشت خوب نے۔ انگور و خربزہ و میوہ ہائے خوب نے۔ یخ و آب سرد نے۔ حمام و مدرسہ نے۔ شمع مشعل نے۔ شمع دان نے۔

بجائے شمع مشعل و جمع کثیر چرکینی مے باشد دیوٹی میگویند در دست چپ خود سہ پایہ خوردے را گرفتہ اند کہ ازیں سہ پایہ در کنار یک پایہ مثل سر شمع دان۔ یک آہنے را بہ چوب ہمیں سہ پایہ مضبوط کردہ اند یک فتیلہ شستے را کہ برابر انگشت بودہ باشد بہ چوب آہن وار پایہ دیگر بستہ اند۔ دست راست ایشاں یک کدوے ست کہ سوراخ آں را تنگ گذاشتہ اند کہ روغن از آں جا باریک شدہ می ریزد۔ بادشاہاں و امرائے ایشاں شب ہا اگر کارے کہ احتیاج بہ شمع داشتہ باشند۔ ہمیں دیوٹ ہائے چرکیں ایں چراغ آوردہ نزدیک گرفتہ ایستند۔

در باغ و عمارت ہا آب ہائے رواں نے۔ در عمارات او صفا و ہوا و اندام و سیاق نے۔ رعیت و مردم ریزہ تمام پائے برہنہ میگردند لنگوتہ گفتہ یک چیز می بندند۔ زنانِ آنہا خود یک لنگی بستہ اند۔ نصف آں را در کمر بستہ اند و نصف دیگر را بر سر خود انداختہ اند۔

(تزک بابری صفحہ ۲۰۴)

ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں ہوتے۔ اچھا گوشت میسر نہیں آتا۔ انگور نہیں ہوتے۔ خربزہ بالکل نہیں۔ برف کا نام و نشان نہیں آب سرد کا پتہ نہیں۔ حمام نہیں۔ مدرسہ نہیں۔ شمع و مشعل بھی عنقا صفت ہیں۔ شمعدان کے نام سے لوگ محض نابلد ہیں۔ شمع و مشعل کی بجائے کثیف اور میلا کچیلا سا ڈھانچہ ہوتا ہے۔ جسے دیوٹ کہتے ہیں۔ یہ تین پایہ کا ہوتا ہے۔ ایک پایہ میں چراغ دان کے سر کی شکل کا ایک لوہا لکڑی میں ٹھونس دیتے ہیں۔ اور دوسرے پایہ میں ایک نہایت دھیمی اور دھندلی بتی لگی ہوتی ہے۔ جو قد و قامت اور لمبائی میں انگوٹھے کے برابر ہوتی ہے داہنے ہاتھ میں کدو کی ایک تونبی ہوتی ہے۔ جسکا سوراخ نہایت تنگ ہوتا ہے جس سے تیل کی نہایت پتلی سی دھار گرتی رہتی ہے۔ راجوں اور مہاراجوں کو بھی اگر رات کے وقت روشنی میں کوئی کام کرنا پڑتا ہے تو نوکر چاکر یہی میلے کچیلے دیوٹ لیکر اسکے پاس کھڑے ہوتے ہیں۔

باغوں اور عمارتوں میں آب رواں یعنی نہر نہیں ہے۔ عمارتوں میں صفائی۔ موزونی تناسب اور ہوا کا کچھ خیال نہیں رکھا جاتا۔ عام آدمی ننگے پاؤں ایک لنگوٹی باندھے پھرتے ہیں۔ عورتیں (لونگی) دھوتی باندھتی ہیں جسکا آدھا حصہ کمر سے لپیٹ لیتی ہیں اور آدھا سر پر ڈال لیتی ہیں

یہ وقت ان فروعی باتوں میں پڑنے کا نہیں۔ ہم کسی اور موقع پر "ہندوستان پر تمدنِ اسلامی کے اثرات" مفصل طور پر

بیان کریں گے - فی الحال ہم اپنے قارئین کرام کو دورِ تیموریہ کی سب سے زبردست اور باثر ہستی سے روشناس کرانا چاہتے ہیں - جو نہ صرف ایک زبردست شاعرہ تھی بلکہ ایک نہایت کامیاب مورخ اور ماہر سیاسیات بھی -

حسب ونسب اور خاندان | یہ نامور خاتون بابر کی بیٹی - ہمایوں کی بہن اور شہنشاہ اکبر کی پھوپھی تھی - اسکا نام گلبدن بیگم تھا -
بابر جب اپنے اعزا اور اقربا کی غداریوں اور نمک حرامیوں سے تنگ آکر سمرقند کے تخت و تاج سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو گیا تو اُسنے اسی عالمِ یاس میں چند سیاسی وجوہات کی بنا پر ایک چغتائی امیر کی لڑکی سے شادی کر لی - جسکا نام دلدار بیگم تھا اور لقب آغاچہ تھا - جس کے معنی بیگم کے ہیں - یہ خاتون کون تھی؟ اس کے آباواجداد کس علاقہ کے رہنے والے تھے؟ اور اسکا سلسلہ نسب کس بزرگ سے جا کر ملتا ہے؟ اسکے متعلق بابر کی تزک اور گلبدن بیگم کا ہمایوں نامہ دونوں مہر بلب ہیں جسکی وجہ اگر کوئی ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ یہ شادی ان ایام میں روپذیر ہوئی جب بابر نے اپنی علالت طبع اور کثرت مشاغلت کی بنا پر اپنا روزنامچہ لکھنا بند کر دیا تھا - دلدار بیگم کے بطن سے پانچ بچے پیدا ہوئے جن میں سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے -
گلرنگ بیگم اسکی اولاد اکبر تھی - جو ۱۵۱۵ء میں پیدا ہوئی - اسکے بعد گل چہرہ بیگم پیدا ہوئی - پھر ابوالنصر محمد یعنی ہندال - اور اسکے بعد گلبدن بیگم اور آخر میں الور مرزا پیدا ہوا -

ہندال گلبدن بیگم سے صرف چار برس بڑا اور ۹۲۵ھ میں پیدا ہوا تھا - خافی خاں اسکی پیدائش کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے :-

"اول دفعہ در سنہ نہصد و بست و پنج (۹۲۵) تا دریائے اٹک و ازینجا بسرحد پنجاب رسید و تنبیہ گکھڑاں و دیگر مفسدان آں ضلع پرداختہ - ازانکہ قبل ازیں ہم اکثر مکان آں طرف در تصرف امیر تیمور صاحبقران غازی درآمدہ بود از سرِ نو نسق آں پرداختہ و حکام منصوب ساختند از شنیدن اخبار فساد بہ طرف ولایت کرم سیر بکابل مراجعت نمودند - و در ہمیں سفر خبر بہجت اندوز تولد فرزند سعادت مند مبشر گردیدہ چوں عازم تسخیر ہند بودند بفال مبارک گرفتہ مسمی بہ ہندال میرزا ساختند" (خافی خاں صفحہ ۲۰)

الور مرزا کی پیدائش غالباً اس وقت ہوئی جب بابر کا تمام خاندان ہندوستان پہنچ چکا تھا - اور بابر راناسانگا پر فتح یاب ہو کر ہندوستان کے تخت و تاج کا واحد مالک اور خاندان تیموریہ کا بانی اعظم بن چکا تھا - اسکے نام سے اشتباہ ہوتا ہے کہ اسکی ولادت الور کے گردونواح میں ہوئی ہوگی - اور بابر نے اسی مناسبت سے اسکا نام الور میرزا رکھا ہوگا - وہ ۱۵۲۵ء میں دردِ شکم کے عارضہ سے آگرہ میں فوت ہوا - (ہمایوں نامہ صفحہ ۲۰)

گلبدن بیگم ۱۵۲۳ء مطابق ۹۲۹ھ کابل میں پیدا ہوئی[1] - اس وقت بابر کا تسلط کابل پر پورے طور سے ہو چکا تھا - انہیں ایام میں ازبکوں اور تاتاریوں کی متفقہ کوشش سے ایک نہایت زبردست شورش افغانستان کے مغربی حصہ میں روپذیر ہوئی -

---

[1] Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum in London vol II page 247 by Dr. C. Rein.

بابر نے اس بغاوت کو نہایت آسانی سے فرو کر لیا۔ مگر اس کا دل اپنے رشتہ داروں کی نمک حرامیوں اور شورش انگیزیوں سے بالکل سرد ہو گیا۔ چنانچہ خافی خاں لکھتا ہے :۔

"وبعد آں بابر پادشاہ صلاح در بودن آنجا ندیدہ دل از ملک وملک موروثی کندہ باجمع از ہوا خواہان خود را بکابل رسانند۔ سلطان ناصر میرزا کہ از بنی اعمام پادشاہ می باشد ودر کابل حکومت داشت با ستقبال بہ آمدہ پادشاہ را بکابل آوردہ اظہار کمال اخلاص واطاعت کمر خدمتگاری بربست۔ و پادشاہ ازو نہایت راضی گشتہ حکومت غزنیں بر و عطا فرمودہ روانہ ساختند" (خافی خاں جلد اول صفحہ ۴۵ مطبوعہ کلکتہ)

اسی اثنا میں اسے یہ خبر بھی موصول ہوئی کہ ہندوستان کے تخت پر ایک نہایت جابر حکمراں حکمرانی کر رہا ہے۔ تمام امرا اس سے برگشتہ خاطر ہیں۔ اور اسکی حکومت کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ خافی خاں لکھتا ہے :۔

"دریں حال متواتر خبر فوت سلطان سکندر لودی وقائم مقام او گشتن سلطان ابراہیم و برپا شدن فتنہ و نفاق در امرا و دلیران و برہم خوردن بند وبست و نظام ہند بانوشتہ دولت خاں کہ یکے از امرائے با وقار افاغنہ بود مشتمل بر شکایت بعض سلوک سلطان ابراہیم رسیدہ محرک عزم تسخیر دہلی گردید" (خافی خاں صفحہ ۴۵ و ۴۶)

بابر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور تسخیر ہند کے مصمم ارادہ سے چل کھڑا ہوا۔ گو وہ اس سے پیشتر پنجاب کے شمال مغربی علاقہ پر قابض ہو چکا تھا مگر اس کی قسمت کا ستارہ اس وقت چمکا جب گلبدن بیگم ڈھائی برس کی ہوئی۔

اوائل عمر میں جب گلبدن کی عمر دو برس کی ہوئی تو بابر کا لڑکا فاروق میرزا جو کہ ماہم بیگم کے بطن سے تھا فوت ہو گیا۔ ماہم بیگم ہمایوں کی ماں اور بابر کی چہیتی بیوی تھی۔ بابر اسکی نازبرداریاں کرتا تھا۔ اور اسے ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے خوش کرنیکی کوشش کرتا تھا۔ ماہم بیگم کا دل بچے کی وفات سے ٹوٹ گیا۔ وہ ہر وقت غم واندوہ میں مبتلا رہتی تھی۔ اسکا غم حد اعتدال سے بڑھ رہا تھا اور بابر کو اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں بیٹے کے غم میں گھل گھل کر مر ہی نہ جائے۔ وہ اسکا غم غلط کرنیکی تدابیر سوچ ہی رہا تھا کہ بیگم کی طرف سے یہ تحریک شروع ہوئی کہ وہ گلبدن بیگم کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہے۔ دلدار بیگم نے اسپر اعتراض کیا۔ مگر بابر نے اپنی فلسفیانہ دلائل سے اسے قائل کر ہی لیا۔ آخرکار گلبدن بیگم ماہم بیگم کے محلات میں پرورش پانے لگی۔ گلبدن بیگم نے اس تمام واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ ہمایوں نامہ میں بیان کیا ہے۔ ہم طوالت بیان کی وجہ سے اسے قلم انداز کرتے ہیں۔

پانی پت کی خونریز لڑائی کے بعد جب بابر دلی کے تخت پر اورنگ نشیں ہوا تو اسے اعزا و اقربا کی یاد تڑپانے لگی۔ انھیں ایام میں اسکا ایک معتبر امیر خواجہ کلاں بیگ کابل جانے کے لئے رخصت طلب ہوا۔ بابر نے اسکے ہاتھ اپنے تمام اہل و عیال۔ اعزا و اقربا، دوست و احباب کے لئے تحائف بھیجے۔ چنانچہ گلبدن بیگم لکھتی ہے :۔

(باقی)

عورت اور میدانِ جنگ

(۱)

میداں سراپا رنگ تھا　　وقتِ شکستِ جنگ تھا
مایوسیوں کا ڈھنگ تھا　　ہر جنگجو دل تنگ تھا
جوشِ ستور رنگ تھا　　ہر شخص ہم آہنگ تھا

(۲)　ہر بھاگ جانا ہی روا

اُس خطۂ خاموش میں　　اُس وحشتِ خوں بر دوش میں
گو خونِ دل تھا جوش میں　　تھا کون لیکن ہوش میں
ہر جذبۂ روپوش میں　　ہر قلب حیلہ کوش میں

(۳)　ٹھیرا ہوا طوفان تھا

خاموش تھا شورِ طبل　　ناکام تھی جنگ و جدل
بیکار تھی سعیٔ عمل　　تھا عارضِ ہمت خلل
لرزاں بدن، ماتھے پہ بل　　بے زور ہاتھ اور پاؤں شل

(۴)　تھا محشرِ خوف و رجا

سب جنگ سے بیزار تھے　　اب حوصلے بیکار تھے
ڈالے ہوئے ہتھیار تھے　　بگڑے ہوئے آثار تھے
بے ہوش یا ہشیار تھے　　چلنے کو سب تیار تھے

(۵)　ناگاہ آئی اک ندا

اے سرفروشانِ وطن　　اے نوجوانانِ وطن
تم جاں نثارانِ وطن　　تم نونہالانِ وطن
روحِ وطن جانِ وطن　　تم سے تو ہے شانِ وطن

(۶)　تم سو وطن کی ہر بقا

اُف یوں تمہاری عورتیں　　دشمن کے قبضے میں رہیں
بچے اٹھائیں زحمتیں　　اور اپنی کسیاں روتی پھریں
پھر مجتمع کر لو صفیں　　تم جب [illegible] ہیں

(۷)　جو وقت استقلال کا

مرنے سے کیوں ڈرتا ہے جی　　مرنا ہے اک دن واقعی
ہے زندگی وہ زندگی　　ہو جس میں تسکین و خوشی
عزت بچا لو قوم کی　　[illegible] ہے یہی

(۸)　سُن لو غریبوں کی دعا

سُن کر یہ بانگِ آرزو　　آخر بڑھے سب جنگجو
میدان میں برسا لہو　　لاشیں گرائیں چار سو
بھاگا غنیم کینہ جو　　اقبال آیا رو برو

(۹)　پانسہ پلٹ کر رہ گیا

وہ صوت [illegible] یہ فیصلہ　　سب کو تحیّر سا ہوا
ہر شخص یہ کہنے لگا　　الہام تھا الہام تھا
نازاں ہوئے سب بے انتہا　　مخبر نے جب آ کر کہا
وہ تھی اک عورت کی صدا!

ایڈیٹر

--- --- ---<×>--------

تذکرۂ جمیل

(مسلسل)

شبنم — مگر آجکل محبت کے معنی صرف نفسانی جذبات سے پریشان ہونا لیئے جاتے ہیں، یہ کسقدر تنگ نظری اور بطی الخیال ہے اگر وسعتِ نظر سے کام لیا جائے تو کوئی ایسا شوق کسی خاتون کا قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتا، دل فطرت سب کے پہلو میں پیدا کرتی ہے جو اپنے ماحول میں پرورش پاتا ہے، جذبۂ محبت دل کا فطری فعل ہے، اور کوئی دل اس سے خالی نہیں ہو سکتا، جس محبت کو تنگ خیالان عالم جذبۂ بہیمیہ سمجھتے ہیں، وہ علی العموم آوارہ اور پست خیال مردوں میں ہوتی ہے، مگر اسے محبت کہنا ہی توہینِ محبت ہے، اسکا نام ہوس ہے یا نفس پرستی، محبت محبت تو ایک ایسا جذبۂ عالیہ ہے اور بلند احساس ہے جو انسان کو انسان بنا دیتا ہے، جس میں یہ جذبہ نہو اسے انسان کہنا تحقیرِ انسانیت ہے۔

شبنم کے یہ چاروں شعر پڑھیے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محبت کے طوفانِ عظیم میں غرق ہے، اور گھبرائی جاتی ہے اب اسکی محبت کی نوعیت پر غور فرمایئے اور فرض کر لیجیے کہ اسے اپنی دونوں مرحوم بہنوں سے محبت تھی، جو اسکی زندگی میں دنیا سے اٹھ گئیں۔ وہ انکے فراق میں مضطرب ہے اور اپنی عمر کے لطائف میں ایک ناقابلِ برداشت کمی محسوس کرتی ہے۔ اسکا دل انکی جدائی سے پاش پاش ہوا جاتا ہے عالمِ فانی کی بے ثباتی کا نقشہ اسکی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اسے اپنی جوانی میں کوئی لطف باقی نظر نہیں آتا وہ اسے بھی فنا ہو جانیوالی چیز یقین کرتی ہے اور کہتی ہے

جو دل میں امنگیں تھیں ہوئیں غم سے وہ مدہم بجھتا ہوا شعلہ ہے مرا عہدِ جوانی

جس افسانہ کے کہنے سے وہ معذور ہے، وہی افسانۂ عبرت ہے جسکے ہر ہر صفحہ پر بے ثباتیٔ عالم کے نقش و نگار مرتسم ہیں۔ وہی جوان اور لائق بہنوں کی موت کا فسانہ جس میں حقیقتاً سوز و الم کے سوا سوگ اور عبرت کے سوا کچھ اور نہیں ہے اسلیئے وہ کہتی ہے کہ :-

اللہ اٹھائے نہ کوئی ایسی مصیبت جو راہِ محبت میں پڑی مجھکو اٹھانی

بہنوں کی بیوقت موت نے اسکے دلکو مرجھا دیا ہے اسکے خیالات کو محدود کر دیا ہے، وہ سوچتی تھی کہ میں جوان ہو کر انکے نقوشِ قدم پر چلونگی میرے کارنامے انکو خوش کرینگے، وہ شعر کہتی تھی مگر اس احساس کے ساتھ کہ سیدہ سنے گی تو داد دیگی، طیبہ سنے گی تو اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھے گی، استاد کہیں گے دیکھو طیبہ شبنم نے کیسی اچھی غزل کہی تم اس سے بہتر کہنے کی کوشش کرو، ولولے بڑھیں گے حوصلے بڑھینگے، شعر کہنے کا لطف آئیگا مگر آہ قضا نے تمام ارمانوں کو خاک میں ملا دیا اب وہ شعر کسکے لیئے کہے اور کہے تو کسے سنائے مغموم و دل شکستہ والدین اسکے ترنم کی داد نہیں دے سکتے، وہ سیدہ اور طیبہ کو کسطرح پیدا کرے، کہاں سے لائے جب اسکی جد و جہد اس عہدِ مطمئن کو کسیطرح بھی واپس نہیں لا سکتی، تو وہ ایک آہِ سرد کھینچتی ہے، اس کے دل کا کنول مرجھا جاتا ہے وہ اداس ہو جاتی ہے اور اسکی آنکھوں سے ایک آنسو گر کر لڑھکتا چلا جاتا ہے :——

وہ تازگی باقی نہیں اب طبعِ رواں میں پھر جائے گا کیا میری تمناؤں پہ پانی

اب آپ سمجھے عورتوں کے اشعار میں غم و محبت کے کیا معنی ہوتے ہیں اور وہ کیسے کیسے خیالات سے متاثر ہو کر ایسے اشعار لکھا کرتی ہیں؟

ایڈیٹر

خلاصۃ الالباب :-

حوادث کونیہ (امور دنیا سے متعلقہ اخبار اور واقعات کا خلاصہ درج)

کوائف محلیہ (ہندوستان کے خصوصی اور ضروری واقعات کا خلاصہ)

حوادث کونیہ

(ماورائے ہند کے نادر اخبار اور اہم واقعات کا خلاصہ ضروری)

کارزار ریف :-

یہ ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ ریفیوں کے ساتھ کوئی قوت باطنیہ ضرور کام کر رہی ہے، ورنہ اس زمانے کا آسانی پسند انسان ایک سوکھی روٹی، ایک بندوق اور چند کارتوسوں سے سلطنت جمہوریہ قائم نہیں کرسکتا مگر یہ عدم بالوجود ہے اور ریفی اسکی زندہ مثال ہیں اُنھوں نے ابھی اپنی آزادی کی جنگ میں، ایک سو بیس مشین گنیں چھتر ہزار بندوقیں اور پانچ ہزار فرانسیسی گرفتار کئے ہیں اور ۲۴ ہوائی جہاز گرائے ہیں،

دو لاکھ فرانسیسی فوجوں میں سے ۲۵ ہزار غازی عبدالکریم سے آملے ہیں اور ابھی اندیشہ ہے کہ باقی لوگ بھی ایسا کرینگے -

پیرس ۲۳ ستمبر (اسٹیٹسمین کا خصوصی تار) غازی اعظم محمد بن عبدالکریم نے ترغست سے اپنے رفقا کو اطلاع دی ہے کہ "پریشان کیوں ہوتے ہو جیو ڑا آجانے دو، یعنی مجاہد پھر اپنا رنگ دکھلائینگے"!

بعض قبائل غازی اعظم سے یہ استدعا کر رہے تھے کہ فرانس سے صلح کرلی جائے جسکا جواب غازی عبدالکریم نے انھیں یہ دیا ہے یہ فیصلہ قطعی کرلیا گیا ہے کہ جنگ ابھی انتہائی قوت وحملہ کے ساتھ جاری رکھی جائے گی اُس کے بعد نقصانات ریفیوں اور مال غنیمت کی فہرست جو مجاہدین ریفیہ نے فرانس سے حاصل کیا :-

ٹینکس ۵	فچر ۸۰۰	ہوائی جہاز گرانے والی توپیں	۴
پہاڑی توپیں ۲	آہن پوش موٹر ۲	پانی کی موٹریں	۴
مشین گنیں ۴۰	چھوٹی مشین گنیں		۲۸۰
گیہوں ۱۰۰ ٹن	گھوڑے		۱۲۰۰
بندوقیں ہزاروں	بم		بے انتہا

اس کے علاوہ اور بھی سامان ہے - (خلافت) (الشوریٰ (مصر))

ناس ۹ اکتوبر - اسپینی اور فرانسیسی فتحیابی کی خبر سنکر غازی عبدالکریم چند ہوشیار ہو گئے ہیں اور اپنے بھائی کو لیکر پہاڑوں میں چلے گئے ہیں اور سنتے ہیں کہ وہاں اُنھوں نے اجدیر سے آٹھ میل کے فاصلے پر فوج کو جمع کیا ہے اور کفین کے شمال میں فرانسیسیوں پر جوابی حملہ کر رہا ہے

(مجاہدین ریف نے اسپین اور فرانس کے پاؤں اکھاڑ دیئے ہیں انکی شجاعت عملی فوج کی جان کے پیچھے پڑ گئی ہے - وہ دشمن کے قلب کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتے ہیں اور اس بُری طرح پسپا کر رہے ہیں کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا! (ایڈیٹر)

۱۳ اکتوبر - لندن - ہسپانیہ کی طرف سے نہایت غلط پروپیگنڈا ہو رہا ہے، بیان کیا جاتا ہے امیر غازی کا صدر مقام اجدیر فتح ہو گیا اور فرانسیسی وہاں نہایت خاموشی سے داخل ہو گئے اور کئی چوکیوں پر قبضہ کرلیا ہے اور کثیر نقصانات ریفیوں کے بتائے جاتے ہیں -

بعد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ افواہ غلط ہے

ملیکہ ۲۹ ستمبر جنگی جہازوں کی نقل وحرکت پھر شروع ہوگئی ہے۔ "پیرس" ایک تباہ کشتی فرانسیسی تباہ کن کشتیوں

الہامات

خلاصۂ الباب :-

1. علامہ مولانا سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی -
2. پروفیسر محمد اکبر خاں اکبر حیدری (دہلی)
3. حضرت باسط بسوانی -
4. حضرت صادق جھانسوی -
5. قاضی قمر الحسن قمر بدایونی -

کلام المشاہیر تازہ ترین و غیر مطبوعہ

علامہ سیماب اکبر آبادی

ادراک خود آشنا نہیں ہے　　ورنہ انساں میں کیا نہیں ہے
دل اور خراب صد تباہی　　یہ آپکے کام کا نہیں ہے
مایوس اثر ہے جذبۂ دل　　اب حوصلۂ دعا نہیں ہے
حسن اور نوازش محبت　　ایسا تو کبھی ہوا نہیں ہے
اُس دل پہ نثار دو نوں عالم　　جس میں کوئی مدعا نہیں ہے
اللہ رے تسلسل مساوات　　اب غم میں بھی کچھ مزا نہیں ہے
پروازِ نگاہِ ناز توبہ　　کوسوں دل کا پتہ نہیں ہے
ہم اور ہجوم کوئے جاناں　　گنجائش نقش پا نہیں ہے

پروفیسر اکبر حیدری

پھر دکھائے مجھے عتاب کا رنگ　　پھر میں دیکھوں ترے شباب کا رنگ
اشکِ خونی نے دل کے راز کہے　　کھل گیا میرے اضطراب کا رنگ
اور کچھ ہو گیا دلِ بدمست　　لیکے اُس چشم نیم خواب کا رنگ
گل و غنچہ میں دیکھ لیتا ہوں　　اپنے کھوئے ہوئے شباب کا رنگ
آتشِ طور پھر بھڑک اُٹھی،　　یا گلابی ہے اُس نقاب کا رنگ
منفعل ہے حیا، محبت سے　　کتنا دلکش ہے اجتناب کا رنگ

اب جتنی آپ کو ہے مری التجا سے لاگ　　اتنی نہ تھی کبھی بھی اثر کو دعا سے لاگ
معذور چارہ ساز ہیں مجبور چارہ گر　　ایمائے درد ہے کہ مجھے ہے دوا سے لاگ
ہمت اُدھر ہے سلسلہ جنبانِ بے کسی　　رہزن کو آ پڑی ہے اِدھر رہنما سے لاگ
اب میری طرح وہ بھی، ہے طوفاں میں مطمئن　　اب ناخدا کے دل میں نہیں کچھ خدا سے لاگ
ہمت بندھائی یاس نے ایسی کہ عشق میں　　اب دل ہے اور دل کو ہجوم بلا سے لاگ
ایسا نہ ہو کہ عشق تحمل نہ کر سکے ۔　　ضبطِ وفا، کو ہے ستم نارَوا سے لاگ

بیمارگی کا نام بھی کیوں صبر رکھدیا — اتنی سی بات پر ہے دعا کو دوا سے لاگ
اکبر کے ہر طریق محبت پر اعتراض؛ — کیوں آپکو ہے مسلک اہل وفا سے لاگ

حضرت باسط بسوانی

رہے مد نظر پاس رفیق ناتواں کبتک — مجھے مڑ مڑ کے دیکھیں گی تو اہل کارواں کبتک
بتادے شمع، بزم حسن اگر معلوم ہو تجھکو — جلا کر خاک کر دے گا مجھے سوز نہاں کبتک
سمجھتا ہوں مری کوتاہی ہے تیرے وصل میں حائل — نہیں معلوم یہ پردہ رہے گا درمیاں کبتک
ترے ناوک کو ہمنے بڑھکے ظالم لے لیا دل پر — خدا جانے تری خفگی سے وہ آتا میاں کبتک
اجل کا ہو بُرا جسنے اُس نے آتے ہی زباں کر دی — نہیں معلوم وہ سنتے ہماری داستاں کبتک
حرم میں جلد دیکھو خواہ باسط دیر میں ڈھونڈو — پڑا اڑ گئے اسے دونوں گھروں کے درمیاں کبتک

حضرت صادق جھانسوی

آئینۂ خیال کی تصویر دیکھ لی — تصویر بنکے آپ کی تصویر دیکھ لی
نظارہ میں ہے جلوۂ تمکین بقید حسن — یعنی کہ پائے ناز میں زنجیر دیکھ لی
نیرنگیٔ فراق بھی ساماں طراز شوق — دلمیں ہر ایک درد کی تاثیر دیکھ لی
ہر آنکھ میں نگاہ کو اب تک ہے سلسلہ — کس نے تمھارے حسن کی تنویر دیکھ لی
حیرت پرستیاں تو نہیں ہوتیں ہی سہی — اچھا ہوا کہ آپ کی تصویر دیکھ لی
ڈر ہے میری وفا بھی کہیں بیوفا نہ ہو — دل نے تری جفاؤں کی تاثیر دیکھ لی
دل کے ہر ایک زخم پر اُن کی نگاہ ہے — تیری عنایت اے خلش تیر دیکھ لی
عقدہ یہ کس سے دل صادق کا آجتک — تدبیر تیری ناخن تدبیر دیکھ لی

حضرت نشتر بدایونی

ہاں زندہ، ہوں تو دنیا میں، مگر یہ فرق ہے — اب قفس میں ہے ٹھکانا آجتک گلشن میں تھا
برق کے حملے، خزاں کا خوف، صرصر کا گذر — اس مصیبت میں تھا گلشن اور میں گلشن میں تھا
گلشن و صحرا ہیں اب بھی گلشن و صحرا مگر — فرق اتنا ہے کہ میں صحرا میں ہوں گلشن میں تھا
آنکھ کھلتے ہی خزاں پہلے تو دیکھی پھر قفس — سیر قسمت میں نہ تھی گو آشیاں گلشن میں تھا
دیکھتا تھا اسطرح گلشن میں آثار خزاں — میری نظروں میں تھا صحرا اور میں گلشن میں تھا
آسماں سے جب گرے بجلی یہیں آکر گرے — صرف میرا آشیانہ اسلئے گلشن میں تھا

تمت

پروفیسر محمد اکبر خان حیدری

ایم آر اے ایس

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۳۰

قیمت سالانہ مع محصول عہ | صفحۂ تعارف | قیمت ششماہی مع محصول ۳عہ

جلد (۴) | پیمانہ - نومبر ۱۹۲۵ء | نمبر (۵)

تصویر ——— پروفیسر محمد اکبر خاں حیدری

نمبر	عنوانات	ناظم یا ناشر	صفحہ	نمبر	عنوانات	ناظم یا ناشر	صفحہ
۱	صفحۂ تعارف	ایڈیٹر	۳	۱۹	صحافت حاضرہ پر ایک نظر	ایڈیٹر	۴۹
۲	جرعات	ایڈیٹر	۴	۲۰	**نسائیات :-**		۵۱
۳	**ادبیات :-**		۵	۲۱	گلبدن بیگم (تذکرہ)	محمد علیم الدین سالک بی اے	۵۲
۴	جواہر خانۂ منطق	سید طالب علی طالب الہ آبادی	۶	۲۲	عورت اور عمل (نظم)	عزیزہ عابدہ خانم نسرین متھراوی	۵۰
۵	تخیل احمریں (غزل)	غلام صفدر احمر سیمابی اکبرآبادی	۹	۲۳	حسن اور اسکی کشش (افسانہ)	سلطانہ	۵۸
۶	عرض طاؤس (نظم)	ایڈیٹر	۱۰	۲۴	جرم ذوق (غزل)	خورشید اقبال حیا	۶۰
۷	ہندوستان کے چند مشاہیر [illegible]	....	۱۱	۲۵	فقط ایک نام (غزل)	ر خاتون قدسیہ	۶۰
۸	دل کی تاریخ (افسانہ)	ابوالعرفان فضائی سیمابی (ٹونکی)	۱۲	۲۶	تذکرۂ جمیل	ایڈیٹر	۶۱
۹	سراب (نظم)	ایڈیٹر	۲۳	۲۷	**معلومات :-**		۶۳
۱۰	پروفیسر محمد اکبر خاں حیدری	ایڈیٹر	۲۴	۲۸	تاریخی تحقیقات	ہشام میرٹھی	۶۴
۱۱	نغمہ اور روح (نظم)	ایڈیٹر	۲۸	۲۹	حوادثِ کونیہ	ایڈیٹر	۶۸
۱۲	موب کی لڑکی (افسانہ)	حاجی محمد صادق ایوبی	۲۹	۳۰	کوائف ملکیہ	ایڈیٹر	۷۰
۱۳	قطعات میر احدی	میر احدی اجمیری	۳۴	۳۱	زعفران زار	دس،	۷۱
۱۴	احزنسخے	مرزا غالب اکبرآبادی و آمیر بدایونی	۳۵	۳۲	**الہامات :-**		۷۲
۱۵	انسان (ڈراما)	ایڈیٹر	۳۶	۳۳	کلام المشاہیر	ہانی جالسی اکبر حیدی	۷۳
۱۶	میری توبہ (نظم)	ایڈیٹر	۴۱		.. . ..	قمر بدایونی	.
۱۷	انتقام محبت (افسانہ)	علی کوثر چاندپوری	۴۴		.. . ..	امیر بدایونی	.
۱۸	شاعر اور مصلح (نظم)	شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی	۴۸	۳۴	اشتہارات	مشتہرین	.

جرعات

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا زمانہ جوبلی جسقدر قریب تر ہوتا جاتا ہے اتنا ہی ذوق مضطرب اور طبیعت بے چین ہے خدا کرے ہماری زندگی کے لمحات اس زمانہ سے بہت جلد ہم آغوش ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے بعض ضروری شعبوں کی تکمیل کے لئے دو کروڑ نقد اور پچاس لاکھ سالانہ آمدنی کے انتظام اور تدابیر پر جوبلی کے اجلاس میں غور کیا جائے گا میرے خیال میں تمام ہندوستان کو متفق الرائے ہو کر جامعۂ اسلامیہ علیگڈھ کی دستگیری کرنی چاہئے تاکہ مسلمان بچوں کی تعلیم میں مزید آسانیاں پیدا ہوسکیں اور ممکن ہو تو تمام قومی چندے، جن سے حقیقتاً قوم کو اب تک کوئی فائدہ نہیں پہونچا ہے، اور نہ آیندہ پہونچنے کی امید ہے، اس وقت تک بند کردینے چاہییں جب تک مسلم یونیورسٹی کا مطالبہ تمام وکمال پورا نہ ہو جائے۔

پیمانہ کے اکتوبر اور نومبر نمبر یکجائی شائع ہو رہے ہیں صرف اس لئے کہ دسمبر سے اشاعت صحیح وقت پر آجائے دسمبر نمبر کے متعلق میں آپ کو بتانا نہیں چاہتا کہ وہ کس شان سے شائع ہوگا اور اس کی ترتیب و تدوین میں کیسے کیسے عجیب و لطیف تنوعات نظر گیر ہوں گے۔

میں جوبلی کے موقع پر اردو کانفرنس کے سامنے موجودہ صحافت کے متعلق ایک نوٹ پیش کرنا چاہتا ہوں، کہ اس میں جو افراط و تفریط کے ہنگامے اور غیر امتیازی طرائق نگارش پیدا ہو گئے ہیں ان کا سدباب کس طرح ممکن ہے؟ میرے احباب اگر اس خصوص میں متفق ہوں تو اپنی آرائے ۱۰ دسمبر سے پہلے مجھے بھیجدیں، تاکہ تعمیری پروگرام میں مجھے آسانی ہو جائے۔

”شبابیات“ یعنی میری رباعیوں کا مجموعہ اور ”نیستان“ یعنی مولانا سیماب اکبرآبادی کی تمام ادبی قومی، مذہبی نظموں کا مجموعہ چھپکر تیار ہو گیا ہے۔ پیمانے کے قدیم و جدید خریداروں کے ساتھ خاص رعایت کر دی گئی ہے، مہتمم اشاعت پیمانہ آگرہ سے مراسلت کے ذریعہ معلوم کیجئے۔

ساغر نظامی

ادبیات

پیمانہ نومبر ۱۹۲۵ء

خلاصۃ الباب:-

(۱) جواہر خانہ منطق — سید طالب علی طالب الہ آبادی

(۲) تخیل احمرین (غزل) — غلام صفدر آحمر سیمابی اکبرآبادی

(۳) عرض طاؤس (نظم) — ایڈیٹر

(۴) ہندوستان کے چند مشاہیر اُدبا کے اقوال — ... ...

(۵) دل کی تاریخ (فسانہ) — ابوالعرفان فغانی سیمابی (ٹونکی)

(۶) سراب (نظم) — ایڈیٹر

(۷) پروفیسر محمد اکبر خاں حیدری — ایڈیٹر

(۸) نغمہ اور روح (نظم) — ایڈیٹر

(۹) موچب کی لڑکی (افسانہ) — حاجی محمد صادق ایوبی

(۱۰) قطعات میر احمدی — میر احمدی اجمیری

(۱۱) اضافے — مرزا غالب اکبرآبادی و آمیر بدایونی

(۱۲) انسان (ڈراما) — ایڈیٹر

(۱۳) میری توبہ (نظم) — ایڈیٹر

(۱۴) انتقام محبت (فسانہ) — علی کوثر چاندپوری

(۱۵) شاعر اور مصلح (نظم) — شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی

(۱۶) صحافت حاضرہ پر ایک نظر — ایڈیٹر

جواہر خانۂ منطق

(مسلسل)

قبل اسکے کہ اختلاف کی مختلف صورتیں پیش نگاہ کی جائیں یہ نہایت اہم ہے کہ ہم ۔ا۔ی۔و۔و کی وہ صورتیں بتادیں جن سے جملوں کی ترجمانی کی جاتی ہے ۔ پہلا قاعدہ ترجمانی کا بہت آسان ہے ۔ اسکو نظریہ مفعولیہ کہتے ہیں ۔ ایسی صورت میں ہم جملے کے فاعل کو احاطہ و اشارہ کی پوری پوری وسعت میں مدنظر رکھتے ہیں مگر مفعول کو صرف اشارہ سے وابستہ سمجھتے ہیں ۔ مثلاً تیل پانی سے ہلکا ہے مفعول کی صفت یعنی سب کی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اجزائے روغن پانی پر تیرتے رہیں گے ۔ گویا خود صفت فاعل ترجمان صفت ہے ۔ دوسرا قاعدہ (جو جناب یولر صاحب کا ایجاد کردہ ہے) کہ فاعل و مفعول دونوں کو جداگانہ جماعت مان کر صرف احاطہ کو مدنظر رکھیں اور ایسی صورت میں ۔ا۔ی۔و۔و کو ذیل کے اشکال اقلیدس سے ظاہر کریں ۔

(الف) یعنی جملہ اقراریہ عامہ

اس کی دو شکلیں ہوں گی :۔

(۱) جبکہ احاطہ فاعل، احاطہ مفعول سے کم وسیع ہے
مثلاً ۔ تمام انسان فانی ہیں :۔

(۲) جبکہ احاطہ فاعل احاطہ مفعول کے بالکل برابر ہے ۔
مثلاً تمام مثلث متساوی الاضلاع متساوی الزاویہ ہیں :۔

احاطہ فاعل کی کم وسعتی صرف اس لئے کہ انسان کے علاوہ اور بہت سے ذی روح موجودات بھی فانی ہیں لہٰذا احاطہ فنا حلقہ انسان سے وسیع تر ہے
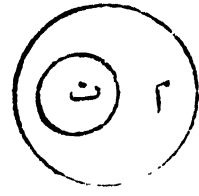
ف اور م بالکل برابر ہیں اسلیئے کہ مساوی الزاویہ کے علاوہ اور کوئی مثلث متساوی الاضلاع نہیں ہو سکتا ۔

(ی) یعنی جملہ انکاریہ عامہ مثلاً کوئی آدمی کامل نہیں ہے ۔

جماعت کامل جماعت انسان سے بالکل علحدہ ہے ۔ یعنی فاعل و مفعول بالکل دو جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں ۔

(۲) یعنی جملہ اقراریہ مخصوصہ

اس کی دو شکلیں ہیں :-

(۱) وہ جبکہ احاطہ فاعل احاطہ مفعول میں کسی قدر گھرا ہوا ہے۔ اور کسی قدر علحدہ ہے مثلاً کچھ فلزات درخشاں ہیں

حلقہ فلزیات کچھ تو حلقہ درخشاں میں ہے اور کچھ اس سے علحدہ یعنی اور بہت سی چیزیں درخشاں ہیں مگر فلزات میں سے نہیں ہیں علاوہ بریں ہر فلزی شئ درخشاں نہیں ہے۔

(۲) جبکہ احاطہ مفعول احاطۂ فاعل میں گھرا ہوا ہے۔ مثلاً کچھ ایشیائی ہندوستانی ہیں
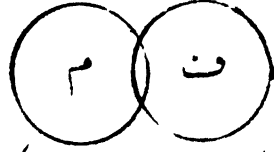
یعنی حلقہ فاعل حلقہ مفعول سے وسیع تر ہے اسلیئے کہ بہت سے ایشیائی ہندوستانی نہیں ہیں۔ مگر ہر ہندوستانی ایشیائی ہے۔

جہانتک (د) یعنی جملہ انکاریہ مخصوصہ کا تعلق ہے وہ بلحاظ صرف اشکال مذکور الصدر میں سے ہر شکل میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

تقسیم کلمہ

کلمہ اسوقت منقسم کہلاتا ہے جب وہی کلمہ جماعت کی ہر فرد کے لیئے قابل مطابقت ہے۔ مثلاً:- تمام انسان سے ہر انسان باری باری سمجھا جا سکتا ہے۔ اشکال مذکورہ کے اعتبار سے تقسیم کلمہ یوں ہو سکتی ہے :-

(۱) جملہ الف کلمہ فاعل کو تقسیم کرتا ہے مگر مفعول کو نہیں۔
(۲) جملہ ی کلمہ فاعل کو تقسیم کرتا ہے مفعول کو بھی
(۳) جملہ ع نہ تو فاعل کو تقسیم کرتا ہے نہ مفعول کو
(۴) جملہ و فاعل کو تقسیم نہیں کرتا مفعول کو تقسیم کرتا ہے۔

آئندہ پیر مطلب ' جملوں کے اختلاف باہمی کی تعریف '

اختلاف باہمی کی تعریف یہ ہے کہ چاروں جملوں کا رشتہ باہمی ایسی صورت میں بتایا جائے جبکہ اُن کے فاعل و مفعول ایک ہوں اور ایک کی صداقت پر دوسرے کا کذب یا برعکس مبنی ہو۔ دو ایسے جملے جنکے فاعل و مفعول ایک ہوں تین طرح سے مختلف ہو سکتے
(۱) یہ کہ جب وہ مقدار و حیثیت دونوں میں مختلف ہوں تو

(الف) ایک اقراریہ عامہ ہوگا دوسرا انکاریہ مخصوصہ یعنی الف اور و۔

(ب) ایک انکاریہ عامہ ہوگا دوسرا اقراریہ مخصوصہ یعنی ی اور ع۔

ان دونوں صورت میں اختلاف باہمی اختلاف متضاد کہلاتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک لازمی طور پر صادق ہوگا یعنی دوسرا کاذب نہ تو دونوں کاذب ہو سکتے نہ دونوں صادق۔

(۲) جب دونوں جملے صرف حیثیت میں مختلف ہوں تو

(الف) ایک اقراریہ عامہ اور دوسرا انکاریہ عامہ ہوگا یعنی الف اور ی۔

(ب) ایک اقراریہ مخصوصہ اور دوسرا انکاریہ مخصوصہ ہوگا ء اور و

پہلی صورت میں اختلاف باہمی، برعکس کہلاتا ہے اُن میں دونوں صادق نہیں ہو سکتے مگر دونوں کاذب ہو سکتے ہیں۔ دوسری صورت میں اختلاف باہمی ماتحت برعکس کہلاتا ہے اُن میں دونوں صادق ہو سکتے ہیں مگر دونوں کاذب نہیں ہو سکتے۔

(۳) جب دو جملے صرف مقدار میں مختلف ہوں ـــ تو

(الف) ایک اقرار عامہ ہوگا۔ دوسرا اقراریہ مخصوصہ یعنی الف اور ء۔

(ب) ایک انکاریہ عامہ ہوگا، دوسرا انکاریہ مخصوصہ یعنی ی اور و

ایسی صورت میں دونوں صادق ہوں گے یا مشکوک اسلئے عامہ کا صدق، مخصوصہ کی صداقت کا حال یہ اختلاف باہمی، اختلاف محکومہ کہلاتا ہے۔

یہ تمام رشتے صرف حسب ذیل مربع سے دکھائے جاسکتے ہیں جس کو مربع اختلافیہ کہتے ہیں:۔
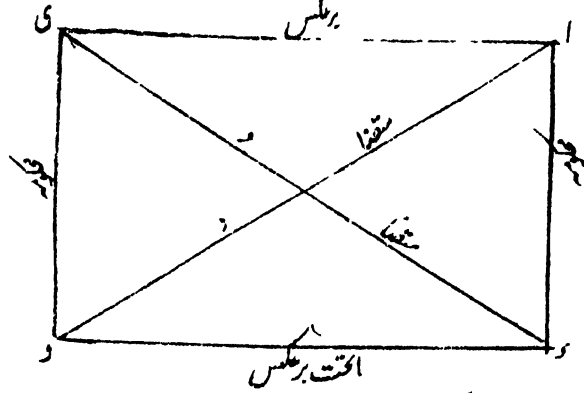
نقشہ ذیل سے نتائج حقیقی معلوم ہو سکتے ہیں:۔

	ا	ی	ء	و
اگر الف صحیح ہے تو	صحیح	غلط	صحیح	غلط
اگر ی صحیح ہے تو	غلط	صحیح	غلط	صحیح
اگر ء صحیح ہے تو	مشکوک	غلط	صحیح	مشکوک
اگر و صحیح ہے تو	غلط	مشکوک	مشکوک	صحیح

اسی طرح برعکس نتائج بھی معلوم کئے جا سکتے ہیں

اس تمام تصریح کی بنیاد ارسطو کے مبدا اقوال پر ہے۔

(الف) جب ایک اُس کل کا اقرار کرے جسکے جزو کا دوسرا (حملہ) انکار کرتا ہے۔

تو (الف اور و) دستیاب ہوئے ہیں۔

(ب) جب ایک اُس کل کا انکار کرے جسکے جزو کا دوسرا (حملہ) انکار کرتا ہے تو (ی اور ع) دستیاب ہوتے ہیں ان دونوں صورتوں میں کوئی تیسرا امکان ناممکن ہے ایک لازمی طور پر صادق دوسرا کاذب ہوگا۔

(ج) جب ایک حملہ اُس کل کا اقرار کرتا ہے جس کل کا انکار دوسرا حملہ کرتا ہے تو (الف اور ی) ملتے ہیں ایسی صورت میں دونوں کاذب ہو سکتے ہیں۔

(د) جب ایک حملہ اُس جزو کا اصرار کرتا ہے جس جزو کا انکار دوسرا حملہ کرتا ہے تو (ع اور و) دستیاب ہوتے ہیں اور اختلاف محض سرسری ہے۔

طالب الہ آبادی

تخیل احمرین

غم آفریں ہے نگاہِ خفا کی بے سببی
کہ شرمسار وفا ہے مری جفا طلبی

وہ کیا دبائیں گے دشمن کی سرکشی آخر
جب اُن سے اپنی جوانی دبائے سے نہ دبی

وہاں کہاں ارنی گوئے طور جا پہونچا
جہاں ہے جنبش لب انتہائے بے ادبی

جمال حور و جلال ملَک تھا معلوم
تمہارے حسن کی دیکھی ہے پینے بوالعجبی

خدا کرے رہے سکرِ شباب مینا گوں
پلا دو اپنے لبوں سے نشہ دہِ عنبی

کتاب عشق میں تھا لفظ العطش موہوم
ترے لبوں نے سکھایا مذاق تشنہ لبی

جنوں میں سوز محبت کی وہ لپٹ نہ رہی
غبار دامن وحشت سے دل کی آگ دبی

غرور ناز و تفخر سے گریز ہے احمرؔ
ہمیں ہے ننگ شرافت شعار بولہبی

احمر سیمابی اکبر آبادی

عرضِ طاؤس

"طاؤسہ" گل خانۂ فطرت کی سحر نگار ملکہ اکھلے ہوئے بادلوں میں اپنی یمنی عذار چمکاتی ہوئی ایک شاداب روش پر محوِ خرام ہے "نگار خانۂ ازکا"، "نقش رنگیں" طاؤس اسکی فطری رنگینیوں کے مشاہدہ سے مست ہو کر والہانہ رقص کرتا ہوا بے تابانہ اس کے پاس آتا ہے، وہ ایک وارفتہ ادائی سے پوچھتی ہے تو کون ؟ طاؤس اپنے رقص گلنار سے فردوس بنا ہوا، اور ایک پر شباب سینے کی طرح متانت آمیز پندار سے جھومتا ہوا اپنی آنکھوں سے ستی کے چند آنسو بکھیر کر اپنی نغمہ پیرا صدائے صد رنگ میں جواب دیتا ہے

(۱)

آرائشِ گلزار ہوں ۔ افزائشِ اسرار ہوں ۔
زیبائشِ تیار ہوں آسائشِ بیدار ہوں
پیدائشِ انوار ہوں پیمائشِ گلبار ہوں
گنجائشِ خمار ہوں اک خواہشِ پردار ہوں

میں مور ہوں اے مورنی

(۲)

اک پیکرِ صد رنگ ہوں خوش فام خوش آہنگ ہوں
گل خانۂ از رنگ ہوں گلدستۂ نیرنگ ہوں
بقرِ شرابِ دنگ ہوں سلطان گل و رنگ ہوں
رازِ شرار دسنگ ہوں پھولوں کی اک فرہنگ ہوں

میں مور ہوں اے مورنی

(۳)

میں ہوں بہ ایں حسن جواں تیرا ہی اک عکس رواں
تو رنگ و بوئے گلستاں میں تیری تصویر جاں
تو غنچۂ گلشن نشاں میں ایک رنگیں داستاں
میں طائرِ باغ جناں تو حور ہے اے روح جاں

میں مور ہوں اے مورنی

(۴)

چالیں بہار انگیز ہیں نغمے نہایت تیز ہیں
جذبے جنوں آمیز ہیں سب رنگ جنت بیز ہیں
پر افسر پر ریز ہیں پلکیں ہند رنگ آمیز ہیں
آنکھیں مری لبریز ہیں آنسو کو آب جنینہ ہیں

میں مور ہوں اے مورنی

(۵)

موسم کا ترسایا ہوا ۔ بادل سے گھبرایا ہوا
مستی سے تنگ آیا ہوا ہستی سے شرمایا ہوا
بوندوں سے برسایا ہوا گو نجا ہوا چھایا ہوا
گلشن میں اٹھلایا ہوا پھرتا ہوں اترایا ہوا

میں مور ہوں اے مورنی

(۶)

او باطن افسردہ چمن یہ مسکن و غنچہ و طن
گلگون و شبنم پیرہن نشتر جبیں نسرین بدن
شمع ہزاراں انجمن ، مہر آسریں خاور فگن
با صد اداشو نغمہ زن لیکن نظر بر رقص من

میں مور ہوں اے مورنی

—— (۷) ——

قابو نہ جب دل پہ رہے　　رکھ لینا اُن کو سامنے

آنسو مرے جذبات کے　　نظروں میں اپنی باندھ کے　　طاؤس ہر ہر اشک سے　　نکلینگے یہ کہتے ہوئے

جب یاد آ جاؤں تجھے　　کہنا کہ "آمورا" مرے　　میں ہو رہوں اے مولنی

ساغر نظامی

*

ہندوستان کے چند مشاہیر اُدبا کے اقوال

(۱)

ہندوستان میں (مغربی ممالک کے خلاف) صرف وہ ہی مقاصد ساحلِ انجام تک پہونچتے ہیں جنہیں انفرادی کوششوں کی کشتی میسر آجاتی ہے مگر ایک کشتی میں جب مختلف کشتیبان ہوتے ہیں تو اختلافِ رائے کا طوفان عظیم کبھی صراطِ مستقیم کی طرف رہنما نہیں ہوتا۔

انسان زمانۂ کمسنی اور عہدِ شباب میں کبھی اپنی تنقید کی طرف متوجہ نہیں ہوتا یہانتک کہ دفعتاً بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اور قویٰ میں کہولت اور کمزوری نمایاں ہو جاتی ہے۔ وہ اب اپنی منازل عمر کی مسافت کا اندازہ کرتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جب زندگی بیدار ہوتی ہے۔

(علامہ سیماب اکبر آبادی)

(۲)

لوگ ماضی کی تعریف کرتے ہیں، اور حال کو بُرا کہتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ "تمام ماضی جمع ہو کر ایک نقطے پر آگیا ہے" جو حال ہے۔ کمزور اپنے وجود کو خدا کی ذات میں فنا کر دیتے ہیں، طاقتور اسے اپنے اندر تلاش کرتے ہیں۔

صدیوں سے مشرقی دل و دماغ اس خیال میں مستغرق رہے ہیں کہ "خدا کا وجود ہے یا نہیں"؟ میں ایک نیا سوال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی ایسا سوال جو مشرق کے لئے نیا ہے، کہ "انسان کا بھی وجود ہے یا نہیں"؟

صرف وہ شخص جو اپنے وجود کی اہمیت جانتا ہو ایثار کر سکتا ہے۔

(ڈاکٹر اقبال)

(۳)

مچھلی پانی میں خاموش ہے، جانور زمین پر غل مچا رہے ہیں چڑیاں ہوا میں گا رہی ہیں اور انسان کی ہستی میں سمندر کی خاموشی، زمین کا شور اور ہوا کا راگ پنہاں ہے۔

زندگی موسم گرما کی طرح حسین سہی، موت بھی خزاں کے پتوں سے کم خوبصورت نہیں ہے

ہر نیا بچہ اپنے ساتھ یہ پیغام لاتا ہے کہ خدا ہنوز اپنی مخلوق سے بددل نہیں ہے۔

(سر رابندر ناتھ ٹیگور)

دِل کی تاریخ

(۱)

اسلام آباد کی وہ جنت لیلہ "کشت زارِ فانوس" جشن ہلیل کی وہ سبع ایام چہل پہل، قلیم ہندہی مرنہیں دنیائے اسلام میں اپنا عدیل ونظیر آپ ہی ہے۔ آفتاب کے ۳۶۵ طلوع وغروب کے بعد اولین ربیع میں "نذرِ گلشن" کی وہ سہانی راتیں، جبکہ موسم سرما کی پہلی چادر، ڈھلی ہوئی چاندنی کی شکل میں کائنات پر تان دی جاتی ہے اور منو خانۂ رنگ و بار میں برسات گذر جانے پر بھی، ہنوز آثار سبز باقی رہتے ہیں، اسقدر اثرات فرح وفلاں اپنے ساتھ لاتی ہیں کہ اطراف ہند کے علاوہ، حجاز، شام، بخارا، افغانستان اور دوسری دور دراز مملکتوں کے باشندے ایک والہانہ جوش اور ایک گریزپا اشتیاق کے ساتھ اسلام آباد میں جمع ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

ان سات راتوں میں نذرِ گلشن کی زیب و زینت، مشرقی نفاست اور ہندی معاشرت کا ایک مکمل نمونہ ہوتی ہے، ایوانِ حکومت کا طمطراق جشنہائے مغلیہ کی یاد تازہ کرتا ہے، اطراف خیابان میں روشنی کے درخت، روشنی کے فوارے، روشنی کی دیواریں، نیز روشن فرش، روشن سقف، روشن ستون، روشن لباس، روشن ہوزیں، غرضکہ چپہ چپہ ہزار ہزار تجلیات کا حامل اور گوشہ گوشہ الف الف گلزار ابراہیم کا ناقل ہوتا ہے۔

سب سے بالاترین "قصر الامیر" کی قمقمہ طرازیاں جہان کی روشنی کی نہریں بہتی ہیں۔ ستاروں کی تعداد کے برابر قندیلیں روشن رہتی ہیں، مجمرات سیمین میں عود وعنبر کی نکہت بیزی، سیمیں شمعدانوں میں کافوری شمعوں کی عطر انگیزی، نقرئی گردانوں میں بخورات کی مست بوئی، طلائی گلدانوں میں فطری اور صنعتی پھولوں کی قطرآلود رنگینیاں، نظر فریب ضیائی چرخیاں صحن قصر کی گنجائشوں میں ان تمام چیزوں کی تنظیم اس قدر خوبصورتی سے کی جاتی ہے کہ چشم نظارہ پاش تماشا کرتے کرتے خود تماشا بن جاتی ہے۔

جشن کی نمبری رات کا آخری پہر لیلۃ القدر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ شب معراج کا ایک حصہ ہوتا ہے، جس وقت کہ ایک سو ایک فائر شاہی توپ خانہ سے سر کیے جاتے ہیں، اس نعرہ کے ساتھ کہ اسوقت، اس رات، اس گھڑی کونین کے مصلح اعظم نے غنچہ زار امکان میں قدم رکھا تھا، ایک طرف سے افق مشرقی طمانیت وتسکین کو اجالوں کی صورت میں خلائے بسیط کے آغوش میں دیدیتی ہے۔ دوسری طرف چاند کی ہلکی ہلکی موجوں میں ایک ساکن قلزم نورانیت لہریں لیتا ہوتا ہے۔ اور دونوں کے زیر سایہ باغ کے چراغوں کی مختلف الالوان کیفیت "عکس ریز تجلیات" واقع ہوتی ہے۔

ہر لمحہ ہزار دو ہزار مرد، عورت، بوڑھے بچے، مختلف الاقوام، مختلف الاجسام، مختلف اللباس، غروب آفتاب کے بعد سے رات کے ایک دو بجے تک باغ کی روشوں پر چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، ٹہلتے دوڑتے، ہنستے بولتے نظر آتے ہیں

جشن شریف کی چوتھی رات کو جبکہ باغ کی آراستہ شبستان کو جنگ تقابل کا پیغام پہنچا رہی تھی میں ایک دوست کے ساتھ لذت خرام میں شریک تھا۔ وہ دوست جو ہمیشہ ادوار حیات میں نقطہ کی طرح میری ذات کا مرکز تھا، وہ دوست جس نے ظلمات آلام میں "مہر کرم" بن کر ہمیشہ غم کی تاریکیوں کو چھانٹ دیا تھا۔ وہ دوست جو قید و بند حضر میں جسوقت کہ میں عندلیب قفس تھا میرے لئے مژدہ ہائے فردوس بھیجا کرتا تھا، وہ دوست جس نے غریب الوطنی کی دور دراز مایوسیوں میں میرے طول امل کی رسیوں کو حبل متین کی طرح تھام رکھا تھا ہم دونوں تیتریوں کے ترنم کی طرح سنہری روشوں پر سنجیدگی سے باتیں کرتے ہوئے اسوقت تک پھرتے رہے کہ رات اپنے پورے ایک تہائی حصہ کو چاندنی کے فرش پر پہلی کروٹ بدل وا چکی تھی، اور قریب تھا کہ خنکی شب ناگوار معلوم ہونے لگے، ہم گنجان تختوں میں گوہل کے پھولوں کے سایہ میں کوئی صحیح فسانہ تلاش کرتے ہوئے جو عمیم السلیلا کی جگہ شرد نما سے ہوس میں نظر آجاتا ہے، ایک صاف روش پر جس کا دور روشنی کی ٹٹیوں سے خالی تھا ایک امرود کے درخت کے زیر سایہ چند ساعات کے لئے آرام کی خاطر بیٹھ گئے۔ اور میں نے کہا،

دیکھتے ہو یاور یہ میرے دوست کا نام ہے، رسمیات کی پابندی ہمارے یہاں کس شد و مد کے ساتھ لازم ہے، گویا یہ بھی ایک مذہبی فرض ہے۔

یاور۔ اور بہ سے دور زمانے کے ہر دور میں مسلمات مذہب پر اس قسم کی غیر ضروری بدعتیں تیار کی گئیں ہیں۔ جنکا سدباب نہ کبھی ہوا، نہ اب ہوگا۔ مجھے بعض اوقات حیرت ہوتی ہے، جب میں سوچنے لگتا ہوں کہ خیر القرون کا ایک فرد بھی اس زمانہ میں قبر سے نکل کر مسلمیت کے ماحول پر ایک سرسری نظر ڈالے تو وہ زمانۂ جاہلیت کو اسپر ترجیح دیگا،

میں ـــ خیر یہ رسم تو ایک بڑی حد تک بجا ہے، اسلئے میرے خیال میں امی طبقہ ذات مبارک علیہ السلام کو صرف اسی رسم سے جانتا پہچانتا ہے۔ میں نے "عروس ہند" میں دو برس گزارے ہیں، ایام صیام کی حالت کہ دن بھر دار الطعام اور بیت المدام کھلے رہتے ہیں اور کوئی مومن فرد مشک و عنبر کی خوشبو سے اپنے دہن کو آلودہ کرنا نہیں چاہتا۔ اس سے بھی گئی گذری ہے، اور محرم کی تو نوں کا ذکر تو فضول ہی ہے بس شبانہ روز تمام محلات میں واعظین کے دنگل، ناکارہ اختلافات پر معرکتہ الآرا تقریریں، عجب طوفان اختلاف اور تلاطم تفرق ہوتا ہے،

یاور۔ اب ان امور کو تو تحت الثرائے متروکات میں ڈالدو، اور تم اپنے ان حالات کو دہراؤ جنکا عنوان "حورانہ حسن کی مادی روحیں" ہے

میں۔ (نیم خندہ) تمھیں اس دیار عریاں کی دلچسپیاں کیوں پسند ہیں، اس کا ذہنیت سے کوئی لطف نازکیوں مرغوب ہیں۔ جس نے میری زندگی مجھ سے چھین لی تھی، یاور! اب یہ فسانہ فرسودگی کی وادیوں میں جا پڑا ہے، بار بار اس کے اوراق الٹنے کی حاجت نہیں میں تمھاری دلچسپی سے ایک تفریح پیدا کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میرے دوست تمھارے دل کی گہرائیوں میں کوئی راز تڑپ رہا ہے۔ فرصت غیر میسرہ نے اب تک اجازت نہ دی کہ تم سے کچھ پوچھ سکتا، کیا اسوقت دلجمعی کے ساتھ

بیان کروگے۔؟

یاور کے دل کی حرکتیں تیز ہوگئیں، اُس نے نظریں جھکالیں میں نے پھر کہا، کچھ کہہ ڈالو کیا تمھارے نزدیک دنیا میں کوئی اور ہستی بھی ہے جسکے سامنے واردات دلی سے پردہ ہٹا سکو۔

یاور۔ کوئی نہیں نظیرالحسین، لیکن جب کبھی میں نے ارادہ کیا، دیکھا کہ ایک مبہم ہاتھ فضا میں سے نکلا، اور میرے لبوں کو دبالیا، ایک زبردست قوت میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اپنی عشقی زندگی کی پردہ کشائی سے باز رکھتی ہے،

میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ میری تمام قوتیں سماعت کے سانچوں میں ڈھل گئیں، اُف یاور کو میں ایک قرن سے جانتا تھا ہماری آشنائی کی حدود کلیۃً بارہ سال سے ملی ہوئی تھیں،

میں جانتا تھا ــــ کہ یہ ہستی ایک " ارغنون عشرت" ہے "جب کبھی چھیڑدو" اس میں سے سرور کے نغمے نکلتے ہیں۔

میں نہیں جانتا تھا ــ کہ تارہائے مسرت کے ساتھ کوئی تار حسرت بھی ہے جس سے غمگین زمزمے نکل سکتے ہیں۔

میں جانتا تھا ــــ کہ یاور کا حسین مجسمہ شقائق زار حیات میں ایک لالہ ہے۔ مگر بے داغ، میں نہیں جانتا تھا ــ کہ یہ پھول شگفتہ ہونے سے پہلے زنقلب کو ضائع کرچکا ہے۔

مجھے معلوم تھا ــ کہ میرے دوست کی جوانی حیات تنعم کی مسرور وادیوں سے گذر رہی ہے، مجھے معلوم نہ تھا ــ کہ تعیش کی جمنا کے ساتھ درد کی گنگا بھی بہتی ہے۔

میں یاور کو ایک "سرور قاموس" کہتا تھا اور خبر نہ تھی وہ جوئے محبت کے کنارے اندوہ کی دلدل میں گڑا ہوا ہے۔ میں اسکی پیشانی کو صرف اسلئے پسند کرتا تھا کہ معروضات نیاز کے وقت اس پر مصنوعی بل پڑجاتے تھے، مجھے خبر نہ تھی کہ کسی آستانہ ناز پر یہ سجدہ ریز بھی ہوئی ہوگی۔ میں جب اسکے چہرے پر نظر ڈالتا تو محسوس ہوتا تھا کہ اس کی آنکھوں سے تبسم کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں، مجھے یہ احساس تک نہ تھا ــــ کہ یہ روزنِ زمزم گریہ ہیں۔

میں اسکے رخسار کو گلاب تازہ رس کی دو پتیاں تو سمجھتا تھا۔ مگر یہ نہیں سمجھتا تھا کہ راتوں کے آخری حصہ میں کبھی کبھی شبنم رشک سے یہ بھیگے بھی ہوں گے۔

بالآخر میں نے اپنا دستِ شوق یاور کے جراب پوش پاؤں پر رکھدیا اور میرے لئے اسکے سامنے اظہار عجز کا یہ ایک مخصوص طریقہ تھا کہ اسکے بعد میرے ملتمسات کو حد قبول تک پہنچا ہوا دہ واجب سمجھتا تھا، اگرچہ بعض وقت میرا دل مچلتا تھا کہ اس کے قدموں پر سجدے نثار کردوں لیکن اُس نے مجھے اسکا موقع کبھی نہ دیا تھا۔ میں نے کہا، یاور مجھے افسوس ہوگا اگر آج کی نشست میں تمنے راز کو حل نہ کردیا۔

یاور (قدم سمیٹ کر) اچھا میں کہتا ہوں، اسکے چہرہ پر میں نے آج پہلی مرتبہ یاس کی بھیانک جھلک چاندنی کے دھندلکے میں دیکھی وہ بے تکلف ہنسنا چاہتا تھا مگر نہ ہنس سکا اور اس نے کہنا شروع کیا جبکہ میری کائنات حواس بالکل خموش تھی۔

نظیر الحسین! مثلاً ۱۳۳۸ھ ہجری کا زمانہ یاد ہے، اپنے رفتار خیال کو آج سے سات برس قبل لے جاؤ ۱۳۳۸ھ
یہ دو سال ہے جب میرے معصوم جذبات نے عالم طفلی سے نکل کر شگوفہ زار شباب میں قدم رکھا تھا، عمر کا چودھواں سال
زندگی کا ایک ایسا غیر جانب دار علاقہ ہے جس سے بچپن کی فوجیں کوچ کر جاتی ہیں اور جوانی کا لشکر حملہ کے انتظار میں استقبال
کی چوٹی پر کھڑا رہتا ہے۔ شوخی و شرارت پر متانت و سنجیدگی کی چادریں چڑھ جاتی ہیں، اور تمکین و وقار میں شوخی و شرارت کا
رنگ جھلکتا ہے۔ عشق و محبت کے افسانے اس سے پہلے بارہا میرے کان میں پڑے تھے لیکن اب میں ان کو سمجھنا چاہتا
تھا، ایک مبہم دلچسپی کے ساتھ،

ایسی حالت میں کہ شباب کے آنیوالے طوفان سے دل کے سمندر میں ایک ہلکا سا تموج شروع ہو گیا تھا،
مطلع جذبات میں کچھ بجلیوں کی سی تڑپ پیدا ہو گئی تھی، اپنے ایک واجب التعظیم عزیز کی رسم عروسی میں شریک ہونے کیلئے
مجھے اسلام آباد سے سفر کرنا پڑا، اور ہم اس دور دراز خطۂ ملک میں پہنچے، جہاں کا سفر ریل کے اجراء سے قبل چھ مہینے میں
کیا جاتا تھا۔ وہ ایک شہر ہے جس کی فضاؤں سے فرشتے جنت الماویٰ کے لئے آرام چرا کر لے جاتے ہیں۔ کوثر کی ملاحت
اسکی ایک معمولی ندی کی نقل، ہے اس کی روشن راتوں سے حوران بہشتی کی عبادت کے لئے مادہ جمع کیا جاتا ہے اور
اسکی صبح شام چمن کی راتوں کے لئے چاندنی کا مژدہ لیکر آتی ہے، غرضکہ مشرق و مغرب کے تمدن کا عطر اور یورپ و ایشیا کی شوکت
کا ایک کامل نمونہ اگر کوئی دیکھنا چاہے، تو وہ شہر ہے جسکی وسعت و درازی کا تقابل کلکتہ اور بمبئی کو بھی شرماتا ہے۔

صاحب خانہ جنکے ہم مہمان ہوئے "محلۃ الجلال" میں اپنی سر بفلک کشیدہ کوٹھی کے ساتھ ایک ممتاز مکین تھے،
اور بیمارستان حیات میں شعبۂ جسمانیات سے ان کا دائمی تعلق تھا، .... یاور کہتے کہتے خاموش ہو گیا
میں نے کہا پھر؟ اس نے بخار تنفس کو ایک دبی ہوئی آہ کے ساتھ نکال کر اپنے سینہ کو ہلکا کیا۔ اور بیان کرنا
شروع کیا،

اپنی جماعت میں ایک کمسن بچہ" جس کو کہا جاتا تھا صرف میں تھا، میں بے تکلف محل میں چلا جاتا تھا اور صاحب خانہ کی چھوٹی
چھوٹی لڑکیوں سے جنمیں سے ایک میری ہمعمر تھی، باتیں کرتا، کھیلتا۔ ہنستا اور لامتناہی دلچسپیوں میں وقت گزارتا تھا،

میں ۔ یاور تمھاری اُس ہمعمرہ کا نام کیا تھا۔

یاور ۔ اُس کا خصوصی نام تو سائرہ تھا مگر سب اُسے صباحہ کہتے تھے ۔

میں (ہنسکر) کیا خوب اور حسین بھی تھی ؟

یاور (متبسم حقارت) حسین ! ایسی حسین کہ کسی مغربی فسانہ نویس شاعر کی تخیل اُسکے حسن کی حد کمال تک پرواز
نہیں کر سکتی لیکن نظیر الحسین اس میں ایک عیب تھا، یعنی اُس کی عنبری آنکھوں کے نیچے دونوں رخساروں پر دو سیاہ
دھبے نظر آیا کرتے تھے۔ میں اُس سے سرگرم تکلم ہوتا۔ اُسکے سراپا کو غائر نگاہوں سے دیکھا کرتا اگرچہ میرے دلمیں

ابتداءً کوئی خاص جذبہ نہ تھا، مگر وہ ...... سیاہ داغ مجھے کھٹکتے تھے، اور دل میں کہا کرتا تھا، کاش یہ داغ اس طرح رخساروں پر نہ ہوتے۔

ایک دن ایسے وقت میں کہ تمازت آفتاب سے بچنے کے لئے نمیدہ خس خانوں میں آرام کر رہی تھی، دوسرا پہر ڈھلنے والا تھا محل میں نیم سکون طاری تھا، میں تمام کمروں کو دیکھتا ہوا دبے پاؤں خوابگاہ کے ایک کمرہ میں چلا گیا، اور دروازہ پر قدم رکھتے ہی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا، آہ ---- وہ حورِ ارضی کالے بالوں میں لپٹی ہوئی عالم خواب کی مسکراہٹ کو نوش آفریں لب سکھا رہی تھی مسہری کی متصلہ میز پر چند کاغذ بکھرے پڑے تھے، گویا کوئی جنتی حور، عشقیات ملکی پر فسانہ لکھتے لکھتے سو گئی ہے یا کرۂ مریخ کی کوئی شاعرہ عالم خیال میں شعر تلاشی کر رہی ہے، اور دانستہ آنکھیں بند کر رکھی ہیں، اُس وقت ساری اس کے جسم پر نہ تھی، چاہتا تھا کہ لوٹ جاؤں اچانک اس نے آنکھیں کھولدیں، میں حیران رہ گیا کہ عالتِ نوم میں اس کے رخساروں پر کوئی داغ نہ تھا، اور آنکھ کھلتے ہی وہ دونوں داغ نمایاں ہو گئے ---- بہت تیزی سے اس نے ملبوس کو درست کیا اور ایک توبہ شکن انگڑائی لیکر اس نے کہا آئیے!

تم خیال کرو، میں اُس وقت چودہ[۱۴] برس کا ایک جذبۂ معصوم تھا، کوئی خیال نہ کیا، ڈرتا ہوا اس کے پاس چلا گیا، اور بالکل قریب ہو کر اس کے چہرہ پر نظریں جما دیں، مسکرا کر اس نے کہا،

یاور صاحب ---- آپ میرے داغ ہائے رخسار کے متعلق پریشان ہیں، میں اکثر آپ کی پُر غور نظریں خاموشی کے ساتھ اپنے چہرہ پر لوٹتی ہوئی محسوس کرتی ہوں، اچھا اب تو ملاحظہ کیجئے، اس نے آنکھیں بند کر لیں، وہ دونوں داغ پھر غائب تھے، ایک لمحہ کے بعد اس نے پھر آنکھیں کھولدیں وہ داغ پھر نمایاں تھے، آہ ---- نہ پوچھو نظیر الحسین میری کمسنی کی پہلی حیرت تھی جب میرے سمجھ میں آیا کہ داغ کوئی نہ تھا بلکہ اس کی سیاہ آنکھوں کا عکس اس کے آئینہ رخسار پر پڑتا تھا۔

اس نے قہقہہ کی نمائش کو میری طفلانہ حیرت پر بکھیر دیا، اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا، یاور صاحب! آپ مجھے بہت پسند ہیں، فرمائیے تو آپ کی تعلیمی گنجائشیں کس حد معلوم تک پہنچی ہیں،

میں - میں تو ابھی علوم آلیہ سے فارغ ہو کر عربی کی ابتدائی کتابیں ہی دیکھ رہا ہوں،

مصباحہ - تاہم میں نے اندازہ کیا ہے آپ معلومات کی وسعتوں میں بہت کچھ جو اہر ریزے رکھتے ہیں، اور علوم آلیہ سے فرصت بھی کچھ کم نہیں،

میں ---- جی نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ادبی کتابوں کا مطالعہ بہت زائد کیا ہے،

مصباحہ (میز سے کاغذات اٹھا کر) میں انگریزی سے ایک فسانہ کا ترجمہ کر رہی ہوں، فسانہ نگار کہتا ہے، اصل فسانہ عبرانی زبان میں تھا، اس نے اسے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، مجھے بہت پسند تھا، دل چاہا کہ اردو میں لے آؤں، آپ

ملاحظہ فرمائیے اُس نے کاغذات میرے ہاتھ میں دیدیئے، میں نے بے خیالی سے چند ورق اُلٹ دیئے۔ ایک جگہ لکھا تھا،

(۱) زمانہ کا امتداد ہر زخم رسیدہ دل کے لئے بجائے خود ایک مرہم ہے،

(۲) محبت میں دل کی رقیبت لازمی ہے، اگر وصل میسر نہ بھی ہو تو احساسِ درد ہی ایک عظیم الشان غایت ہے،

(۳) عمر کے دراز بنانے کی بہترین ترکیب یہ ہے، کہ کسی سے محبت کر کے دفورِ اشتیاق کے ساتھ ایک شب وعدہ کے انتظار میں بیٹھ جاؤ اس لئے کہ انتظار کی ہر ہر ساعت ازل سے ابد تک کی طولانی رکھتی ہے،

(۴) حسن کی بے نیازی اسوقت تک قایم رہتی ہے، جب تک کہ عشق وادیٔ نیاز سے واپس نہیں ہوتا، ورنہ عشق کی صداقت کونین کی جلوہ سازیوں کو ایک نظر بھی نہیں دیکھتی،

(۵) سرخ گلاب میں جس صبح کو خوشبو نہ رہے۔ سمجھ لیجئے کہ آج آفتاب مشرق سے طلوع ہوگا، اور خونِ عشاق میں بوئے وفا نہ رہی،

(۶) اگر اس عالمِ حدوث کے خدا ایک سے زائد ہوں، تو ہم مان لیں گے کہ محبت ایک سے زائد مرتبہ کی جا سکتی ہے، جو دل دوسرے شخص سے دوسری مرتبہ دعوائے محبت کرے سمجھ لیجئے کہ ہوس کے دائرہ میں گردش کر رہا ہے،

پھر میں نے فسانہ کے آخری حصہ پر نظر ڈالی لکھا تھا۔

میں اختتام پر پہنچتا ہوں اپنی حیاتِ فردوسی کے اس واقعہ کو اس تنہا ستارہ کی یاد میں،

جو سب سے آخر میں رات کی گنہگار تاریکیوں کو اپنے ساتھ لیکر آسمان کی نیلگوں خلوت میں سو جاتا ہے،

میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ مصباحہ بانداز وارفتہ اپنی نظروں سے میرے سراپا کا طواف کر رہی ہے میرے دیکھ لینے سے وہ شرما گئی، میں نے کہا، آپ نے پردہ پوشی کی بہترین سبیل نکالی ہے، نہ یہ فسانہ عبرانی زبان میں تھا، نہ انگریزی سے آپ نے ترجمہ کیا ہے، یہ خالص ہندی جذبات ہیں، اور آپ کی دماغی کاوش کا بہترین نتیجہ،

مصباحہ — (بے اختیار ہنس کر اس طرح کہ وہ اپنی کھسیانی حالت کو نہ چھپا سکی) یاور صاحب! آپ کی دقیقہ شناس طبیعت معاذ اللہ مجھے برباد نہ کردے، آپ پہلے شخص ہیں، جس کے سامنے میں اعترافِ راز پر مجبور ہوئی ہوں۔

اس کے بعد مختلف قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر میں چلا آیا،

میں نے سمجھا زندگی کا یہ پہلا دن تھا کہ میرے سینہ میں سرور کا ایک آسمان گردش کر رہا تھا، جس میں نامعلوم اور غیر محدود تمناؤں کے ستارے جھلک رہے تھے، بہ تقاضائے عمر میں واقف نہ تھا کہ حالتِ اضطراب میں دردِ دل کی کروٹیں کس طرح بدلی جاتی ہیں، نہ کوئی تجربہ تھا کہ تال کا ریتیمانیاں میرے دکھ دھڑکنوں میں مبتلا کر دیتیں، اتنا ضرور ہوا کہ خواہ مخواہ میں چاہتا تھا، ہماری صحبتوں کی معصومیاں گھر والوں کی بزرگ نظروں سے برباد جلوت نہ ہو جائیں، اور اکثر مواقع تنہائی ڈھونڈھتا رہتا تھا،

ہر چند کے عقائد کا تقدس مانع تھا، لیکن مصباحہ کے خوش کرنے کے لئے میں نے ایک ماہر عکسیات سے اپنی ایک کاغذی مثال بنوائی تھی جس کی ایک کاپی تمہارے پاس بھی ہے، اور ایک مصباحہ کے طاقِ خلوت میں اپنے نقوش خاموش سے اب تک گذشتہ زمانہ کی یاد تازہ کر رہی ہے،

اس کے جواب میں اس نے مجھے ایک نفیس دست مال عنایت کیا تھا، جسپر کڑھا ہوا تھا،

[illegible]

آہ نظیر الحسین! — یوم مسرت، ساعتِ بہجت، کسقدر سریع السیر ہے، تقریبًا تیس دن، اور تیس راتیں اس ترنم خانۂ لطافت کی ملکہ کی معیت میں بسر ہوئے، زندگی ایک زندگی تھی، مجھے بداہۃً محسوس ہو رہا تھا کہ میرے جسم میں ایک ایسی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے جو اس سے پہلے نہ تھی، دل کیا چیز ہے؟ احساس درد کسے کہتے ہیں؟ آغاز محبت کسقدر شیریں ہوتا ہے؟ یہ تمام باتیں بیک وقت مجھے معلوم ہو گئی تھیں،

میں جب جاتا، مصباحہ کو اپنا منتظر پاتا۔ اگر اوقاتِ ملاقات میں کوئی خاص محلِ گفتگو متعین نہ ہوتا، تو میں اس کے لباس پر ہی تبصرہ کیا کرتا،

ایک روز اس کی ساری کے کنارے ہاتھ میں لے کر میں ضد کرنے لگا، اور پوچھا مصباحہ تم اس کے نیچے کیا پہنتی ہو

وہ غریب کچھ فطری شرم سے سمٹنے لگی۔

میں زیرِ لب مسکرایا تو یاور نے کہا، نظیر الحسین مجھے افسوس ہوگا، اگر تم قیاس کر لوگے کہ ۱۴ برس کی عمر میں ہی میرے محسوسات غیر پاکیزہ ہو گئے تھے، سطح ارض پر تم ہی میرے واحد دوست ہو اور تم ہی پہلے شخص ہو جس کے سامنے میں اپنی زندگی کے ایک عظیم الشان راز سے پردہ اٹھا رہا ہوں، اگر تم ہنسو گے تو میں ایک لفظ بھی نہ کہونگا،

میں — نہیں یاور میری ہنسی کا یہ منشا نہیں، لیکن فطرتًا ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا دائرۂ لمسیات میں کبھی لب شوق جھکا اس کا گذر ہوا تھا؟

یاور — نہیں ہرگز نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا، البتہ ایک دن میرے سر میں سخت درد تھا گویا بلائے محبت کا نزول اعلیٰ سے اسفل کی طرف ہوتا ہے، کیونکہ اس کے بعد ہی علاماتِ کرب میرے دل میں پیدا ہو گئیں، میں نے مصباحہ سے بیان کیا، اس وقت وہ دار المطالعہ میں تھی، اس نے میرے سودا زدہ سر کو اپنی گود میں رکھ لیا، اس وقت سے میں سمجھا ہوں کہ اگر حسن آغازِ تعلق میں نمائش پذیر نہ ہو تو عشق کی عجز آگینیاں ایک قدم بھی صراطِ شوق میں نہیں چل سکتیں۔ مصباحہ نے اپنی اچھوتی انگلیاں جو خدائی گنہ گاریوں سے ہنوز پاک تھیں، میری پیشانی پر رکھدیں اور آہستہ

آہستہ دبانا شروع کیا، اور ایک بہت ہلکا تیل جس سے وہ خود اپنے بال سنوارتی تھی، نصف گھنٹہ تک میرے سر میں ملتی رہی، تم جانتے ہو دوران سر میرا ایک دائمی مرض ہے، لیکن باللہ العظیم معلوم ہوتا تھا آلات ہیں لگا کر درد کو جذب کر لیا گیا ہے اور میں تھوڑی دیر کے بعد ایک شکریہ مسرور پیش کرتا ہوا اُٹھ بیٹھا،

ضعیف الاعتقادی دنیا کی نصف آبادی کا خمیرہ ہے، خواہ تم ہنسو، لیکن میں ضرور کہونگا کہ اس شہر میں ایک بیت المعبود ہے نہایت عظیم الاساس، جس کے نام کی اہمیت بیت عتیق کے ماحول کو یاد دلاتی ہے، ہندوستان کی مشہور عمارتوں میں اس کا بھی شمار ہے، اس کے صحن میں تطہیر سے ملحق چار مربع مرمریں نشستگاہیں بنی ہوئی ہیں، جن میں پانچویں نشست ایک مربع حجر اسود کی ہے، اس کو متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اُس سنگ سیاہ کے چبوترہ پر ایک مرتبہ بیٹھ لیتا ہے اُس حریم مقدس کی زیارت سے دوبارہ ضرور مشرف ہوتا ہے، اپنے زمانہ قیام میں ہر روز میں وہاں جاتا تھا، فرش مربع پر لوٹتا تھا، پیشانی رگڑتا تھا، اور دعا میں مانگتا کہ خدا پھر بھی مجھے اس دیار محبوب میں لائے ——— مگر آہ اُسوقت تک یہ تمنا حریم استجابت سے کوسوں دور ہے،

آخر وہ زندگی سوز ساعت آگئی، جس سے ہر راہرو راہِ محبت کو ایک مرتبہ ضرور دو چار ہونا پڑتا ہے، ایام عروسی ختم ہو گئے اور برات وداع کر دی گئی، میں چار بجے سے ہی مصباحہ سے رخصت ہو لیا تھا، اس نے کرب انگیز لہجہ میں بھیگی ہوئی آنکھوں سے باندازِ ترحم مجھ سے خط لکھنے کا وعدہ لیا اور میں نے تمامتر قوت اعتماد سے اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے اقرار کو "عہد مسؤل" کے مرتبہ پر پہونچا دیا۔

رات کے آٹھ بجے ہماری جمعیت اسٹیشن پر پہونچی، ٹرین کے روانہ ہونے میں نصف گھنٹہ تھا، شہر سے ایک خاصی تعداد میزبانوں کی ہماری مشایعت کے لئے آئی تھی، نظیر اپنی سماعت کو دریائے تحیر میں غوطہ دیکر نکال لو، اور اور پھر سنو ——— کہ مصباحہ کو میں نے اس کے ایک عزیز کے ساتھ مردانہ لباس میں اسٹیشن پر دیکھا اس نے باقاعدہ مردانہ وضع بنا رکھی تھی، اس کے سر پر جعد عنبریں کے بجائے ترکی ٹوپی کا طرہ لہریں لے رہا تھا، ایک چست شیروانی زیب جسم تھی اور وہ بے ساختہ مردانہ لہجہ میں باتیں کر رہی تھی،

میرے قریب آکر اس نے کہا، السلام علیکم مسٹر یاور، اور ساتھ ہی چاروں طرف سے ایک پر زور قہقہہ بلند ہوا مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میرا دل ایک زبردست شکنجہ میں جکڑ دیا گیا ہے، لیکن اپنی خبط الحواسی کو چھپانے کے لئے میں بھی ہنس رہا تھا، بغیر سمجھے ہوئے کہ اشخاص حاضرہ کیوں ہنس رہے ہیں اس حیرت بار منظر کو میزبانوں میں سے ایک نے اسطرح ختم کیا۔

مولانا یاور صاحب! معاف فرمایئے اس دوران مہمانی میں کما ینبغی ہم غلاموں سے حق تواضع ادا نہ ہو سکا، اور امین صاحب نے (مصباحہ کی طرف اشارہ کر کے) آپ کے ساتھ ایسا ظلم کیا ہے کہ اس کی تلافی اس دنیا میں

ناممکن ہے، آپ اس ظریف لڑکے کو اب تک لڑکی سمجھے ہوئے تھے اور تبدیل صورت صرف ایک عمیق تمسخر تھا، جیسا کہ محل عروسیت میں فریقین میں ہوا کرتا ہے، آپ ایک شکست خوردہ ہستی لیکر جا رہے ہیں اور ہمارا تمسخر کامیاب لطف۔ ہاں امین صاحب قابل صد ہزار آفریں ہیں، کہ آخر تک اس کو احسن طرائق سے نباہ سکے۔

نظیر، تم کس طرح اندازہ کر سکتے ہو اسوقت کی حالت مجوب کا، اُدھر کی جماعت قہقہہ برسا رہی تھی اور ہماری جماعت کے افراد نے نگاہوں کو زمین سے چسپاں کر دیا تھا۔ میری حالت ایسی تھی اگر زمین پھٹ جاتی تو اسمیں سما جاتا، جی نہیں چاہتا تھا کہ مصباحہ کو امین یقین کروں، اور شرمندگی کی لہریں ہر موئے تن سے بہہ رہی تہیں،

میں ہمت کرکے آگے بڑھا، امین کے ہاتھ کو مضبوط پکڑ کے میں نے کہا، مصباحہ خاتون، آپ امین صاحب ہی کیوں نہوں، لیکن میں اپنے پندارِ لطیف کو باطل کرنا نہیں چاہتا، آپ آمین کہلائیں لیکن یہ اخلاق و خیانت اس پاکیزہ صورت پر کسی طرح نہیں بہاتی،

امین نے بہت آہستہ سے میرے ہاتھ کو دبایا، وہ شرمندہ سا تھا مجھے الہام کی طرح محسوس ہوا کہ آنسو اس کی آنکھوں کے آخری پردہ کے پیچھے پر جمائے ہوئے تھے، اور یہ فوج سرشک کسی ادنیٰ اشارہ کی منتظر تھی، اس نے میری بات کا ایک ریشخند کے سوائے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے ساتھ والے بے تکرار ہنس رہے تھے، اسٹیشن کا گھنٹہ بجا گاڑی کے محافظ طریق نے سبز روشنی کو چکر دیا، اور ہماری جماعت ٹرین میں داخل ہوگئی، ایک گھنٹہ کے بعد میں اس دیارِ معہود سے کوسوں مسافت پر تھا،

اسلام آباد پہونچے ہوئے مجھے ایک مہینہ گزرا تھا، کہ ایک دن کی ڈاک سے یہ خط ملا،

منشاء حیات!

میری ہمیشہ ہنسنے والی آنکھیں آسمان کے چمکتے تاروں کو اسوقت آدھی رات میں جس طرح ایک معصوم سلام قطرات اشک کی صورت میں پہنچا رہی ہیں ایک ایسا ہی سلام قبول کیجئے۔

ایک مہینہ کی پوشیدہ مساعی کے بعد، ایک ذریعہ پیدا ہوا ہے جس کی مدد سے سلسلہ رسل و رسائل تا دیر قائم رکھ سکونگی، جس روز سے آپ تشریف لے گئے ہیں، لیل و نہار کی ساعتیں ماتمی ہوگئی ہیں اور دوران سر لاحق ہوگیا ہے، گویا یہ دردِ سر آپ کی یادگار رہ گیا ہے، رخصت کے وقت ایک فریب عظیم میں آپ کو مبتلا کیا گیا میں مجبور تھی، مجھے معلوم نہیں آپ مجھ سے خفا ہیں، یا خوش ہیں، یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ اثراتِ معیت بھی آپ میں باقی ہیں یا نہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے، اور اس نیازنامہ کا جواب دیجئے پھر میں حقیقتِ حال بالکلیہ آپ سے بیان کر دوں گی۔

سوختہ قسمت مصباحہ

خط پڑھ کر پوری قوت سے درد دل کی رگیں کھل گئیں، کتابِ ماضی کے ابواب و فصول ایک ایک کر کے سامنے آگئے، مصباحہ جس کو میں بالیقین امین سمجھے ہوئے تھا، پھر مصباحہ تھی، میں نے سوچا خدایا یہ کیسا قضیہ ہے، کیا تکمیل مذاق میں کوئی نقص رہ گیا ہے؟ تین چار دن تک میں اسی الجھن میں رہا کہ جواب لکھوں یا نہ لکھوں بالآخر ایک نئی معلومات کے اشتیاق میں حسب ذیل خط لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا، بغیر کسی لفظ تخاطب کے۔

"میں کسی سے ناراض نہیں رہتا، ہاں یہ یقینی اور نفس الامری واقعہ ہے کہ میرا دل دکھایا گیا، پھول دکھا کر مجھے آزردہ نگہت کیا گیا۔ کوئی شریف سوسائٹی مہمانوں کے ساتھ ایسا مذاق پسند نہ کرے گی۔ آپ مصباحہ خاتون ہوں تو میں آپ کے لئے معلم محبت ہوں اور اگر آپ امین صاحب ہوں تو میری ذات مرکزِ دوستی ہو سکتی ہے ——— ؟"

میں ہوں فریب خوردۂ رنگِ بہار **یاور**!

حبیبی نظیر! یہ عین وہ زمانہ تھا، جبکہ تم تین ساڑھے تین سال کے بعد اسلام آباد آئے تھے اور تمہاری آمد کو ہفتہ عشرہ ہی گزرا تھا، ایک عجیب بات یہ تھی کہ تمہاری رفتار و گفتار اور شکل و ہیبت آمین کی صورت سے زمانہ دراز کی محجوبیت نے ہمارے درمیان قدرے حجاب پیدا کر دیا تھا۔ ورنہ اس داستان کو میرا خیال ہوتا تھا اسی وقت تم سے کہدوں۔ اس کے بعد جو مکتوب مجھے ملا اس کو پڑھ کر میرا زندہ رہنا شاید اس مصلحت پر مبنی تھا، کہ میری ذات سے دوسری ہستیاں وابستہ تھیں، آب دام کے علاوہ مثلاً تم، لیکن آہ —— میں کسقدر سخت جان ہوں کہ اب تک جی رہا ہوں،

(یاور نے جیب سے دستی رومال نکال کر آنکھوں پر رکھ لیا، میں دانستہ خاموش رہا اور اس نے پھر کہنا شروع کیا،)

خط میں لکھا تھا: یاور! ہماری پاکیزہ حرکات و سکنات پر اہل خانہ نواں کی جاسوس نگاہیں لگی ہوئی تھیں، اور ہم غافل تھے جس دن عصر کو تم رخصت ہو کر چلے گئے، بھائی جان آئے وہ بہت غضب ناک تھے، انہوں نے اپنے سامنے میرے سر کے بال ترشوا ڈالے میں حیران تھی، خاموش تھی، اور تھر تھرا رہی تھی۔ مجھ سے لباس تبدیل کرنے کے لئے کہا گیا تاکہ میں تمہارے سامنے مذاق کے طور پر پیش کی جاؤں، آہ —— میں نے تمسخرِ محبت پسند نہ کیا تو چند بیتوں سے میری نوازش کی گئی حتی کہ مجھے تیار ہونا پڑا۔ اور نہایت خاموشی کے ساتھ میں نے ڈرامے کے اس پارٹ کو انجام دیا، اس وقت میں نے اپنی حالت کو تمہیں سمجھانا چاہا تھا لیکن تم نہ سمجھ سکے۔ اب خدا سے امید ہے کہ کسی طرح ان رسمی بندشوں سے مجھے مطلق العنان کر دے، میں ہمیشہ راتوں کو جاگ جاگ کر تمہیں خط لکھتی ہوں، کیونکہ میرے قلم کی جنبش غیر محفوظ ہے اور گرد و گرد تجسسات کا جال پھیلا ہوا ہے،

کامل ایک سال تک شاہراہ مکاتب پر ہم دونوں کا توسن قلم دوڑتا رہا باوجود بعد المشرقین کے دل کے اسقدر قرب حاصل ہو گیا تھا میں دیکھتا تھا صبح کی ڈاک سے جو کچھ لکھ کر میں نے ڈاک میں ڈالا اسے شام کی ڈاک سے وہی بات مصباحہ مجھے لکھ رہی ہے اگر اس بدیع التحریر ادیبہ کے مکاتب باقی رہتے تو میں تمہیں نفسیات محبت پر عجیب عجیب نکات بتاتا، لیکن ابوالمعانی کے سرقہ کے بعد احتیاط نے مجھے مجبور کیا کہ ان سب کو نذر آتش کر دوں۔

میری راتوں کی بیداری تعلیم سے بے توجہی خفیہ خطوط کی آمد و رفت آخر کب تک چھپی ہوئی رہتی، میرے اُنہیں عزیزوں نے جن کی معیت عروسی میں میری زندگی میں انقلاب ہوا تھا، اس راز کو تاڑ لیا اور انہوں نے میری بیکسی کو اِن الفاظ میں رسوا کیا، کہ یاور شہر معہود فی الذہن میں کسی لڑکی یعنی خط و کتابت رکھتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے یہ اخلاقی دائرہ سے نکل گیا ہے، اور ساتھ ہی مساحہ کا آخری خط پہونچا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ اُس معلوم قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ڈال دی گئی ہے جس سے یہ عورت کو اس دنیا میں رشتہ مذہبًا۔ عرفًا گریز نہیں۔

اب تم دیکھتے ہو کہ میں ہمہ وقت خرم و شادان رہتا ہوں، لیکن یہ سطحی حالت ہے، میرے سینہ میں کرب و درد کا ایک غیر منتہی مزمن مواج ہے میری دنیائے وجود میں ایک دل پیدا ہو گیا ہے۔ نادان شعرا کہا کرتے ہیں معشوق دل چھین لیتا ہے، والتہ غلط ہے، معشوق دل دیا کرتا ہے، وہ دل کو دل بنا دیتا ہے۔ ایک ایسا دل جو رحم و انصاف، سوز و ساز، اور تمام اخلاقی خوبیوں کا مخزن ہوتا ہے۔ یا ایک ایسا عرش مقدس جس پر خدائی محبت حکمرانی کرتا ہے، دنیا کی تمامتر لطافتیں باوجود شاعر نہونے کے اسوقت میں تو سمجھتا ہوں میرے قبضہ میں ہیں، مواقع مسرت و سرور سے میری ظاہری حالت لطف اندوز ہوتی ہے، اور جب کوئی درد انگیز منظر، کرب انگیز شعر، تنہا انجام افسانہ میرے سامنے آتا ہے تو میری باطنی حالت بے پایاں روحانی عبرتوں میں تسکرات ملکی اور عروج عرشی کی حامل ہوتی ہے۔

سمائے دنیا کی کوکبی زنبقیں منظر جمالیات بنی ہوئی تھیں، چاند کے عمیق نظاروں میں بھی روشنی کی کرنیں پہنچ گئی تھیں اور رات کے بارہ بجے تھے جبوقت یاور نے اپنے افسانہ محبت کے نقاب سے آخری بند کو توڑا،

کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ تمہاری زندگی کے اس تنہا واقعہ کو بصورت افسانہ ملک کے کسی رفیع رسالہ میں پیش کر دوں؟

میں نے یاور سے کہا،

کبھی نہیں، اور اگر تم ایسا کرو گے تو رازدارانہ اخلاق کی سرحد سے عبور کر جاؤ گے۔ اور میں اس لطیف تعلق کی بلندیوں سے تمہیں گرا دونگا، یاور نے جواب دیا،

میں — کچھ پرواہ نہیں، مجھے اپنی قوت قلب پر کامل اعتماد ہے، میں تمہیں روٹھا ہوا دیکھنا پسند کرونگا، اور چند دن کیلئے ہوگا،

یاور — اچھا سمجھا جائے گا۔

ایک مدت کے بعد جبوقت یاور کا افسانہ "ہدایات شباب" کے عنوان سے شائع ہو کر آیا تو اس نے پرچے کو پھینکدیا، اور جب میں بروش محجوب اسکے سامنے گیا تو اس نے دُور ہی سے نظریں پھیر لیں۔ (باقی)

حبیب فضائی سیمابی۔

سراب

تھا تموّجِ حسن کا قلزم گرِ جوشِ شباب (۱) جس میں لہریں تھیں اداؤں کی نہایت کامیاب
ایک چشمہ تھا لبِ لعلیں سے جنت آفریں دو سمندر دونوں آنکھوں سے رواں تھے بیحجاب
موجِ گیسو لغزشِ موجِ صبا کا تھی فریب اور تھی پروازِ کاکل ماہیٔ پیکر بر آب
اس طرح بن کر بگڑ جاتے ہیں حلقے زلف کے جیسے پانی پر ابھر کر پھوٹ جاتے ہوں حباب
آہ کافوری وہ "ساری" وہ ہوا ساحل گداز شام کا وہ سرد منظر وہ وداعِ آفتاب

ناگہاں اک تیر آیا دور سے چھوٹا ہوا (۲) نذر بڑھ کر کر دیا سینے بھی دل لوٹا ہوا
ہوگئی بالکل یہی حالت مرے جذبات کی جیسے کوئی کارواں ہو دشت میں لوٹا ہوا
ایک دل پہلو میں تھا لیکن مصیبت آشنا ایک سینہ پاس تھا میرے مگر کوٹا ہوا
میں یہ سمجھا حسن نے کھائی نگاہوں سے شکست میں یہ سمجھا فلسفہ تاثیر کا جھوٹا ہوا
اپنی نظروں سے کہا لے آؤ پھانسے حسن کے رہ نہ جائے آنکھ میں چھالا کوئی پھوٹا ہوا

تیز رو ہوکر نگاہیں رہروِ منزل ہوئیں (۳) سرفرازِ شرکتِ نظارۂ ساحل ہوئیں
حیرت افزائے تاثر تھا تماشائے فریب اب وہ شانیں حسن کی پہچاننی مشکل ہوئیں
زلف تھی لیکن ہلالِ گوش میں الجھی ہوئی غیر مست آنکھیں جو صد ہیبت فزائے دل ہوئیں
ہونٹھ رنگ آلود تھے دو چار خم کھائے ہوئے ناگہاں کتنی بلائیں ذوق پر نازل ہوئیں
جس کو میں سمجھا تھا ساری اک لفافہ تھا کثیف میری نظریں خود مری توہین پر مائل ہوئیں

اب میں سمجھا سایۂ حائل کا یہ اعجاز تھا (۴) سحرِ منظر چشمِ ظاہر پر جمال افراز تھا
اب میں سمجھا یہ فریبِ وقت تھا دیوانہ گر شام کی رنگینیوں میں صبح کا انداز تھا
اب میں سمجھا موجِ دریا نغمہ ریزِ حسن تھی مجھ کو اک سوزِ مجسّم پر گمانِ ساز تھا
اب میں سمجھا مائلِ نظرت تھی پروازِ نظر خود مرا ذوقِ تماشہ صاعقہ پرواز تھا
اب میں سمجھا تھا فقط دھوکہ ہی دھوکہ حسن کا دور کی ہر چیز میں جذبِ کشش کا راز تھا

ما ز بے رنگی زنیرنگِ شباب آموختیم
ما ز ہر جلوہ ہمیں درسِ سراب آموختیم

ساغر نظامی

پروفیسر محمدؐ اکبر خاں حیدری

پروفیسر محمد اکبر خاں حیدری ۳۱ اگست ۱۸۹۲ء کو بمقام انبالہ پیدا ہوئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجو مستقل قیام دہلی پنجابیت ان کی سرشت میں مندرج نظر آتی ہے آپ کے والد پروفیسر محمد میاں خانصاحب حیدری اُردو فارسی پشتو عربی کے مستند معلم ہیں اکبر نے ابتدائی تعلیم مشن اسکول انبالہ اور ہندو محمڈن ہائی اسکول انبالہ میں پائی۔ مگر تکمیل تعلیم متداولہ اپنے والد ہی کے ذریعہ ہوئی ہے۔ آپ کا خاندان انبالہ میں نہایت معزز اور ذی علم مانا جاتا ہے۔

آپ ۱۹۱۳ء میں بورڈ آف اگزامینرس کلکتہ کے امتحانِ معلمی میں بڑی خصوصیت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ اور ۱۹۱۴ء میں بصیغۂ ملازمت دہلی کا قیام اختیار کیا

۱۹۱۷ء میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف (دی منشی) ”انگریزی جماعت کے سامنے پیش ہوئی ماہرین فن کا خیال ہے کہ ”دی منشی“ سے بہتر جامع اور مکمل کتاب آجتک کوئی ایسی نہ لکھی گئی۔ جو اردو صرف نحو اور زبان کی تعلیم کے لئے نووارد انگریز افسروں کو مفید ہو سکے یہ کتاب انگریز افسروں کے نصاب تعلیم میں اور سرکاری مدارس کے مختلف امتحانوں کے نصاب میں بہ حکم سرکار داخل کی گئی ہے اور اب تک تیس ہزار کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی تالیف حقیقتاً اُردو کی خدمت ہے۔ یعنی اس کے مطالعہ سے ہر نووارد انگریز دو تین مہینے میں نہایت اچھی اُردو بول لیتا ہے۔

۱۹۱۹ء میں اسی سلسلہ کی دوسری تصنیف دی انسٹرکٹر آپ کے قلم سے نکلی اس کی تقریباً دس ہزار جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد اسی سلسلے میں آپ نے چار کتابیں اور لکھیں اور وہ بھی بیحد کامیاب ہوئیں۔

۱۹۲۲ء میں آپ نے ایک انیگلو انڈین ماہوار رسالہ ”ٹیچر“ انگریز افسروں کے درس وتدریس اور دیسی منشی حضرات کی فلاح و بہبود کے لئے جاری کیا۔ جو نہایت مقبول ہوا۔

ان علمی کوششوں کے بعد ۱۹۲۳ء میں آپ کو شاعری کی طرف توجہ ہوئی۔ جسے آج صرف ۲ سال کا زمانہ ہوا ہے اسی زمانہ میں آپ نے کئی کتابیں بھی لکھ ڈالیں جو بے حد دلچسپی کے ساتھ پذیرا ہوئی۔

آپ کا دیوان ”پیغمبر جذبات“ تیار ہے۔ جس کی تمام ردیفیں جدت وندرت کے پہلو لئے ہوئے ہیں حکیم الطاف احمد صاحب آزاد انصاری سہارنپوری سے فن شاعری میں آپ نے استفادہ کیا ہے

دہلی کے اکثر رسائل و اخبار آپ کے مضامین سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں پہلے آپ تکبیر کے ایک رہبر تھے اور اب "اردوئے معلّی" کے مدیر خصوصی ہیں۔

کسقدر خوش نصیب اور مبارک ہے وہ شخص جس کی زندگی اوائل عمر ہی سے علمی و عملی ہو جائے اور جس کے قابل ذکر مشاغلِ حیات اس قدر ہوں کہ ایک سوانح نگار کو حشو و زوائد کی ضرورت ہی نہ پڑے تکمیل تعلیم کے بعد فوراً ہی آپ نے میدانِ عمل میں قدم رکھ دیا۔ اور قبولیت و شہرت نے آپکے لئے اپنی آغوش کھولدی جسطرح شاعری میں آپ کا انداز کلام ایک مخصوص معیار اور ممتاز بلندی لئے ہوئے ہوتا ہے اسی طرح فسانہ نویسی میں بھی آپ ایک خاص طرز کے موجد ہیں۔ "ظریفات" ہیں آپ کا ذہن نہایت آزاد اور طبیعت نہایت با مذاق ہے۔ "نماز" آپ ہی کا ادبی نام ہے جو اکثر اخبارات میں نظر نواز ہوتا ہے۔

آپ سگار بکثرت پیتے ہیں پان بہت کھاتے ہیں۔ "اکبر منزل" میں اگر کوئی شاعر پہونچ جاتا ہے تو اُسے اتنی غزلیں سناتے ہیں کہ وہ بیچارہ پھر کبھی اُدھر کا رُخ نہیں کرتا — بے نیاد اور بے خانماں، مسافر اور گم کردہ شاعروں کے لئے "اکبر منزل" دہلی میں سب سے بڑی جائے پناہ ہے۔ جس کی مسکر دعریان تصویریں بڑے بڑے سرکش ایڈیٹروں کو "شائع کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ آپ صاحب جائداد بھی اور صاحب اولاد بھی۔ باوجود ان تمام اوصاف کے انکسار و عدم خودداری آپ کے جوہر خاص ہے۔ اور آپ علم و اہل علم کی خدمات اپنا فرضِ حیات تصور کرتے ہیں۔

اس وقت میرے سامنے پروفیسر اکبر حیدری کی اتنی کتابیں رکھی ہوئی ہیں

(۱) منشی (۲) انٹرکٹر۔ (۳) منتخبات فوجی اخبار۔ (۴) کلید منشی (۵) حیدر ہزار ورڈ الفبیٹ (۶) اندرتہ ایڈوانسڈ اکبر ساہٹریز (۷) عبرت کدہ (۸) مرقع عبرت (۹) رقاصہ (۱۰) الحنیب العطرفین۔ (۱۱) سیر خرابات پہلی ۶ کتابیں انگریزوں کی تعلیم کے لئے بے حد مفید ہیں، مگر ہندوستانی بھی اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان کتابوں کی ظاہری زیب زینت، نفیس جلد بندی، حسین تقطیع، پروفیسر اکبر کی اعلیٰ مذاقی اور پاکیزگی طبع کا ثبوت بین ہے۔

باقی (۵) کتابیں فسانے ہیں جن پر وقتاً فوقتاً پیمانہ میں تبصرہ ہوتا رہا ہے یا ہوتا رہے گا۔

میں آپ کو اسوقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اکبر کا درجہ دنیا کے شاعروں میں کیا ہے۔

اور وہ تین سال کی مختصر اور قلیل مدت میں اپنے بعض معاصرین سے کسقدر آگے نکل گئے ہیں۔ وہ شعر کہتے ہیں بناتے نہیں ہیں، ان کے اشعار میں آمد آورد سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جدت و ندرت سے اُن کا کلام بہت مرتفع ہو جاتا ہے۔ وہ بعض اوقات اپنے اُستاد کے رنگ میں ایسے ڈوب جاتے ہیں

کہ اُن کے اور مولانا آزاد انصاری کے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جب سے آزاد صاحب حیدر آباد تشریف لے گئے ہیں۔ مسٹر اکبر حیدری کو اپنا کلام دکھانے کا موقع غالباً مطلق نہیں ملا۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ مطلق اصلاح و ترمیم نہیں۔ پروفیسر اکبر اب نظمیں بھی کہتے ہیں اور اگر اُن کا شوق اور انداز فکر یہی رہا تو وہ بہت جلد ہندوستان کے ایک مشہور شاعر .... ایک نامور مصنف، اور ایک باثر فسانہ نویس ہو جائینگے جن کے ادبی کارنامے موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے قابلِ فخر و عزت سمجھے جائینگے۔ اور جن کی ذات دہلی کو اس شرمناک اعتراض سے محفوظ رکھے گی کہ وہاں اب کوئی ادیب نہیں ہے۔

آپ کا کلام پیمانہ نیرنگ اور میں ہمایوں میں اردوے معلی میں اور قوم میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ مگر صرف اس خیال سے کہ شاید بعض جدید ناظرین پیمانہ نے آپ کا کلام نہ دیکھا ہو۔ ہم یہاں کچھ نشتر۔ نشترکدہ اکبری سے چنتے ہیں۔ اس نمبر میں آپ اُن کی ایک نہایت کامیاب غزل کسی صفحہ پر ملاحظہ فرمادیں گے۔

الله دارے چشم جاناں اے فریب ارتباط
اپنے سایہ سے رمیدہ ہوں بہ ضبط احتیاط

چند قطرے ہیں لہو کے دیدۂ خوں بار میں
کاہش غم ہیں یہ یا گریۂ جوش نشاط

چشم جاناں کو "فریب ارتباط" سے تعبیر کرنا انتہائے ندرت تخیل ہے۔ پھر سایہ سے رمیدہ ہونا اور وہ بھی "بہ ضبط احتیاط"۔ ضبط احتیاط کی ترکیب میں جو حقیقی اجتہاد پنہاں ہے خصوصاً "رمیدگی" اور "ضبط" نے جو ربط نفیس پیدا کیا ہے وہ مستغنی از تعریف ہے۔

تیری عنایتیں ہیں کہ دنیا بدل گئی
ورنہ یہی زمین یہی آسمان تھا

فن سالہ فصاحت و بلاغت کے موجد ارسطو کی رائے ہے کہ اگر کوئی شاعر چاہے کہ سامعہ مخاطب کو لذت و سیر و در تعجب و انبساط سے برتر کردے تو اُسے چاہیے کہ منقول اور معنوی الفاظ بکثرت استعمال کرے۔ نعرہ زہ اسمائے اشارہ ہیں جو کبھی تشبیہ سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی ضد سے۔ اس شعر میں پروفیسر اکبر حیدری نے دنیا کے بدل جانے کو "عنایتوں" کا نتیجہ کہکر ارسطو کے اس خیال کی حقیقی مثال دی ہے "دنیا کا بدل جانا" دو معنی سے خالی نہیں یا تو دنیا دار العشرت بن گئی یا دار المحن" اسی طرح "عنایتوں" سے شعر اگر حقیقی مفہوم نہ لیا جائے تو "دنا مہربانیوں" کی توجیہ کنار ذہن ہو جاتی ہے۔ بہرحال یہ شعر الفاظ مغیرہ با التفد سے عجیب و غریب ہو گیا ہے۔

دل آزاد اور تیرے وصل کی خواہش
کیسی توہین ہے محبت کی

میری ناکامیوں کے پردہ میں
بے نیازی ہے میری قسمت کی

میری معصومیوں کے پردہ میں
ایک تصویر ہے محبت کی

وہ ہیں مجبور اور میں بیتاب
اُف ری مجبوریاں محبت کی

نامرادی کا یہ تقاضا ہے
ہمنوائی کروں مشیت کی

ان اشعار میں کوئی شعر بھی ایسا نہیں جس میں معصوم اور دوشیزہ جذبات نہ ہوں، اکبر کے اشعار میں یہ بات خصوصیت سے ہوتی ہے کہ اُنہیں جسقدر گہری نظر سے دیکھئے وہ اُتنے ہی کثیر المعانی اور قوی الاثر نظر آئینگے۔ سرسری نگاہوں سے ایسے اشعار دیکھنا بڑی غلطی ہے۔

ایڈیٹر

نغمہ اور روح

(۱)

صبح ازل پر چھائی ہوئی تھی
بیرنگی تھی بے رنگی تھی
مستی خود تمہید خودی تھی
جذب فضا میں خاموشی تھی
پردے میں مضراب چھپی تھی
نغموں کی اک بھیڑ لگی تھی
نغموں کی اک بھیڑ لگی تھی اقصائے بزم امکاں میں،
پوشیدہ تھا بحر نغمہ موجیں تھیں علم یزداں میں
نغمہ گل تھا خود بلبل تھا
نغمہ مل تھا نغمہ کل تھا
نغموں کی اک بھیڑ لگی تھی،

(۲)

خاک کا پتلا بن کر آیا
اسکو جان بزم بنایا
ناسوتیت کو لرزایا
خوف تحیر روح پہ چھایا
تاریکی سے جی گھبرایا
تاریکی سے جی گھبرایا سورج بن جانے والی کا
بگڑا جھجکا اور شرمایا تیور گھبرانے والی کا
سمٹی مچلی سہمی ٹھٹکی
اٹھی ٹھہری الجھی ٹھہری
تاریکی سے جی گھبرایا

(۳)

اک پتلا مجبور پڑا تھا
صنعت سے بھرپور پڑا تھا
بے حس اور بے نور پڑا تھا
ظلمت سے معمور پڑا تھا
دور تحرک دور پڑا تھا
حسن ازل مستور پڑا تھا
حسن ازل مستور پڑا تھا خاموشی کے پردے ڈالے
حیران انجام کھڑے تھے راز فطرت کے رکھوالے
دل لرزاں تھے کیا ساماں تھے
سب حیراں تھے گم اوساں تھے
حسن ازل مستور پڑا تھا

(۴)

آخر علم فطرت جاگا
نقش سود و قسمت جاگا
دوران محویت جاگا
رنگ بزم کثرت جاگا
منشائے فوقیت جاگا
نغمہ بنکر قسمت جاگا
نغمہ بنکر قسمت جاگا موسیقی نے آنکھیں کھولیں
راز الٰہی کے دوشیزہ تاروں پر مضرابیں لوٹیں

ظلمت چمکی　　قدرت چمکی
حالت چمکی　　فطرت چمکی
نغمہ بن کر قسمت جاگا

(۵)

وہ عہدِ نامحرم گونجا
ہر گوشہ بیش و کم گونجا
خاموشی کا عالم گونجا
نقطۂ قلبِ آدم گونجا
عالمِ بالا پیہم گونجا
گونجا عرشِ اعظم گونجا نغموں کی صوتِ کامل سے
تکمیلِ درسِ خلقت تھی عنوانِ رنگِ محفل سے
پردے سمٹے　　جلوے نکلے
نغمے چمکے　　تارے چھلکے
گونجا عرشِ اعظم گونجا

(۶)

نغمے نے کی روح کی دعوت
روح ہوئی مستِ کیفیت
جھولی باصد جوشِ مسرت
نغمہ تھا معمورِ خلوت
جب دیکھی نغموں کی کثرت
تھی شرم آگیں روح کی فطرت
تھی شرم آگیں روح کی فطرت جلدی کی پردہ کرنے میں
مثلِ نکہت چھپ کر بیٹھی خاکی پتلے کے پردے میں
پتلا اٹھا　　چونکا اٹھا
اٹھا اٹھا　　فتنہ اٹھا
تھی شرم آگیں روح کی فطرت

(۷)

نغموں کو آنکھوں نے کھینچا
عشووں نے غمزوں نے کھینچا
کھچ کھچ کر نظروں نے کھینچا
بڑھ بڑھ کر سانسوں نے کھینچا
چتون نے ہونٹوں نے کھینچا
لاکھوں ارمانوں نے کھینچا
لاکھوں ارمانوں نے کھینچا نغموں کو روح تنہا میں
جاذب کیا جوشِ ہستی نے مستی کو دل کی دنیا میں
روح میں نغمہ　　نرم ہوگا
ہلکا ہلکا　　میٹھا میٹھا
لاکھوں ارمانوں نے کھینچا

(۸)

یہ انسانِ فانی کیا ہے
ترکیبِ روح و نغمہ ہے
روح میں نغمہ بول رہا ہے
نغمہ روحِ دورِ بقا ہے
روح کو نغموں نے گھیرا ہے
نغمہ ہی روحِ دنیا ہے
نغمہ ہی روحِ دنیا ہے نغمہ ہی رازِ ہستی ہے
روحِ رواں ہے نغمۂ ناطق نغمہ ہستی کی مستی ہے
جوہرِ اصلی　　ہے نغمہ ہی
سب کچھ فانی　　نغمہ باقی
نغمہ ہی روحِ دنیا ہے

ساغر نظامی

موُب کی لڑکی

سورج آہستہ آہستہ زمین پر ڈوب رہا تھا "دیکھنا پیاری! وہ ایک آتشیں بال کی طرح نیچے جا رہا ہے" لڑکی کے مرمریں شانے باغ کے خشک تنکوں پر جھکے ہوئے تھے سر اٹھا کر کہا "دیکھنا! دیکھنا!! اے "بنیمی"!!! سورج کس قدر چمک دار ہے۔"

ان کی نظریں گڑ گئیں۔ حسین لڑکی کا چہرہ بیضوی، اور آنکھیں سیاہ موٹی موٹی جادو بھری تھیں، ہونٹوں پر تبسم کے آثار نمایاں تھے۔ اس کا خاوند اس کے قریب خاموش بیٹھا تھا۔ جس کی وضع سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ یہودی ہے اس نے خشک تنکے کو توڑ کر ترنم ریز لہجے میں گانا شروع کیا:۔

"وہ اپنے گھر سے دولہا کی طرح آ رہا تھا۔"

آواز ختم ہو گئی لڑکی نے مسکرا کر کہا "اے مغنی! بہت خوب گائے جا"

میں 'بنی جانمرب' کا لڑکا ہوں۔ اور تو موب کی لڑکی۔ "ملکہ کیا تجھے مجھ سے پاک محبت ہے"

لڑکی نے متبسم ہو کر کہا "تو خوب جانتا ہے ـــــــ ملکہ کی زبان عاجز ہے"

خاوند نے لڑکی کا ہاتھ دبا کر کہا "پیاری! خوش تو ہو نا۔ کہو"؟

لڑکی ہچکچائی اس کے حسین چہرہ پر سایہ پڑنے لگا جیسے اوپر سے بادل گزر رہے ہوں بڑبڑائی "بنیمی کچھ نہ پوچھ طور اچھے نہیں" اس کا خاوند اس کے اور بھی قریب ہو گیا "آپ کا ڈر ایک فضول اور لغو چیز ہے میں آپ کے ہمراہ ہوں کون ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے؟

ابھی یہ لفظ فضائے بسیط میں گونجنے نہ پائے تھے کہ سورج نے دم توڑ دیا۔

"پیارے بنیمی! ہائے خدائے دل!! میرا دل کانپ رہا ہے۔ نظر اٹھا کر ڈوبتے ہوئے سورج پر ڈال اس کی شعاع واپس سے آگ برس رہی ہے وہ ہم سے ناراض معلوم ہوتا ہے۔"

لڑکی جلد جلد سانس لینے لگی ان آنسوؤں کو جو اس کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے ابل پڑے تھے ہاتھوں سے چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

بنیمی نے چلا کر کہا "ملکہ! پیاری ملکہ!! ماجرا کیا ہے؟ آخر یہ غیر معمولی آنسو، بہانا کیا معنی رکھتا ہے؟"

ملکہ کے ہونٹ کو کھینچ کر چوما "خیریت تو ہے نا"؟

لڑکی تیور کر کہا "میری قوم مغرور اور آپ متنفر ہے اور یہی حال تیری قوم میں میرا ہے"۔

لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظریں مغرب کی طرف اس ڈوبتے ہوئے سورج کی جانب تھیں۔

"اے ہنی! میرا دل مغموم اور مکدر ہے"۔ لڑکی چلنے لگی، موآب لڑکی نے جدائی کا فرشتہ دیکھا جب اس نے سنا کہ ہم نے شادی کر لی ہے تو فرشتہ کی نظریں غصہ سے اس ڈوبتے ہوئے سورج کی شعاعوں سے بھی تیز اور تیز تر ہو گئیں۔ "بہتر ہو کہ مجھے چھوڑ دے اور اپنی قوم میں دوبارہ مل جا۔ موآب لڑکی کو بھول جا!" ——

اس نے اپنا رخ اپنے شوہر کی جانب کر دیا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور پھر پلکیں پر نم ہو گئیں جوش محبت سے اس کے جذبات میں ہیجان تھا۔

"ملکہ! بے وقوف ملکہ!! محبت اور ایفا اسی کو کہتے ہیں"۔ ہنی نے نہایت ہی آہستگی کے ساتھ اس پر نظریں ڈالیں۔ ابھی اتنے میں اس کی آنکھوں سے وہ خوفناک چمک گم ہو چکی تھی۔

"موآب کو بھول جاؤں میں! آہ!! پیاری موآب کو ہنی بھول جائے یہ ممکن نہیں ہم تھکے اور درماندہ ہیں آؤ! محبت کے بارے میں بات چیت کریں ہم جوان ہیں زندگی ایک بیلہ ہے اور محبت شیرینی ہے"۔

اس نے اپنی باہیں بڑھائیں لڑکی کی آنکھوں کی وہ خوفناک روشنی قریب قریب گم ہو چکی تھی، لڑکی خاوند کی گود میں اس طرح بڑھی، جیسے پرندہ تنگ آ کر گھونسلے میں آ کر چھپ جاتا ہے اردگرد خاموشی طاری تھی گھمس کی وجہ سے درخت ساکن اور خاموش تھے ایک دن کے خاتمہ پر آسمان میں آگ لگ چکی تھی، لڑکی نے کچھ آگے چل کر اپنے گال خاوند کے شانے پر رکھ دیئے اور انگلی کا اشارہ کر کے بڑبڑائی "دو پیارے دیکھنا! تمام کرہ فلکی پر آگ لگ رہی ہے شاید خدا کے انتقام کا وقت قریب ہے" ——

یوروشلم میں۔ ان نے گھٹنا شروع کر دیا۔ تمام شہر پر خاموشی طاری تھی اسی خاموشی کی طرح جو اکثر آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے ادھر ادھر لوگ جمع تھے ان کے چہروں سے اضطراب برس رہا تھا، اور آنکھوں سے اندرونی ہیجان کا پتہ چلتا تھا۔

ایک لمبی داڑھی والے آدمی نے سکوت کو توڑ کر پوچھا "ایکم کیا سوچ رہے ہو"؟

متفکر لوگ کے اس گروہ میں مل گیا جو مندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ایکم نے سر اٹھا کر جواب دیا "ہاں شہزادہ اور پادری ان غیر ملکی عورتوں کے معاملے جو اسرائیل نے گھروں میں ڈال رکھی ہیں فیصلہ کرنے کے لئے پہنچ گئے ہیں"۔

ایک تیسرا بول اٹھا کہ "واقعی قوم اسرائیل نے برا کیا وہ نیک مرد ہیں"۔

ایکم نے صبر کے ساتھ جواب دیا "کیا ہم اپنی عورتوں کو چھوڑ دیں؟ اُن کی ہتک اور بےعزتی کریں جن کی جگہ ہمارے دل میں ہے۔
"قوم اسرائیل اقبال مند ہو نہیں سکتی۔ جب تک وہ اجنبی عورتوں کو طلاق نہ دے دیں"
ایکم نے متنفر سے ناک بھوں چڑھائی۔
اسی اثنا میں ترہی کی آواز گونجی یہ شام کے نذر و نیاز دینے کا وقت تھا۔ اجتماع نے مذہبی رسومات ادا کرنی شروع کر دیں۔ پادری ارخا نے ایک عجیب اور موثر انداز میں اجنبی عورتوں کے بارے میں واعظ کیا۔ اس کی آنکھیں اقبال مندی کی روشنی سے چمکنے لگیں۔
ارخا کی آواز سے لوگوں کی آواز بھی ہم آہنگ ہو کر گونجنے لگی۔ آخر پادری ارخا اور لوگ خاموش اور ساکن ہو گئے وہاں اس خطرناک سکوت کی طرح جب انسان کی محبت گرجتی ہوئی ابتدائی منزلیں طے کر لیتی ہے پھر انسان ساکت اور صامت ہو جاتا ہے۔"
ایک چوڑا چکلا انسان شہزادہ کے ساتھ تھا اور پادری ارخا کے ہاتھ سے وہ فتوے لے لیا۔ لکھا تھا کہ "قوم اسرائیل اجنبی عورتوں کو جو انہوں نے اپنے گھر میں ڈال رکھی ہیں جلد از جلد اپنے وطن بھیج دیں مبادا کہ کوئی آفت الٰہی نازل ہو۔" شلم اور ایکم اُس گروہ سے موسم خزاں کی ہوا کی طرح بڑبڑاتے ہوئے برہے۔
"نہیں دوست! یہ ہم سے نہیں ہو سکتا" ایکم نے غصہ کے لہجے میں پھر کہا "ہمیں اس نصیحت کی ضرورت نہیں اور نہ اس نیک شخص کا فتوے ہمارے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے۔"
شلم نے آہستگی کے ساتھ جواب دیا "بالکل ٹھیک ہے"
اسی اثنا میں پادری ارخا اُس اجتماع سے اٹھکر "جانداب" کے کمرے میں داخل ہوا۔

چوبیس گھنٹے گزرے ہیں۔ پھر شام کا وقت ہے اسی باغ میں بدستور تاریکی اور خاموشی طاری ہے۔ ملکہ باغ میں داخل ہوئی نہایت ہی بےصبری کے ساتھ پاؤں کھجلانے لگی۔ ہنیی خاموش اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔
"پیارے! "موس" کا لڑکا کہاں کہاں ڈھونڈھ آیا ہے؟" اس نے مجھے نہایت ہی اداس کر رکھا ہے مجھے اس سے تنفر ہے۔ جوش انتقام سے لڑکی نے اپنے پاؤں کو زمین پر مارا اس کا خاوند افسردگی کے ساتھ مسکرایا اور باغ سے گذرنے لگا۔
میرے خیال کا جواب کیوں نہیں دیا؟ کیا واقعی ملکہ سے تنگ آ گئے ہو۔
شاید موب لڑکی کے لئے آپ کے دل میں محبت نہیں رہی پھر اس کے ہونٹوں میں جنبش آئی "آپ جا سکتے ہیں" "ملکہ"

تمہاری مزاحمت نہیں کریں گی۔"

"اف ملکہ تیرے لفظ ایک ایک ورکاٹ دار ہیں تیری پیشگوئی لفظ بہ لفظ سچ ہوئی۔"

لڑکی متحیر ہو گئی۔ "بینی کیا ماجرا ہے؟ جلد کہو معلوم ہوتا ہے آج کا کل ... لایعنی اور فضول چیز نہ تھا۔"

"پادری ارخانہ نے قوم اسرائیل کے اُن لوگوں کو حکم دے دیا ہے جنہوں نے غیر ملکی عورتوں سے شادیاں کر لی ہیں کہ وہ اپنی ان اجنبی عورتوں کو جلد اپنے اپنے ملکوں میں واپس بھیج دیں ورنہ مذہبی رُو سے نہایت ہی کڑی سزا دی جائیگی۔"

اُس نے لڑکی کے لب چومنے کی کوشش کی لڑکی پیچھے ہٹ گئی اس کی آنکھیں تمتمانے لگیں۔ "ملکہ کو چھوڑ دے اور کسی اور یہودی لڑکی سے شادی کر لے۔" اس کی آواز ہکلا گئی "ملکہ چھوڑ دے نہیں ہرگز نہیں۔ موت ہم کو ضرور جدا کر سکتی ہے!

"ہاں!! موت اور فقط موت ——!!!"

بینی۔ "وہ تجھے شہر بدر کر دوں کلیجہ منہ کو آتا ہے"،

"آؤ دھوپ تیز ہو رہی ہے چلیں"۔ "کہاں" "کہیں بھی چلو بھی۔"

وہ تیزی کے ساتھ اس چھوٹے شہر کی انسانی آبادی سے گزرے۔ رات بہت چھا گئی تھی انہوں نے آپس میں بمشکل ایک لفظ بھی بولا ہوگا۔ کبھی کبھی لڑکی مرتعش ہاتھوں کو دبا ضرور دیتی تھی۔ تخیل کی سحر سازی سے ملکہ کو بدقسمتی اور بدانجامی کے مجسمے رقصاں اور لرزاں نظر آنے لگے اور جوں جوں قریب سے قریب تر ہو رہے تھے۔

منزل کڑی تھی پاؤں لہولہان ہو چکے تھے، ملکہ دکھ اور سوزش کی چنداں پروا نہ کرتے ہوئے بڑھ رہی تھی پایاں کار وہ گھنے اور ظلمت آگیں آلی کے درختوں کے نیچے پہنچے۔

لڑکی نے بڑھ کر کہا "پیارے خاوند! اب ہمیں تازہ دم ہونے کے لئے کچھ عرصہ آرام لینا چاہئے۔ بہت کچھ تھکے ماندے ہیں۔"

آہستگی کے ساتھ لڑکی نے اپنی نرم و نازک انگلیوں کی گرفت سے خاوند کو تھام کر بٹھا لیا۔ اور اس کا سر اپنی گود میں لے لیا اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ نیند آنکھوں میں کھیل رہی تھی سانس میں باقاعدگی شروع ہو گئی قدرت نے بچہ کی طرح بے ہوش سُلا دیا۔

لڑکی بے حس و حرکت بیٹھی خیالات کا جال بن رہی تھی، وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔

کبھی کبھی اُلو کی آواز ضرور اس مہیب سکوت کو توڑ دیتی تھی انجم فلک آب و تاب کے ساتھ چمک رہے تھے۔

بینی سوتے میں بڑبڑا رہا تھا، ملکہ نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا "موعب لڑکی کی محبت کے آثار برے ہیں۔ بہرکیف ہم کو موت کے سوا دنیا کی کوئی چیز اور کوئی ہستی جدا نہیں کر سکتی۔ آہ! ——.."

اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو چلی تھی اُٹھ کر سونے والے کا منہ نہایت ہی غور سے دیکھا سانس تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔ اس ارادہ سے کہ گرد ست مار کر زمین پر کہہ دیا۔

معاً اسے خیال آیا کہ میرے جہوسلے میں خنجر موجود ہے، خنجر نکال کر کچھ عرصہ تلتی رہی پھر خاوند کے چہرہ کو پُرشوق نظروں سے دیکھا، اور اپنے لب اس کی طرف بڑھائے ہینی نے کروٹ لیتے ہوئے اسکا نام لیا۔

ملکہ کی سانس رک گئی وہ تختی جس پر خط لکھا تھا، خاوند کے سینہ پر رکھدی۔

خاموشی کے ساتھ رات کی تاریکی میں کہیں گم ہو گئی اور مستقل کر لیا تھا کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود اسی خنجر سے کرے

ہینی سورج کے ساتھ ساتھ جاگ اُٹھا۔ نگاہیں متجسس ملکہ کی متلاشی تھیں۔

آنکھیں ملتے ہوئے کہا "ملکہ کہاں ہوگی؟ شاید قریب کہیں گئی ہوگی۔ ابھی واپس آیا چاہتی ہوگی" اس کی نظر تختی پر پڑی، اُٹھا کر پڑھا لکھا تھا:۔

موسٹ ملکہ کی جانب سے خاوند ہینی کے نام۔

الوداع! میرے الوداع!! آپ کی آنکھیں چشم آہو سے کہیں بڑھ کر تھیں

پاؤں ہرن سے زیادہ سبک، سینہ شیر کی طرح طاقتور تھا

ہشترزوانن، واپس ہو گیا ۔ روشنی نے جو سب سے تاریکی کو چھین لیا ہے۔

فطرت کا تقاضا یہی تھا۔ میرے مقسم ۔ یہ آخری بار ہے۔ اب میں رخصت ہوتی ہوں الوداع!!!"

ہینی کی بیساختہ چیخ نکل گئی اُسکے ہاتھ میں گرتے ہوئے پر جیسا لرزاں تھا۔ تختی ہاتھوں سے گر پڑی ۔ وہ بہت کچھ بڑھ گیا تھا کہ وہ زردی مائل خوبصورت چہرہ نظر آیا۔

اسکی صہبائی و مینائی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں لبوں پر تبسم کے آثار نمایاں تھے خون آلودہ خنجر کے قریب ہینی کے ہوش و حواس کی دنیا میں تاریک تھی۔ یک تر مولیٰ بیہوش ملکہ کے پاؤں کے نزدیک گر پڑا بجلی کے حسن تبسم اور ماہ دل کے شور تخیل سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی اس اندوہناک سانحہ پر سوگوار ہے!!! ــ ــ

ــــــــــــ ٭ ــــــــــــ

اس واقعۂ ہائلہ کے دوسرے دن جب پادری رضا اپنے کمرے میں خاموش بیٹھا تھا ہینی بغیر اطلاع کئے کمرے کے اندر گھس آیا۔

ہینی کا دل دھک دھک کر رہا تھا، بدن میں ارتعاش اور ہاتھ کانپ رہے تھے جیسے ہو نرائل میں جذب ہو گیا ہو اور برگ گل کانپ رہے ہوں، اس کی مخمور اُلفت آنکھیں انتقام کی آگ سے چمک رہی تھیں۔

"اوگناہگار روحانی باپ! پادری رضا! تو سمجھتا ہے کہ یہ فعل پر نازش صد بکار ہے لیکن تجھے معلوم نہیں کہ تو دنیا تیرے اس فعل پر لعنت اور نفرین بھیجے گی۔

اس شہید محبت کا نام ہمیشہ عزت و حرمت سے لیا جائے گا۔

تیری موت کا وقت قریب ہے۔۔۔ ہاں موت کے لئے تیار ہو جا!

یہ خنجر جو ملکہ کو ہلاک کر چکا ہے۔ ستم کوش عنقریب تیرا کام تمام کرنے والا ہے۔ تیار رہ!! "جوشِ انتقام سے بینی کی آواز بلند ہو کر کمرے میں گونج اٹھی تھی، قریب تھا کہ بینی پادری ارغار پر حملے کے لئے کود پڑے دروازہ کھلا پیچھے سے شہزادہ نے بڑھ کر خنجر ہاتھ سے چھین لیا۔

ایک محروم مطلق زندانی کی طرح ایک مجرم مجسم قیدی کی طرح بینی آہنی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

(ماخوذ)

حاجی محمد صادق ایوبی

(ڈیرہ غازیخان)

قطعات میر احدی

(از نثار الملک میر احدی اجمیری)

کالج کے لڑکے

مدارس کے ہوں یا کالج کے لڑکے ۔۔۔ یہ موتی ہیں اے میر سب ایک لڑکے

مجھے آج ان سب نے مدعو کیا ہے ۔۔۔ نہ کیوں داد لوں اپنے شعروں کی لڑکے

حسنِ لیاقت

مغرور اُن کو حسنِ لیاقت نے کر دیا ۔۔۔ مجبور مجھ کو میری جہالت نے کر دیا

اُن کو بنایا اُنکی مساعی نے کامیاب ۔۔۔ مجھ کو شکستہ پا مری غفلت نے کر دیا

شاندار خودکشی

نہ ہو جو وصل میسر تو نام کر جانا ۔۔۔ کسی حسین کی موٹر سے دب کے مر جانا

رجسٹری ترے وعدوں کی ہنسنے کروالی ۔۔۔ سوالِ وصل پہ دیکھیں تو اب مکر جانا

---

۵ سالانہ مشاعرہ، گورنمنٹ کالج اجمیر۔ ماہ دسمبر ۱۹۲۴ء (میر احدی)

اضافے

مرزا غالب کی یہ دو غزلیں "غیر لیں محفل میں بوسے جام کے" اور "جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا" بحر رمل مسدس محذوف و مقصور میں تھیں، مگر مولوی امیر احمد آمیر بدایونی نے ہر مصرع میں ایک ایک رکن صدر بڑھا کر "بحر رمل مثمن" بنا لی۔ اضافہ صدر سے جو وضاحت تفسیری اور وسعت اشعار میں پیدا ہو گئی اُسے "اجتہاد" سمجھئے، لیکن سب سے بڑی بات جس کی داد از راہ کمال دیجا سکتی ہے، یہ ہے کہ اضافے سے مرزا غالب کے کسی شعر کا مفہوم مطلق تبدیل نہیں ہوا، پھر اوکان مضاعف خاص اس رنگ میں رکھے گئے ہیں جس میں مرزا غالب غزل کہتے تھے، مجھے تو یہ چھوٹے چھوٹے اضافے بیحد پسند آئے اور میں تو اس ندرت خیال سے بہت ہی محظوظ ہوا۔

ایڈیٹر

"بے محابا" غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
"وائے قسمت" ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

ریش جور۔ خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
رات دن کے۔ ہتکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے

ہے یہ مطلب۔ خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
کیوں نہ لکھیں۔ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

چپکے چپکے۔ رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
سب کے آگے۔ دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

اب تو بالکل۔ عشق نے غالب نکما کر دیا
اس سے پہلے۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

وہ تو اپنے۔ جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا
بے تکلف۔ کہتے ہیں ہم تم کو منہ دکھلائیں کیا

گریہ پیہم ہے۔ رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ایکدن پھر۔ ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اپنے دل سے۔ لاگ ہو تو اسکو ہم سمجھیں لگاؤ
لاگ دل سے۔ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا؟

گذر ہے گر۔ موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
ڈر کے اب ہم۔ آستان یار سے اُٹھ جائیں کیا

کس ادا سے۔ پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
اب تو اتنا۔ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

آمیر بدایونی

ڈراما

انسان

(سلسلہ کی چوتھی قسط)

اثر:۔ ساغر نظامی (علیگ)

دوسرا دور ——————— ساتواں منظر

ہاروت ۔ بلاؤ، یہ خدائی دربار، ہر طالب خدا کے لئے کھلا ہے۔

[ثخیر جاتا ہے بندرفت نہایت آراستہ لباس میں اپنی تجلیاں چمکاتی ہوئی حاضر ہوتی ہے اور زمین کو چوم کر ادب کے ساتھ ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہے ہاروت وماروت اس کے حسن سے متاثر ہو کر گھبرا جاتے ہیں۔]

ہاروت کیوں اے مجسمہ حسن و رعنائی تو کس ضرورت سے آئی ہے۔

بندرفت ۔ خدا کے مقرب فرشتو! دنیا کو انسانیت کی تعلیم دینے والی روحو! میں جہاں تمہاری تمکین اور زرین شہروں میں تمہاری نگاہوں کی الوہیت اور تمہاری روحانیت کے شوکت آفریں دامنوں میں پناہ چاہتی ہوں، میرا شوہر معصیت کے سمندروں میں ڈوبا جا رہا ہے۔ گناہوں کی وادیوں میں گرا جا رہا ہے اور فسادیت "کا شکار ہو کر مجھے تنگ کئے دیتا ہے۔ مجھے ستاتا ہے اور میری سانس کو ہر لمحہ میں سختی طرز عمل سے بھینچے دیتا ہے بچا لو، بچا لو اے عالم قدس میں سانس لینے والو بچا لو۔

ہاروت ۔ ماروت سے سرگوشی کے بعد اے اہل اجتماع تم جا سکتے ہو، مجھے خلوت میں اس ستم رسیدہ عورت سے کچھ باتیں کرتی ہیں:

[ارباب اجتماع چلے جاتے ہیں ہاروت ماروت
بندرفت کے پاس آ جاتے ہیں]

ہاروت ۔ اے "اشتہ الحسن" اے نمونہ حسن و جمال، تیری مکمل نسائیت ہمیں دھوکے میں ڈالتی ہے، ہم نے حوروں کو دیکھا ہے ان کی سحر آفرین اداؤں سے ہماری آنکھیں آشنا ہیں، سب سے پہلے یہ بتا کہ تو اپنے تجمل اصلاح نسائیت کے لئے ہماری جنت سے تو نہیں آتا ہے؟

بندرفت میں فارس کی رہنے والی ایک غریب عورت ہوں، میرا نام بندرفت ہے اسی زمین پر، اسی آسمان کے نیچے

پیدا ہوئی ہوں، میں حور نہیں ہوں، مظلوم ہوں اور دکھے ہوئے دل کی فریاد اور آنسوؤں کے نوحے سنانے کے لئے آپ کے سامنے آئی ہوں، داد چاہتی ہوں، اپنی بربادی اور بیکسی کی داد چاہتی ہوں۔

ماروت۔ دنیا اس قسم کے ذلیل اور ظالم انسانوں سے ہنوز خالی نہیں ہوئی ہے اے نیک عورت! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تو اپنے شوہر کو چھوڑ کر ہمارے روحانی سایہ میں اپنی حیات جمیل کو سونپ دے:

بندرفت۔ یہ کس طرح ممکن ہے! میری ملت آپ کے مذہب سے بالکل جدا ہے، اختلاف مذہب کے علاوہ میرا شوہر اس درجہ غیور ہے کہ اگر تمہارے تعلقات و التفات کا اسے شبہ بھی ہو گیا تو وہ مجھے آگ میں جلا دے گا اس لئے مجھے نوازش سے مجبور سمجھئے۔

ہاروت۔ آہ۔ اے فرشتوں کو بے چین کر دینے والی انسان عورت، تیری پر شباب خوبصورتی نے ہمارے دلوں کو بے قابو کر دیا ہے، ہماری ملکوتی قوتیں کمزور ہوتی جاتی ہیں اور ہمارا جسم تیرے پیکر حسن و ناز کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے تو ہمیں جذب کئے لیتی ہے، آنکھوں پر ہاتھ رکھکر چلی جا اے رہزن ملکیت چلی جا اور اس سے پہلے کہ ہمارے لرزتے ہوئے ہاتھ تیرے گناہ مجسم پیکر کو بوس کریں ہماری حدود اثر سے باہر ہو جا۔

بندرفت۔ میں تو سنتی تھی کہ یہ ملکوتی دربار انسانوں کے لئے الطاف و انعاف مرعی و کتابت، میں تو اس لئے آئی تھی میری دادخواہانہ گذارشوں کو روحانی نوازشوں سے عزت تکمیل دی جائے گی۔

ماروت۔ دی جائے گی ضرور دیجائیگی۔ مگر سکون قلب کے بعد۔ او حسین ساحرہ، کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ تو ایک انسان کو چھوڑ کر دو فرشتوں کے دل میں اپنی تجلی گاہ قائم کر سکے۔

ہاروت۔ دنیا بھر میں کوئی تیرے سوا نہیں جس کے جمال کا دار ہم پر چل سکے جس کا سحر حسن ہمیں ہلاک کر سکے، اگر تو تدبیر وصل بتا دے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمام آسمانی راحتیں تیرے لئے ہونگی اور تو حور ارضی بن کر دنیا میں خاتم ملکوت کہلائیگی۔

بندرفت۔ تمہاری بے چارگی کا زبردست احساس مجھے مجبور کئے دیتا ہے اگر تمہیں حقیقتاً میری ضرورت ہے تو میں تمہیں سہل ترین راستہ بتاتی ہوں۔

ہاروت۔ ہاں ہاں جلدی بتا، جلدی بتا، اگر فردوس کے پھول، کوثر کی شراب، سلسبیل کی خنک موجیں، آسمان کے تارے کہکشاں کے موتی چاند کی کرنیں ثریا کی کلیاں قوس و قزح کا رنگ، مشتری کی طلعتیں اور زہرہ کی لطافتیں تجھے اپنے حسن کی آرائش اور خوابگاہ کی زیبائش کے لئے درکار ہوں تو کل شام ہونے سے پہلے تیرے لئے مہیا ہو سکتی ہیں۔

بندرفت۔ میں دنیا زادہ ہوں مجھے دنیا میں رہنا ہے اس لئے یہ آسمانی جمیل و عجیب تعلیات آپ ہی کو مبارک رہیں۔

ہاروت۔ تو پھر شرط وصال اور کیا ہے ——————— ؟

بندرفت۔ بہت آسان۔۔ بہت سہل۔۔ نہایت سادہ اور سہل العمل۔

ہاروت۔ اے زہرۂ ارضی! اے ہمہ جمال و سراپا بت! نشتر تاخیر سے ہمارے دلوں کو فگار نہ کر اور ایک لمحہ توقف کئے بغیر وہ تدبیر بتادے جو تجھے دو فرشتوں کی بیتاب روحوں کی "تسلی" بنا سکتی ہے۔

بندرفت۔ سنیئے: پہلے میرے بت کو سجدہ کرکے میرے شریک مذہب ہوجائیے اس کے بعد میرے شوہر کو قتل کردیجئے اور پھر مجھے بشوق زینت آغوش بنا لیجئے۔

ہاروت۔ معاذ اللہ ——— معاذ اللہ ——— شرک! قتل!! (متعجب اور ساکت رہ جاتا ہے)

ماروت۔ گناہ ——— جرم!!

ماروت۔ اپنے اللہ اور قوت پرواز کی قسم، میں کبھی ایسے سیاہ گناہ نہ کرونگا۔

ماروت۔ آہ شرط وصال بہت سخت ہے اور دل کا معاملہ سخت تر۔

بندرفت۔ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو میں جانا چاہتی ہوں۔

(جانا چاہتی ہے)

ہاروت۔ ٹھہر جا ——— ٹھہر جا۔ او صبر آزما بجلی ——— ٹھہر جا۔

بندرفت۔ اب تنہائی میں اپنے فیصلے پر نگاہ ثانی کیجئے میں پھر آؤنگی۔

(بندرفت بجلی کی طرح غائب ہوجاتی ہے ہاروت و ماروت ششدر اور متحیر رہ جاتے ہیں۔)

دوسرا دور ——— آٹھواں منظر

ایک انجیر کے درخت کے نیچے

(خنفا اور سویدہ آتے ہیں خنفا سویدہ کو دھکا دے کر گرا دیتا ہے)

خنفا۔ پاکباز لڑکی تجھے خبر نہیں ہے، عورت دنیا میں صرف ترویج گناہ کے لئے پیدا کی گئی ہے تیری یہ منافرت یہ احتراز یہ اجتناب، فطرت کے خلاف ہے، بتا انجیر کی کلیوں کو رس بخشنے والی بتا اب تو کیا چاہتی ہے ———؟

سویدہ۔ یہی کہ مجھے چھوڑ دو اور اپنے نفس کی عارضی مسرت کے لئے میرے دل کی عصمت کو برباد نہ کرو

خنفا۔ یہ نہیں ہوسکتا سیزہ کی زوج نگارخانۂ دل میں جب حسن کا لباس جمیل اور رعنائی کا حسین جوہر تیرے لئے تیار ہوکر آیا، اسوقت تو نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیوں نہ کردیا۔ او حسن کی لاجواب پتلی جذبات کو جہاں میں لٹنے والی برق ساکن دوشیزہ دنیا میں "حسن" اور "حسین" کا مصرف عظیم و صحیح یہی ہے کہ وہ نفس کی

قربان گاہ پر نذر کر دیئے جائیں۔

سویدہ - نہیں نہیں، یہ مصرف، انسان کا خود ساختہ ہے حسن کی تخلیق کا حقیقی منشا ، یہ ہے کہ اس کی روحانیت سے اکتسابِ الوہیت کیا جائے اور اس کی مجازی کیفیات سے انجذابِ حقیقت، حسن کا مشاہدۂ روح قلب و روح کی لرزتی ہوئی دنیا کے لئے ایک فردوس طمانیت ہے اور عبادت کے لئے نور روز عشرت اس کے بعد نفسانی اغراض میں اسے ملوث کرنا گناہ ہے، یہ وہ اُس تقدیسیت ہے جو خدا کے بزرگ فرشتے دنیا میں لے کر آئے ہیں اور جس کا اعلان وہ سب کے سامنے کر رہے ہیں۔

خفا - (ہنسکر) شاید ابھی کوئی حسین ان کی تقدس آشنا نگاہوں سے نہیں گذرا ورنہ ان کی ملکیت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

سویدہ - سنا ہے وہ تو خود بھی حسین ہیں،

خفا - تو یقین کر کہ دنیا بہت جلد انہیں دعوتِ گناہ دیگی۔

سویدہ - ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد دنیا سے گناہ کا تخلیہ کر دینگے اور دنیا نفسانیت کی گندگی سے نکل کر خدا پرستی کی زندگی بسر کرنے لگے گی،

خفا - دنیا جو کچھ کرے آیندہ جو کچھ ہو مگر اس وقت تو میری آغوش کو خلوت حور بنا دے میری خواہشوں کا کوثر تیرے لہرا دینے مواج کے نظارے سے چھلک رہا ہے جس کا ہر قطرہ یہ چاہتا ہے کہ تیرے شبنمی پیکر نازی کو اپنی آغوش تر میں جذب کرلے اور ان انجیروں کی ارغوانی بھی تو یہی کہتی ہے

سویدہ - ڈرو خفا، ڈرو، اس خدا کے جلال سے ڈرو جو انسان کے ہر فعل اور ہر حرکت کو ہر لمحہ دیکھ رہا ہے اور جس کے قہر و غضب کے طوفان ایک نقطہ عدم پر رکے ہوئے ہیں

خفا - یہ سب اعتبارات ہیں۔ اگر خدا کے قہر و جلال میں اتنے طوفان جمع ہو چکے ہیں تو وہ ایک دن برپا ہو کر رہینگے، اور پھر ہمارا یہ گناہ دنیا کا سب سے پہلا گناہ نہیں ہوگا اگر تو غور کرے اپنی کالی آنکھوں کو دراز پلکوں پر جھکا کر غور کرے تو تجھے معلوم ہو کہ اس انجیر کے پتہ پتہ کے نیچے اک گناہ ہو رہا ہے اور یہ جتنے انجیر تجھے نظر آرہے ہیں نمو اور نم کے امتزاج وصل ہی کا ایک نتیجۂ لذیذ ہیں۔

سویدہ - اب مجھے جانے دو۔ میرا قافلہ بہت دور پہونچ گیا ہوگا۔

خفا - میرے زبردست ہاتھ بہت جلد تجھے منزل مقصود پر پہونچائے دیتے ہیں۔

{ خفا سویدہ پر جبر کرتا ہے اور سویدہ انجیر کے درخت پر دوڑ کر چڑھ جاتی ہے۔ دفعتاً ہاروت ہاروت کا ایک رسول آجاتا ہے۔ }

عارف ۔کون،

خفا ۔کوئی نہیں عارف، یہ میری کنیز ہے صحرائی جانوروں کے خوف سے درخت پر چڑھ گئی ہے۔

سویدہ ۔میں جس صحرائی جانور کے خوف سے اس درخت پر پناہ گزیں ہوں وہ یہی ہے، عارف جو تمہارے سامنے کھڑا ہوا بدمستی میں ہجوم رہا ہے

خفا ۔نہیں وہ تو اب یہاں نہیں ہے

عارف ۔میں سمجھ گیا۔میں نے سُن لیا، بدذات انسان، تبلیغ اتقا کی اس کثرت کے باوجود تو اپنی درندگی اور حیوانیت سے تائب نہیں ہے۔

(خفا کو نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہے)

خفا ۔عارف میں بے قصور ہوں۔

عارف ۔میرا مشاہدہ ہی تجھے بے قصور ہی ثابت کر رہا ہے۔

(عارف ایک سخت آویزش کے بعد خفا کا گلا گھونٹ دیتا ہے سویدہ درخت سے اترتی ہے)

سویدہ ۔اے نیک انسان، اور گناہ گاروں کے منتقم، سلام!

عارف ۔سلام مجھ پر اور خدا کے ان فرشتوں پر جو دنیا میں امن وسکون کا پیام لے کر آئے ہیں اب تو آزاد ہے۔

(ایک سمت ایک ہاتھ پھیلا دیتا ہے سویدہ چلی جاتی ہے اور عارف دوسری طرف چلا جاتا ہے۔)

(باقی)

میری توبہ

(اپنی ناکردہ گناہی پر)

میری بعض نظمیں زہدانِ خشک کے لئے بظاہر بہت زیادہ تکلیف دہ اور اذیت کوش ہوتی ہیں، گو ساری دنیا جانتی ہے کہ (چون بخلوت میروند) میری نظموں سے زیادہ سیاہ کارانہ شعار ان کے لائحۂ عمل ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ اس قسم کی نظموں کے چبھتے ہوئے الفاظ اور جلتی ہوئی ترکیبوں پہ اعتراض نہ کریں تو اُن کی "ملائیت" تشنۂ شہرت رہ جائے جس کے طفیل میں وہ مرغن اور ملذذ شرب و اکل سے آماس رشکم ہیں۔

اسی قبیل سے "الامان" کا یہ نابالغ ایڈیٹر ہے جو "الامان" کی اشاعت مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۸ء میں اپنی بوکملاہٹ کا ثبوت دے چکا ہے یہ دہلی کا خود ساختہ ملّا اور حواس باختہ لکچرار معاملات مختصرہ سے اسقدر جلد اور اتنا گہرا اثر لیتا ہے کہ گویا دنیا میں کوئی اس سے زیادہ اثر پذیر اور رقیق الجذبات پیدا ہی نہیں ہوا۔

ملک کے مشہور لوگوں سے الجھکر اپنی شہرت بڑھانا اس شخص کی روش مخصوص ہے میں نے سترہویں شریف میں دیکھا کہ مولانا محمد علی نے ایک مختصر تقریر کر کے شہدائے دمشق کے لئے چند منٹ میں (۱۳۵) روپیہ جمع کر لئے ان کے بعد یہ خود پرست ایڈیٹر اُٹھا اور کہنے لگا "اگر محمد علی قوم کے خادم ہیں تو میں بھی قومی خادم ہوں میرے پاس خاطر سے روپیہ دیدیجئے" یہ صدائے بے ہنگام ریا اور غرور سے لبریز تھی اس لئے قطعاً ناکام ثابت ہوئی کسی نے توجہ بھی نہ کی آخر اس کی شرمندگی کی شرم رکھتے ہوئے قائد اعظم سیدی و مولائی خواجہ حسن نظامی قبلہ نے ۵ر دیا اور خود مولانا محمد علی نے ۵ر اور دیئے "یہ ہے اس کی قومی خدمت اور کارنامۂ شہرت واشتہار" اذانِ میکدہ "پر پیمانہ کا الحاد" اس عنوان سے اس نام نہاد مولوی نے ایک سفیہانہ نوٹ دیکر اپنی کمینہ خصلتی اور بازاری زندگی کا پورا ثبوت دیا ہے میری بعض احباب نے مشورہ دیا کہ میں لائبل دائر کر دوں مگر میں نے اسے بیچارگی اور بے زبانی پر محمول کیا یعنی دو ملّا وہ کرے جو جواب نہ دے سکتا ہو اور جس کے قلم میں قوتِ انتقام نہ ہو۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر خرابات میں اذان دی جائے اور "حی علی الصلاح حی الصلاۃ" کی آوازیں گونجنے لگیں تو اس میں ملتِ بیضا کی ہمہ گیری مضمر ہے یا توہین؟ اگر بتکدے میں نماز ہونے لگے تو یہ اسلام کی فتح ہے یا شکست؟ اگر شرابی خدا کا نام لے تو کیا آپ اس کی زبان بند کر دیجئے گا؟ اور اگر ایک فاسق مسجد میں "غسل و وضو" کرنے لگے تو کیا آپ اُسے نکال دیجئے گا۔؟

یہی تنگ خیالیاں ہیں جو آج مذہب کو میدان تبلیغ و اشاعت میں درماندہ سامی بنائے ہوئے ہیں

ایڈیٹر "الامان"، کو معلوم ہونا چاہئے کہ شاعر گو نوجوان ہے، مگر اس کی طرح کمن پرست ریاکار اور ملت فروش نہیں ہے شاعر مسلمان ہے اور ایسا مسلمان جس کی رگ رگ میں جذبات ملت موجیں لے رہے ہیں۔ مگر حقیقت نگار اور ریا شکن ہے اگر اب بھی تسکین نہوئی تو وہ ان تمام اسرار کی پردہ کشائی کردے گا جو تو تحت کا غازہ فریب بنے ہوئے ہیں اور جس سے وہ دنیا کو دام تزویر میں پھنسانا چاہتے ہیں۔

میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس دشمن اسلام اور عدوئے مشاہیر کی ریاکارانہ نفر گفتاریوں میں نہ آئیں اور اس کے اخبار کا اس وقت تک در مقاطعہ، کردیں جب تک یہ شخص اپنی ریاکاری سے توبۃ النصوح نہ کرلے اور ہندوستان کے ارباب کمال کی توہین و تذلیل سے قلم کش ہو جائے۔

میں نے اس پر فریب ہستی کو فریب جمیل دینے کے لئے ایک تحریری وعدہ کیا تھا، کہ میں نومبر میں اس قسم کی نظم نگاری کے متعلق ایک "توبہ نامہ" شایع کردونگا۔ میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں اور خدا سے داعی ہوں کہ میری توبہ کی اشاعت کے بعد یہ ریاکار اخبار نویس متنبہ اور مطلع ہو کر خود بھی تائب معاصی ہو جائے۔

میری جبلت باطن نگاری — رسوائے ظاہر دنیا ہے ساری
ہے ناقصوں پر ساری طاری — کچھ بے حواسی کچھ بے قراری
تبلیغ فطرت ہر سو ہے جاری — انساں ہیں لیکن ضد کا بچاری
اپنے ہی عرفاں سے خود ہی عاری — یہ پردہ پوشی ہے پردہ داری
استغفر اللہ — استغفر اللہ
استغفر اللہ — استغفر اللہ

یہ میرے نغمے یہ ساز توبہ — یہ میری وہی آواز توبہ
باب حقیقت ہے باز توبہ — ہیں قدسیانہ انداز توبہ

رقصاں ہیں کیا کیا جانبِ رازِ توبہ | کرتے ہیں کیا کیا خود سازِ توبہ
کیوں رازداں ہو غمازِ توبہ | نااہل سمجھے یہہ رازِ توبہ
استغفراللہ | استغفراللہ
استغفراللہ | استغفراللہ

آئیں نظر کیا فطرت کے گلشن | ارفع ہیں میرے افکارِ روشن
پہلے اٹھا دے کاوش کی چلمن | پھر دیکھہ روئے لیلائے ایمن
تو ہے سراپا ناواقفِ فن | لفظوں کا عاشق معنیٰ کا دشمن
سرِ محبت با عقل گفتن | آئینہ پیش اعمیٰ نہادن
استغفراللہ | استغفراللہ
استغفراللہ | استغفراللہ

ساغر یہ تیری تخئیل ساحر | رحمت ہے بہر چشمِ مبصر
روحِ حقیقت اصلاحِ ظاہر | حق کی مبلغ فطرت کی ناشر
ہے ذہن تیرا نطقِ مصور | لیکن غضب ہے ای مست شاعر
یکساں نہیں ہے افتادِ خاطر | باطن میں صوفی ظاہر میں کافر
استغفراللہ | استغفراللہ
استغفراللہ | استغفراللہ

ساغر نظامی

مسافر

انتقام محبت

جمیل کی عمر ابھی چودہ سال سے متجاوز نہ ہوئی تھی لیکن اس کے خیالات میں جسقدر بلندی اور ارادوں میں جسقدر رفعت تھی اُسکا اندازہ ذرا مشکل سے ہو سکتا ہے۔ جمیل جسقدر حسین اور خوش اندام تھا اس سے کہیں زیادہ متین اور سنجیدہ۔ اس کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے اعماق قلب اور منافذ دماغ میں ایسا خون گردش کر رہا ہے جو محض عزم و ارادہ کی غیر فانی قوتوں سے مرکب ہے

جمیل کی تعلیم و تربیت اس کے ماموں "شوکت" کے زیر سایہ نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ وہ اسی سال انٹرنس پاس کر کے ایف اے کے سال اول میں آیا تھا۔

جمیل کے ماں، باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور اسی وجہ سے وہ شوکت کی سرپرستی میں پرورش پا رہا تھا اگرچہ اسکے مصارف کا بار شوکت پر نہ تھا کیونکہ اس کے باپ نے نقد سرمایہ کے علاوہ نہایت معقول آمدنی کی صحرائی جائداد چھوڑی تھی جو "وقف علی الاولاد" تھی تاہم اس کے ہر قسم کے ..... انتظامات اور مصارف فی الجملہ "شوکت" کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے تھے اور جائداد موقوفہ کا تمام انتظام بھی "شوکت" ہی کے سپرد تھا شوکت کو جمیل کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی کیونکہ اوّل تو "جمیل" شوکت کا حقیقی بھانجہ تھا دوسرے جمیل کی والدہ اپنی زندگی میں طے کر گئی تھیں کہ شوکت کی لڑکی "انیسہ" جمیل کے ساتھ منسوب ہو، اس نسبت وابستگی نے شوکت کو جمیل کی طرف اس لئے بھی زیادہ متوجہ کر دیا تھا کہ اس کے "انیسہ" کے علاوہ کوئی اولاد نہ تھی اور وہ جسقدر "انیسہ" سے مانوس تھا اس سے کئی درجہ بڑھکر جمیل سے ملتفت۔ جمیل کو حسن و عشق کے ساتھ ایک طبعی تعلق تھا اور وہ ان معاملات میں بے انتہا دلچسپی لیتا تھا لیکن اس معاملہ خاص میں بھی وہ دوسرے شعبہائے زندگی کی طرح بے اصول نہ تھا۔ اس کا قول تھا کہ عشق ہونا نہیں ہے بلکہ کیا جاتا ہے اور جس طرح عام لوگوں نے اس کو اضطراری اور غیر اختیاری جذبہ سمجھ رکھا ہے، یہ دراصل ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ایک نہایت کیف انگیز اور اختیاری کیفیت ہے جو اپنی حلاوت کی وجہ سے انسان کو رفتہ رفتہ اپنی طرف کھینچتی ہے اور چونکہ انسان کے قلب و دماغ کو اس سے خاص قسم کا حظ حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ خود بھی اس طرف کھنچ جانا چاہتا ہے۔ بالآخر یہ کشش نہاں اور تعلق نامعلوم ایک وقت اس درجہ پائدار اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ اس کا انفکاک ناممکن ہوتا ہے اور پھر اس کے خلاف جانا انسانی قوتوں سے باہر ہو جاتا ہے

(۲)

"انیسہ" کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور وہ بے انتہا حسین و جمیل واقع ہوئی تھی حسن و جمال کے ساتھ ہی قدرت نے اسے ایک سلیقہ شعار طبیعت اور پاکیزہ دماغ بھی عطا فرمایا تھا جس کے حیرت انگیز آثار اسی عمر سے عالم اظہار میں آنے لگے تھے خصوصیات نوشت و خواند میں وہ ایک عالی دماغ امتیاز دار حیثیت رکھتی تھی اور زندگی کی تمام تر ضروریات سے وہ کلیتہً باخبر تھی وہ ایک مکمل

عورت تھی اور اس نے مطالعہ فطرت سے زندگی کے اہم ترین مقصد ترمیع معاشرت سے کافی سے زیادہ وقوف حاصل کر لیا تھا۔ جب کبھی گھر کی عورتوں میں کوئی مذہبی مسئلہ چھڑ جاتا اور وہ اس کے متعلق اپنی معلومات کا اظہار کرتی تو سننے والوں کو حیرت ہوتی اور بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا کہ کوئی فارغ التحصیل مولوی زنانہ لباس میں ایک دوشیزہ کی زبان سے بول رہا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود وہ پردہ نشین، عصمت مآب دوشیزہ تھی۔ اس کی آواز اسقدر نرم اور نازک تھی کہ قریب ڈیوڑھی پر رہنے والے ملازمین بھی نہ سن سکتے تھے۔

جمیل کے ساتھ انیسہ کو محبت تو ضرور تھی لیکن اس محبت کا احساس اس کے دماغ میں کسی خاص صورت میں نہ تھا جمیل ابھی پہلے پہلے تو انیسہ کو صرف اس نظر سے دیکھتا رہا کہ وہ میری منگیتر ہے لیکن بعد کو جب دفعتہً انیسہ کو رسمی پردہ کا پابند کر دیا گیا اور جمیل اپنی ظاہری آنکھوں سے اسے نہ دیکھ سکا تو وہ سمجھا کہ انیسہ کے ساتھ واقعی اسے محبت ہے اور ایسی محبت کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اسکے مصائب فرقت برداشت کرنیکے لئے تیار نہیں ہے۔ ابھی تک اسکی تمام تر توجہ اپنی تعلیم کی طرف تھی اور وہ نہایت سکون و اطمینان کیساتھ تعلیمی مشاغل میں مصروف تھا۔ اسکا دستور تھا کہ اسکول سے فارغ ہونیکے بعد جب گھر آتا تو ایک گھنٹہ پابندی کیساتھ انیسہ کی تعلیم میں صرف کرتا اور یہی وہ وقت تھا جو اسکی دماغی کوفت دور کرنیکے لئے ہر قسم کی سیر و تفریح سے زیادہ پر لطف اور کیف انگیز تھا۔ لیکن اب جبکہ اسکو یہ موقعہ حاصل نہیں ہے انیسہ کے صحیفۂ رخ کا مطالعہ اسکے لئے دشوار ہے تو اسکی توجہات کا منتشر اور دماغی سکون کا برباد ہو جانا لازمی امر تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غم و افسوس کی بڑھتی ہوئی بیماری نے اسکی صحت کو پامال کرنا شروع کر دیا اور وہ غنچہ شگفتہ کی طرح پژمردہ نظر آنے لگا۔ ان حالات کی موجودگی میں رفتار تعلیم کی تیزی میں سستی پیدا ہو جانا ضروری تھا، رفتہ رفتہ اسکا احساس بھی ہونے لگا۔

شوکت کی حساس طبیعت نے اگرچہ جمیل کی تندرستی کے انحطاط کا سبب معلوم کر لینے میں غلطی کی یعنی اسکی ساری ذمہ داری کو آگرہ کی خرابی آب و ہوا کے سر رکھا تاہم اس نے اس باب میں کوئی تاخیر روا نہ رکھی اس نے جمیل کو آگرہ سے فوراً علیگڈھ بھیجدینا مناسب سمجھا تاکہ کچھ تو وہاں کی صاف پاکیزہ ہوا سے اور کچھ وہاں کی روح افزا سوسائٹیوں کی دلچسپ صحبتوں سے اسکے جسم میں صحت و تندرستی کا خون پیدا ہو سکے۔

ایک روز جبکہ جمیل نہایت حزن و ملال کے عالم میں کالج سے واپس آیا تو شوکت نے اپنی اس تجویز کو جو اب تک اسکے ذہن ہی میں محفوظ تھی جمیل کے سامنے اسطرح ظاہر کیا۔

شوکت۔ جمیل میں کئی دن کے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ یہاں کی آب و ہوا تمہارے مزاج کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ تمہاری صورت بیماروں کی سی ہوتی جاتی ہے اس حال میں بہتر ہے کہ میں فوراً تبدیل آب و ہوا کے لئے تمہیں علیگڈھ کالج میں داخل کرادوں اسمیں دو فائدے ہیں ایک تو وہاں کا قیام امید ہے تمہاری صحت کو درست کر دیگا دوسرے یہاں اور وہاں کی تعلیم بھی متفاوت ہے اور مجھے مسرت ہے کہ اس حیلہ سے تم ارض ہند کی ایک بہترین درسگاہ سے استفادہ کر سکوگے۔

سلہ مجھے اسوقت بے اختیار ہنسی آگئی علیگڈھ کی روح افزا سوسائٹیاں اسی وقت تک روح افزا ہیں جب تک کہ ان میں شرکت نہ کی جائے ورنہ وہ جمعیت جو کبھی مجنونوں میں ہوتی ہے یہاں کی روح افزا سوسائٹیوں میں ہے اور کی ہر چیز میں جذب و کشش کا راز ہے"۔ —— مہ ناخوردہ

جمیل - ماموں جان - آگرے کی آب و ہوا میں میرے واسطے کوئی نیا اثر نہیں ہے یہ محض اتفاق ہے کہ امسال میری صحت کچھ خراب ہوگئی لیکن صرف اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آگرہ کی آب و ہوا کا قصور ہے، کیا علیگڈھ میں لوگ بیمار نہیں ہوتے؟ رہا تعلیم کا سوال اسکے متعلق عرض ہے کہ کسی کالج یا اسکول کی ظاہری شان و شوکت اور اسکی پر شکوہ عمارت انسان کو قابل نہیں بنا سکتی بلکہ جو چیز اسکو اور اسکی ترقی دیتی ہے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کرتی ہے وہ خود اسکا ذاتی جوہر ہے جوہر جلا چمک اٹھتا ہے بشرطیکہ جس ماحول میں اسکی آنکھ کھلے وہ تاریک نہ ہو۔ اور جب تک ایک جوہر قابل کسی درسگاہ سے فارغ ہو کر نکلتا ہے اس کے دامنوں میں بجائے اس کے کہ درسگاہ کی پختہ اینٹوں اور سفید چمکدار چونے کی قابلیت اور لیاقت کے مادہ درخشندہ نقوش ہوتے ہیں جو درسگاہ کے زمانہ قیام میں اس نے اپنے قلب و دماغ میں مرتسم کر لیے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو ... ہوتے ... باہمی تفاوت کو جو صرف سطحی ہوتا ہے بالکل بہا دیتی ہے، میرا خیال ہے جو میں نے واضح کر کے بیان کیا ہی اگرچہ نزدیک وہاں کی تعلیم بہتر ہے، اور میرا ... وہاں جانا بھی ضروری ہے تو میں ہر حال میں تکمیل علم کے لئے آمادہ ہوں۔

شوکت - جمیل، یہ موقوف نہیں اس سال میں دیکھتا ہوں یہاں کی عام حالت ہی ایسی ہے شاید بارش کی کثرت سے ہوا میں کچھ نقصان آگیا ہو۔ بہر حال تم اسی ہفتہ میں علیگڈھ جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(۳۱)

جمیل کو علیگڈھ آئے ہوئے چار سال گذر گئے ہیں اس عرصہ میں وہ کئی بار آگرہ جا چکا ہے، لیکن آگرہ کی زندگی سے اب اسکی کوئی دلچسپی وابستہ نہیں رہی جبتک یہاں وہاں رہتا اُس کے دل کی جراحتیں تازہ رہتی ہیں کیونکہ اب اسکو "انیسہ" کے سامنے نہ آنے کی ہی اذیت نہ برداشت کرنی ہوتی بلکہ ایک سخت اور جانستاں صدمہ سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، اسلئے کہ اس دوران میں کچھ خانگی معاملات کے اندر چند انقلاب ہو چکے ہیں ایک بڑا انقلاب تو یہ ہے کہ انیسہ کی والدہ "رقیہ" جمیل اور "انیسہ" کے رشتہ کے خلاف ہو گئی ہیں اور یہ چاہتی ہیں کہ انیسہ کو اپنے بھائی کے لڑکے "خورشید" سے جلد تر وابستہ کر دیں۔ اگرچہ شوکت کچھ دنوں بیوی کے اس خیال سے متفق نہ ہوسکے لیکن "رقیہ" کے شب و روز کے اصرار اور وقت بے وقت کی گریہ و زاری نے اب ان کو بھی متزلزل کر دیا ہے۔

یہ انقلاب ایسا نہ تھا جو جمیل کے نظام حیات میں ہیجان کا تلاطم پیدا نہ کر دیتا۔ بی۔ اے۔ پاس کرنیکے بعد جمیل گھر گیا تو خورشید سے ملاقات ہوئی جو بصرہ سے حال ہی میں واپس آیا تھا، اسنے دیکھا کہ معمول کے خلاف "انیسہ" کو خورشید کے سامنے لانے سے احتراز کیا جاتا ہے بس یہیں سے اسکے دل میں ایک جانگداز خلش پیدا ہو گئی، وہ اس نے اسکی حقیقت معلوم کرنیکی زیادہ کوشش کی لیکن کسی طرح وہ اس راز کو نہ سمجھ سکا آخر مجبور ہو کر اس نے انیسہ کو یہ خط لکھا۔

"کیا تم بتا سکو گی کہ خورشید سے پردہ کرنیکی کیا وجہ ہے؟ تم تو ... ... مانگ رہی تھیں، اب خدا خدا کر کے وہ بخیریت واپس آئے تو تم یوں منہ چھپا کر بیٹھ رہیں؟ میرا دل تم سے یہ سوال کرتے ہوئے دھڑکتا ہے، خدا کرے تم کوئی ایسا جواب نہ دو جو مجھے مایوس کر دے۔

تمہارا جمیل"

"انیسہ" کو معلوم تھا کہ اسے خورشید کے سامنے آنے سے کیوں روکا جاتا ہے وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسکی وہ پرانی آرزو اب پوری نہ ہو سکے گی

جو اکثر تاریک اور خاموش راتوں میں اس کے حریم قلب میں پیدا ہو کر دوران خون کو تیز کر دیا کرتی تھی اور جب وہ چپکے چپکے "جمیل" کے نام کی پرلطف تکرار کر کے خود بخود شرما جایا کرتی تھی۔ اسکی ساری امیدیں اور تمنائیں چونکہ مدت کے ارتباط اور ہمنشینی نے جمیل ہی کی ذات سے وابستہ کر دی تھیں یکدم اس سب کا اسطرح ٹوٹ جانا انیسہ کو بہت ناگوار تھا۔ اور پھر اپنی زندگی کے منتخب شدہ جانی فرمانبردار "خورشید" میں بے انتہا تلاش کے بعد بھی اسے کوئی ایسی بات نہ ملتی تھی جسکی وجہ سے وہ اسکو "جمیل" پر ترجیح دے سکتی۔ اول تو خورشید کچھ زیادہ لکھا پڑھا نہ تھا دوسرے حد درجہ مغرور اور خود پسند تھا نیز اسکی صورت اور سیرت میں کوئی ایسی دلفریبی نہ تھی جو ایک ذی حس اور جذبات الفت سے آشنا طبیعت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی۔ جب سے گھر میں یہ منصوبے شروع ہوئے کہ اس (انیسہ) کی خورشید سے منگنی کر دی جائے تو وہ ایک روح فرسا مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی اور وہ جمیل سے گفتگو کرنے کیلئے موقعہ تلاش کر رہی تھی۔ چنانچہ جونہی جمیل کا خط اسکے پاس پہونچا اسکا دل اچھلنے لگا دماغ میں فرحت انگیز امنگوں کی لہر سرعت برق کے ساتھ دوڑ گئی۔ لیکن پڑھتے پڑھتے جب وہ خط کے اس حصہ پر پہونچی "خدا کرے تم کوئی ایسا جواب نہ دو جو مجھے مایوس کر دے" تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے اور خط ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جذبات گریہ پر قابو حاصل کر کے تاثرات قلب کے تحت جوش اور انشا میں اس نے یہ تحریر جمیل کے پاس بھیجدی۔

جمیل میاں!

پردہ کرنے کی مہلت نہیں ہے جس نے آپکے دل میں اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اماں جان اپنے بھائی کے ساتھ تعلقات مستحکم کرنے کی غرض سے اس جدید صورت کو زیادہ پسند کرتی ہیں انہوں نے ابا جان کو بھی مجبور کر لیا ہے اگرچہ میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ ہائے میری زندگی کا یہ خوفناک مستقبل مجھے کیا دکھائے گا اور آپ کی ایک مدت تک قطعی مفارقت مجھے کسطرح زندہ رہنے دیگی تاہم جسطرح مشرقی اور خصوصاً ہندوستان کی بے زبان عورتوں کے احساسات قلب کا احترام کئے بغیر ماں باپ کا جو جی چاہتا ہے ان کو حق میں کر بیٹھتے ہیں اسی طرح میرے ساتھ بھی سلوک کیا جائیگا لیکن میں آپ کو شاہد بنا کر کہتی ہوں کہ یہ رشتہ میرے دل کی، جذبات کی اور غالباً میرے ایمان کی موت ہوگا خدا مجھے اس ہلاکت سے بچائے دل اور جذبات کے مر جانے کی وجہ تو ظاہر ہے ایمان کی موت کا باعث دل و جان سے شوہر کی خدمت اطاعت نہ کرنا ہے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ خوشی اور مجبوری میں کسقدر فرق ہے یہ تحریر ذرا جسارت کے ساتھ لکھی گئی ہے جسکی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ میں نے جینے سے بیزار ہو کر اپنے دل کی حالت صاف صاف لکھدینا مناسب سمجھی ہے۔ خواہ اسے میری شوخ چشمی کہئے یا بے حیائی۔

"انیسہ"

(باقی باقی)

(علی کوثر چاندپوری)

شاعر اور مصلح

(اثر:۔ مصورِ فطرت مولانا جوش ملیح آبادی)

اے تو، کہ تجھ کو عقل و فراست پہ ناز ہے
میری حیات بھی دیکھ جو دل میں گداز ہے

تو قوم کو نکال رہا ہے زوال سے
میں روشناس کرتا ہوں فکرِ مآل سے

تیری نگاہ پردہ درِ زشت و خوب ہے
میری نظر میں رنگِ طلوع و غروب ہے

تو مادی عروج کا طالب جہاں میں ہے
روحانیت کا راز مری داستاں میں ہے

تیرا سخن ہے عالمِ اسباب کے لئے
میرا کلام روح کے آداب کے لئے

تجھ کو ہجومِ فکر پریشاں کئے ہوئے
میں مطمئن تصورِ جاناں کئے ہوئے

تیرے بیان میں ہے تپش آفتاب کی
نرمی مری زباں میں شبِ ماہتاب کی

تیری نظر خراش کے پہلو لئے ہوئے
میں پردہ ہائے چشم میں آنسو لئے ہوئے

صندل کی طرح کام ترا دردِ سر میں ہے
مرہم دلوں کے زخم کا میری نظر میں ہے

تو ہے رجز، میں چنگ و چغانہ ہوں قوم کا
تو وعظِ خشک ہے میں ترانہ ہوں قوم کا

غازہ ہے تو، میں عارضِ زیبائے قوم ہوں
تو "فکرِ قوم" ہے میں "تمنائے قوم" ہوں

دل سے عروجِ قوم کی دُھن تیری خو میں ہے
اور قوم کا عروج مری جستجو میں ہے

تو باغباں ہے اور مری ذات باغ ہے
میں دل ہوں اپنی قوم کا اور تو دماغ ہے

وہ دل ہوں جس میں سرخ محبت کے داغ ہیں
ہر داغ پر نثار ہزار دل و دماغ ہیں

صحافتِ حاضرہ پر ایک نظر

شاہانِ مالوہ یہ ایک دلچسپ تاریخی کتاب ہے جسے مولوی امیر احمد علوی بی۔ اے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈپٹی کلکٹر نے تالیف فرمایا ہے اس میں سلاطین مالوہ و گجرات کے کُل حالات خاندانِ تغلق کے آخری عہد سے زمانہ شہنشاہ اکبر تک سنہ ۸۰۰ھ لغایت ۹۶۸ھ درج ہیں اس تاریخ کا ماخذ تاریخ فرشتہ، مراۃ سکندری، آئینِ اکبری اور گلزار ابرار وغیرہ چند تاریخیں ہیں اس کے مطالعے سے جہاں شاہان مالوہ کی عیش پسندی اور نظام حکمرانی کے اصول معلوم ہوتے ہیں وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے ملک گیری۔ اور قیام حکومت کے لئے فقرا، اور مشائخ کی دعائیں اور توجہات کسقدر جزو کامیابی تھیں فاضل مولف شہنشاہ جہانگیر سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں دیباچہ میں یہ لکھنے کے بعد کہ:- آج کل اورنگ زیب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستوں کو تباہ کر کے مرہٹوں کو قدم جمانے کا موقع دیا۔ لیکن دراصل یہ غلطی ہمایوں اور اکبر نے شروع کی تھی جس کو شاہ جہاں نے ترقی دی اور اس کے فرزند نے معراج کمال کو پہونچا دیا صفحہ ۱۱۱ پر مذ بدکرم یوں فرمایا جاتا ہے "کہ جہانگیر جب اپنے عہد سلطنت میں مانڈو آیا اور ناصرالدین کے مقبرہ میں پہونچا تو اس نے اس مردہ سلطان کی قبر پر ٹھوکر ماری اور اپنے ہمراہیوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا جب اس تذلیل سے تسلی نہ ہوئی تو اس غریب کی ہڈیاں اکھڑوائیں اور ان کو جلوا کر راکھ نربدا میں پھنک دی۔ شیر شاہ سور نے بھی جبکہ وہ مانڈو دارد ہوا تھا اس قبر کی توہین کی تھی مگر جہانگیر نے انتہا کر دی۔ اگر ناصرالدین شراب خور تو جہانگیر بھی بنت العنب کا مرید تھا اگر ناصرالدین عیاش تھا تو شیر افگن خاں کا قاتل بھی پارسا نہ تھا۔ اگر ناصرالدین نے باپ سے بغاوت کی تو جہانگیر اس میدان میں بھی ہمرکاب تھا۔ اخلاقی حیثیت سے کوئی فوقیت جہانگیر کو حاصل نہ تھی بجز اس کے کہ اکبر کے فرزند پر باپ کے قتل کا شبہہ نہیں کیا گیا تھا ظاہرا کوئی معقول وجہ اس کینہ اور وحشیانہ حرکت کی نہیں ہو سکتی جو جہانگیر سے اس وقت سرزد ہوئی آئندہ نسلیں اس کی یہ حماقت ہمیشہ نفرت و حقارت سے دیکھینگی ار انگلے بادشاہ آج تم مانڈو پر قابض ہو، اور غرور سے زمین پر پاؤں نہیں رکھتے، یاد رکھو کہ کل تم بھی زمین کا پیوند ہوگے اور تمہارا تاج و تخت دوسری قوم کے قبضے میں آئے گا۔ کیا تم خوش ہوگے کہ اس اقبال مند جانشین کے ملازم تمہاری ہڈیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ تم نے اپنے پیشرو کے ساتھ کیا ہے شرم شرم!! شرم!!!"

ایک مسلمان مولف کو کسی تاریخ کے ترجمہ و ترتیب میں عظیم المرتبت مسلمان بادشاہ پر اس قسم کے کھلے ہوئے رکیک حملے کرنے کی جرأت ہرگز نہ کرنی چاہئے خصوصاً ایسے الفاظ کے ساتھ جو ایک معمولی سے معمولی مسلمان کے لئے بھی استعمال نہیں کئے جا سکتے اعتراض معلوم کی بے سروپائی کی دو یقینی توجیہیں ہیں۔

اول یہ کہ ناصرالدین کی قابل اعتراض معاشرت سے جہانگیر کی معاشرت بالکل بیگانہ تھی اور جن مثالب میں ان دونوں کا توازن کیا گیا ہے وہ قطعاً ہم پلہ نہیں، ناصرالدین بے حد شراب پیتا تھا، اور جہانگیر کبھی کبھی ناصرالدین عیاش تھا مگر جہانگیر عیاش نہ تھا کوئی تاریخ اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتی اگر جہانگیر عیاش ہوتا تو نورجہان اس کے دست ہوس سے محفوظ ہو کر شیر افگن کے عقد میں کبھی نہ جا سکتی تھی۔ شیر افگن کا قتل اور شاہ جہاں کی نظر بندی دونوں سیاسی مجبوریاں تھیں جن کا تعلق حکومت کے مستقبل سے تھا اور اس قسم کی نظائر ہر حکومت کی تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں، ناصرالدین بداخلاق اور بہت سے بے گناہوں کا قاتل تھا مگر جہانگیر سے کبھی کوئی بداخلاقی منسوب نہ ہوئی اور نہ اس نے کسی کو بے گناہ قتل کیا، دوم یہ کہ جہانگیر کا مانڈو جا کر ناصرالدین کی قبر کو کھدوانا اور اس کی ہڈیوں کو جلوا کر نربدا میں پھینکوا دینا ایک قطعی غیر معتبر روایت ہے اور طبعزاد تاریخی بدعت ہے جس کا کسی معتبر کتاب میں پتہ نہیں لہذا ایک بے سروپا اعتراض کر کے ایک مسلمان بادشاہ کو اس طرح گالیاں دینا ادب اور اخلاق کی صریح توہین ہے میں فاضل مؤلف کو رائے دیتا ہوں کہ وہ آئندہ ایڈیشن میں اس قسم کی افواہوں اور لغزشوں کو خارج از کتاب کر دیں تو جو قصہ گویان [illegible] روایتوں کی مرہون اثر ہیں تو نفس کتاب سے ایک [illegible]

ایڈیٹر

نسائیات

"پیمانہ" نومبر سنہ ۱۹۲۵ء

خلاصۃ الباب :-

نمبر	عنوان	مصنف
(۱)	گلبدن بیگم (تذکرہ)	مولنا محمد علم الدین سالک بی۔ اے۔
(۲)	عورت اور عمل (نظم)	عزیزہ عابدہ خانم نسرین۔
(۳)	حسن اور اُسکی کشش (افسانہ)	سلطانہ۔
(۴)	جُرمِ ذوق	خورشید اقبال حیا
	فقط ایک نام	ر۔ خ۔ قدسیہ
(۵)	تذکرہ جمیل۔	ایڈیٹر۔

۰/ بہار

ہ بل تسنا فقند دایں

ہوا یا ا د جب یہ عمارت پایۂ تکمیل تک

گلبدن بیگم

(مسلسل)

(از محمد علم الدین سالک بی۔اے)

آخر چون دیدند کہ خواجہ بسیار مبالغہ دارند رخصت دادند۔ و فرمودند کہ چون سیر و بیہ تحفہ۔ و ہدیۂ ہند را کہ از فتح سلطان ابراہیم بدست افتادہ بولی نعمتیان و ہمشیرہا و اہل حرم می خواہم فرستیم ہمراہ برید مفصل (فہرست) نوشتہ بدہم از روئے مفصل تقسیم نماید و بگوید کہ در باغ و دیوان ہر کرام بیگمان سراپردہ با وچادر با علاحدہ بر نقد و معرکہ خوبی کردہ و سجدۂ حق سبحانہ بجا آورند کہ فتح کلی روئے نمود۔ (ہمایوں نامہ ص۱۲)

ان انعامات میں سے گلبدن بیگم کو بھی ضرور حصہ ملا ہوگا۔ یہ تحفہ کیسا تھا؟ اس کے متعلق ہمایوں نامہ۔ تذکرۃ الواقعات اور تزک بابری سب خاموش ہیں۔ ہاں گلبدن بیگم نے اُس تحفہ کا ضرور تذکرہ کیا ہے جو بابر نے اُسکے بھائی میرزا ہندال کے لئے ارسال کیا تھا۔

حکم بود کہ اشرفی را سوراخ کردہ چشمش را بستہ در گردنش انداختہ درون حرم فرستید۔ بجردے کہ اشرفی سوراخ کردہ را گردنش انداختند۔ از گرانی طرفہ بے طاقتی و اضطراب، و خوش حالی میکرد۔ و دو دست اشرفی را گرفتہ طرفگیہا میکرد کہ کسے اشرفی مرا نگیرد۔ (ہمایوں نامہ ص۱۲)

یہ اشرفی عام اشرفیوں سے بہت بڑی اور وزنی تھی۔ اسلئے بابر نے بچپن کے جذبات کے مطالعہ کے لئے حکم دیا تھا کہ سوراخ کردہ اشرفی اسکے گلے میں پہنا دینا۔ لیکن اس سے پہلے اس کی آنکھیں بند کر لینا تاکہ دیکھنے نہ پائے۔ بچہ نے گو دیکھا نہیں۔ مگر اشرفی کو ہاتھ سے ٹٹولتا ہے۔ خوش ہو ہو کر اچھلتا ہے کودتا ہے اور مختلف طریقوں سے اپنے جذبات اور خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اشرفی کو مٹھی میں دباتا جاتا ہے کہ کوئی چھین نہ لے۔

سفر ہندوستان

۱۵۲۷ء میں جب بابر رانا سانگا پر فتحیاب ہوا تو اسنے تمام خاندان شاہی کے نام حکم بھیجا کہ وہ کابل سے ہندوستان چلے آئیں۔ گلبدن بیگم اس واقعہ کے متعلق لکھتی ہے۔

بعد از فتح رعنا سانگا (۹۳۳ھ) بعد یک سال آکام کہ ماہم بیگم باشند از کابل بہ ہندوستان آمدند۔ و ایں حقیر ہم ہمراہ ایشان پیشتر از ہمشیرہا آمدہ حضرت پادشاہ بابام را ملازمت کردم۔ (ص۱۷)

تمام قافلہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کابل سے ہندوستان کیطرف روانہ ہوا۔ گلبدن بیگم ماہم بیگم کے ساتھ قافلہ سے آگے روانہ ہوئی۔ گلبدن کے ہم سفر ہونے سے ماہم بیگم کا رنج والم جو اُس کو فاروق میرزا کی وفات سے پہنچا تھا سب کافور ہوگیا۔ اس ننھی ساتھی کی دل لبھانے والی پیاری پیاری باتوں کی وجہ سے سفر کی کلفت اور راستے کی صعوبت بھی معلوم نہ ہوئی۔ جب یہ دونوں ماں بیٹیاں

کول (علی گڈھ) کے قریب پہنچیں تو بابر آگرہ سے پا پیادہ اُن کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔ سب امراء اور وزراء اسکے ہمراہ تھے۔ آگرہ سے چار میل کے فاصلہ پر بابر نے انہیں جالیا ماہم بیگم نے بادشاہ کی تعظیم کے لئے سواری سے اُترنا چاہا۔ مگر بابر نے روکا اور سواری کے ساتھ ساتھ پیدل مکان تک آیا۔ گلبدن بیگم ان دلچسپ واقعات کو اس طرح بیان کرتی ہے۔

حضرت بادشاہ خیال داشتند کہ تا کول جلالی پیشواز روند۔ نماز شام بابام تا است آوردند تحمل نہ کردند۔ و پیادہ روانہ شدند۔ در پیش خانہ بچہ در خوردند۔ آکام می خواستند کہ پیادہ شوند۔ بادشاہ بابام نماندند خود در جلو آکام تا خانہ خود پیادہ آمدند۔ (صفحہ ۱۷-۱۸)

جب ماہم گلبدن بیگم کے ساتھ اپنے محل میں پہنچیں۔ تو انہوں نے گلبدن بیگم کو حکم دیا کہ وہ اپنے والد ظہیر الدین بابر بادشاہ کے سلام کے لئے جائے۔ چونکہ وہ ابھی کمسن تھی اور آداب سلام سے ناواقف تھی اسلئے ماہم بیگم نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ مشق کے طور پر سب سے اول بابر کے وزیر اعظم خواجہ نظام الدین علی برلاس (جسے گلبدن بیگم خلیفہ بابام کے لقب سے ملقب کرتی ہے) کے سلام کے لئے جائے۔ چنانچہ بیگم اسکے سلام کے لئے خواجہ کے خلسرا کی طرف روانہ ہوئی۔ اور اسے نہایت مودبانہ طریقہ سے سلام کیا۔ اس کمسن مگر باسلیقہ معصومہ کے آداب اخلاق دیکھکر خواجہ بہت خوش ہوا اور اُسے درازی عمر کی دعا دی۔ بعد ازاں اسے آداب کے ضروری مراتب سکھا کر پیشکش پیش کیا۔ اور کھانے کی دعوت دی۔ جسے بیگم نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ وہ ان تمام واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہوئی خود لکھتی ہے۔

وقتیکہ آکام پیش بادشاہ بابام می آمدند۔ مرا حکم کردند کہ در روز روشن آمدہ حضرت را ملازمت کنید۔ خلیفہ بابام با سلطانم کوچ خود تا خوگران پیشواز آمدند من در محافہ بودم۔ جام ہای من در باغچہ مرا فرود آوردہ بودند۔ در نیچہ انداختہ بالائے نیچہ مرا نشاندہ ہی آموختند کہ وقتے خلیفہ بابام بیاید شما استادہ شدہ دریابید چون خلیفہ بابام آمدن استادہ دریافتیم۔ و در ہمیں زمن سلطانم کوچ ایشاں ہم آمدند من نادانستہ ہی تواتم کہ برخیزم کہ خلیفہ بابام بسیار مبالغہ پیش نہادند کہ ایں پر داہ شما است۔ بایں برخواستنی حاجت نیست۔ پدر شما ایں پیر غلام خود را سرافراز کردہ اند۔ کہ در باب او ایں چنیں حکم فرمودہ اند روا باشد بندہا را چہ مجال است۔

پیشکش خلیفہ بابام پنجہزار شاہرخی و پنج اسپ گرفتم و سلطانم کوچ ایشاں سہ ہزار شاہرخی و سہ اسپ پیشکش کرد۔ و گفت ما حضرے تیار است۔ اگر نوش جان کنید سرافرازئی بندہا خواہد بود۔ قبول کردند۔ (صفحہ ۱۸)

دعوت کے بعد بیگم اپنے محافہ میں سوار ہوئی اور خادمان درگاہ کی ہمراہی میں اپنے محل سرا میں پہنچی۔ دوسرے دن وہ اپنے قبلہ و کعبہ کے سلام کے لئے حاضر ہوئی۔ نہایت ادب و احترام سے باپ کو سلام کیا اور اسکے قدموں پر گر پڑی۔ بابر جس کا دل اپنے نور دیدوں کی کلفت سے تڑپ رہا تھا بیٹی کی اس حرکت سے بے اختیار ہوگیا۔ اسنے بیگم کو اٹھایا۔ گلے سے لگایا۔ پھر بغل میں دبایا اور جی بھر کر پیار کیا۔ بابر کے اس طرز عمل سے بیگم کو اسقدر خوشی حاصل ہوئی کہ اسکا بیان حیطۂ الفاظ سے باہر ہے۔ وہ خود لکھتی ہے۔

در ملازمت حضرت بادشاہ بابام آمدہ ملازمت کردم و در پاے افتادم۔ و حضرت پرسش بسیار نمودند و در بغل گرفتند و ایں حقیر را دراں اثنا آں قدر خوشحالی روئے نمود کہ مزید برآں متصور نہ باشد۔ (صفحہ ۱۹)

بابر فطرتاً اقامت پسند واقع ہوا تھا۔ اسنے دھولپور میں ایک نہایت عظیم الشان محل اور باغ لگوایا اور جب یہ عمارت پایۂ تکمیل تک

پہنچ گئی تو اُسنے تمام بیگات کو سیر کی دعوت دی۔ یہ واقعہ قیام اگرہ کے تین ماہ بعد رونپذیر ہوا۔ گلبدن بیگم ماہم بیگم کے ساتھ اس پُرلطف مجلس میں شامل ہوئی۔ سیر و سیاحت کے بعد جب ماہم بیگم نماز مغرب کے لئے محل کی بالائی منزل پر گئی تو گلبدن بیگم کو ایک نئی شرارت سوجھی۔ اسنے اپنی خادمہ جسے وہ افغانی آغاچہ کہتی تھی کو کہا کہ ذرا میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچو۔ اسنے اول تو انکار کیا مگر جب بیگم اس بات پر مصر ہوئی تو اسنے مجبوراً ایسا کیا۔ چنانچہ ایک ہی جھٹکے میں اس کا پہونچا اُتر گیا۔ وہ فرط درد سے چیخ اُٹھی۔ تمام محلات میں ایک شور محشر خیز برپا ہوا۔ تمام بیگات اس ہونہار معصومہ کے گرد اکٹھی ہوگئیں۔ اسے تسلی دی اور آخر کار کما نگر بلایا گیا۔ اور اسنے اسکا پونچا درست کیا۔ وہ خود ہی لکھتی ہے۔

"و من و افغانی آغاچہ در پیش در پایان نشستہ بود۔ ہم کہ آکام بہ نماز رفتند۔ من بہ افغانی آغاچہ گفتم کہ دست مرا بکشد۔ افغانی آغاچہ دست مرا کشیدند۔ دست من برآمد۔ من بے طاقتی و گریہ کردن گرفتم۔ آخر کما نگر آوردہ دست مرا بستہ متوجہ اگرہ شدند"

۹۳۶ھ میں جب ہمایوں بابر کے حکم سے سنبھل کیطرف بڑھا تو اسے ایک زبردست عارضہ بدنی لاحق ہوا۔ بابر اسے جان و دل سے چاہتا تھا۔ اور جب بیٹے کے بیمار ہونے کی خبر اسے موصول ہوئی تو اسنے فوراً اسے اگرہ میں بلایا۔ اور اسکے علاج و ...ماں میں مشغول ہوا۔ گلبدن بیگم بھی اس کی تیمارداری میں حصہ لیتی رہی۔ ہمایوں کو جب ہوش آتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ "خواہران خوش آمدید۔ بیائید تا یک دگر را دریابیم کہ شمارا نیافتہ ایم قریب سہ مرتبہ سرافراز کردہ از زبان گہر افشاں خود بایں عبارت سرافراز نمودند"

بابر اسی سال اگرہ میں فوت ہوا۔ بیگم کو اسکا از حد رنج ہوا۔ اسنے جن الفاظ میں اپنے والد بزرگوار کی وفات کا تذکرہ کیا ہے ان کے حرف حرف سے درد ٹپکتا ہے۔

ہمایوں کی تخت نشینی تیموریوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ مگر اسکے نقطہ نقطہ سے سیاسی لغزشیں ہویدا ہیں اگر ہمایوں بحیثیت ایک حکمراں کے کلیتہً اپنے ارادوں اور امیدوں میں ناکام رہا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ بحیثیت ایک انسان کے نہ صرف تیموریوں میں بلکہ دنیا کے تمام شہنشاہوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ محبت کرنے والا شوہر۔ جاں نثار بھائی غمگسار دوست اور خطاپوش باپ تھا۔ اسکے بھائیوں نے اسکے ساتھ نمک حرامیاں کیں۔ اور اسکے مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر وہ ہر بار انکے گناہ دیکھتا تھا۔ اور انکی خطابخشی کرتا تھا۔ گلبدن بیگم سے اسے دلی اُنس تھا۔ وہ اُس کی لیاقت اور کیاست کا قائل تھا اور اگر وہ اپنی بہن کے کہنے پر عمل پیرا ہوتا تو اسے نامرادی اور ناکامی سے دوچار ہونا نہ پڑتا۔ ہمایوں کی تخت نشینی کے پہلے دو سالوں میں کوئی ایسا اہم واقعہ رونپذیر نہیں ہوا جسکا تعلق گلبدن بیگم کی زندگی سے ہو۔ ہاں ۹۴۰ھ میں ہمایوں کی ماں ماہم بیگم فوت ہوگئی۔ گلبدن بیگم اسکی متبنّٰی تھی۔ اور وہ اسی کے سایہ عاطفت میں پل کر جوان ہو رہی تھی۔ ہمایوں جب اپنی والدہ کے سلام کے لئے آتا تھا تو گلبدن بیگم کے پاس ہی جایا کرتا تھا۔ مگر محلات کی دیگر بیگمات انہیں کے مکان پر بادشاہ کے سلام کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ گلبدن بیگم نے یہ تمام واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ ہمایوں نامہ میں بیان کیا ہے

"تا زمانے کہ آکام حیات بودند و در دولت خانہ آکام حضرت پادشاہ را می دیدم۔ وقتے کہ آکام بدحال شدند من گفتند کہ بسیار

مشکل می نماید کہ بعد از فوت من دختران پادشاہ برادر خود را درخانہ گلبرگ بی بی ببینند۔ گویا کہ سخن حضرت آکام در دل ہوش حضرت پادشاہ بود۔ تا در ہندوستان بودند دائم درخانہ ما آمدند۔ مایاں را می دیدند و مہربانی و عنایت و شفقت می کردند۔ و بہ حصومہ سلطان بیگم۔ گلرنگ بیگم وگل چہرہ بیگم وغیرہ ہمہ بیگمان کہ کتخدا شدہ بودند حضرت پادشاہ درخانہ این حقیر می آمدند۔ و ہمہ بیگمان درخانہ این حقیر آمدہ ملازمت حضرت پادشاہ می کردند غرضکہ حضرت پادشاہ خاطر جوئی این شکستہ را بعد از وفات پادشاہ بابام و آکام ہمچنین عنایت می کردند و شفقت بے حد دربارہ این بیچارہ می فرمودند۔ کہ یتیمی و بے سری خود را ندانستم۔ (ہمایوں نامہ صہ ۲۶)

جب ماہم بیگم کا آخری وقت آپہنچا تو وہ یہ واقعہ یاد کرکے رو پڑی اور کہنے لگی کہ آگے تو پادشاہ تیرے پاس آتا تھا۔ اب تو اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرے گی۔ ماہم بیگم کی وفات کا صدمہ ایسا نہ تھا کہ ہمایوں اور گلبدن بیگم کے دلوں سے بہت جلد محو ہو جاتا۔ ایک مدت تک اس کی یاد دونوں کے دلوں میں تازہ رہی۔ گلبدن بیگم اسکی وفات کے واقعات بیان کرتی ہوئی لکھتی ہے "ماہ شوال کے آغاز میں میری والدہ کے شکم میں کچھ تشویش پیدا ہوئی۔ ۱۳ ماہ مذکور ۹۴۰ھ میں وہ دنیائے فانی سے عالم جاودانی کیطرف کوچ کر گئی۔ اور اُسکے فرزند دلبند حضرت پادشاہ (ہمایوں) کا داغ یتیمی تازہ ہوگیا۔ میرا حال نہایت پریشان تھا۔ مرحومہ نے مجھے پالا تھا۔ میرے دل میں ہوکیں اٹھتی تھیں۔ اس سخت صدمہ کی وجہ سے میرے ہوش وحواس باختہ ہوگئے۔ شب وروز میرا کام گریہ وزاری تھا۔ بادشاہ سلامت کئی مرتبہ میرے پاس آئے اور مجھے تسلی دلاسا دیا۔ میری عمر دو سال کی تھی۔ جب مرحومہ مجھے اپنے محل میں لائیں میری پرورش کی۔ اور جب میری عمر دس سال کی ہوئی تو وہ دار فانی سے کوچ کرگئیں۔ میں ایک برس تک اپنی والدہ مرحومہ کے محل میں مقیم رہی۔ جسوقت ہمایوں بادشاہ دھولپور کی سیر کے لئے تشریف لیگئے تو میں گیارھویں سال کے آغاز میں اپنی حقیقی والدہ کے پاس چلی گئی۔ (ہمایوں نامہ صہ ۳۰)

جب گلبدن بیگم کی عمر ۱۷ برس کی ہوئی تو بنگال کی طرف سے ایک زبردست فتنہ اور شورش اٹھی۔ اسکا سرغنہ شیر شاہ سوری تھا۔ یہ زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مگر چونکہ اسکا تعلق گلبدن بیگم کی سوانح حیات سے ذرہ بھر بھی نہیں۔ اسلئے ہم اسسے قلم انداز کرتے ہوئے صرف انھیں واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جنکا تعلق بیگم کی سوانح حیات سے ہے ۱۵۳۹ء میں ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھ سے چوسہ کے مقام پر ایک زبردست شکست کہا کر آگرہ میں آیا اور اسنے شیر شاہ کی بغاوت فرو کرنے اور مقابلہ کی تدابیر سوچنے کے لئے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جسمیں گلبدن بیگم نے نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ چنانچہ یہ اسی کی تجویز تہی کہ ہندال اور ہمایوں کے درمیان جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں اُن کو فی الفور دور کیا جائے۔ ہمایوں گلبدن بیگم کی صلاح سے اپنی سوتیلی ماں دلدار بیگم سے ملنے کے لئے گیا۔ وہاں پر دیگر بیگمات بھی حاضر تھیں۔ ہمایوں نے قرآن کریم اٹھا کر کہا کہ ہندال میرا دست وبازو ہے۔ جسطرح مجھے اپنی آنکھوں کی روشنی مطلوب ہے اسی طرح مجھے ہندال بھی مرغوب ہے۔ اگر آپ (دلدار بیگم) کوشش کریں تو ہندال اور میرے درمیان جو شیخ بہلول کے قتل کی بنا پر غلط فہمیاں

پیدا ہوگئی ہیں دور ہوسکتی ہیں۔ یہ تقدیر الٰہی تھی۔ اسلئے شکوہ و شکایت فضول ہے۔ واقعات مجھے بتا رہے ہیں کہ ہندال کے دل میں میری طرف سے کدورت پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن میں اپنی طرف سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل ہندال کے بارے میں بالکل صاف ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ گلبدن بیگم کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ جاکر اپنے بھائی محمد ہندال میرزا کو یہاں لے آئیں۔ اسپر گلبدن کی والدہ دلدار بیگم نے کہا "ایں دخترک خورد سال است۔ ہرگز سفر نکردہ است اگر حکم شود من میروم"۔ یہ سنکر ہمایوں فرط طرب سے اچھل پڑا اور عقیدتمندانہ طریقہ سے یوں بولا "کہ من شمارا ایں تصدیعات چوں دہم ایں خود ظاہر است کہ غمخواری فرزندان بر ما درو پدر لازم است۔ اگر تشریف ببرید غمخوارئیست کہ برمایاں می کنید۔ (ہمایوں نامہ صفحہ ۴۳-۴۴)

ہمایوں کے آفتابچی جوہر نے اپنی مشہور کتاب تذکرۃ الواقعات میں جہاں ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے وہاں صرف اسی قدر لکھکر خاموش ہوگیا ہے کہ ہندال اور ہمایوں کی صلح کا باعث بیگم تھی۔ گو بدگمان طبیعتیں لفظ "بیگم" سے طرح طرح کی موشگافیاں کرکے واقعات کو کچھ اور ہی آب و تاب دے سکتی ہیں۔ مگر ہمایوں نامہ کے بیانات نے ان تمام شک و شبہات کو دور کردیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس بیگم نے بھی یہ واقعہ کنایتاً بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی۔

ہمایوں اور ہندال کی صلح کے بعد پھر مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں بیگم کو خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ بیگم اپنے بھائیوں کی عادات اور خصائل سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جب تک چاروں بھائی متفقہ طور پر کوشش نہ کریں گے فتنہ شیر شاہی فرو نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اسنے مفاہمت کی بہت کوشش کی۔ اور اپنے بھائیوں کو یہی ترغیب دی کہ وہ اکٹھے ملکر کام کریں۔ مگر آپس کی کشیدگیوں اور خود غرضیوں کی بدولت یہ حالت صورت پذیر نہ ہوسکا۔ کامران ایک طرف تو افغانوں سے سازباز کر رہا تھا دوسری طرف اسکا دل نظام (غلام) سقہ کے معاملہ میں ہمایوں سے کھچا ہوا تھا۔ چنانچہ گلبدن بیگم کامران کی زبانی کہتی ہے۔

"غلام را بخشش و رعایت ہائے دیگر با عنت کرد۔ چہ لازم بود کہ بر تخت نشیند دریں وقت کہ شیر خاں نزدیک رسیدہ ایں چہ کار است کہ حضرت بکنند"۔

بہت سی رد و کد کے بعد چاروں بھائی گلبدن کی کوشش سے ہمخیال ہوئے۔ بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ کامراں ہی ہمایوں کے ساتھ میدان کارزار میں جائے۔ مگر کامراں کے دل میں پنجاب کی لو لگی ہوئی تھی۔ اسلئے وہ طرح طرح کے حیلوں سے اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح وہ پنجاب بھیجدیا جائے۔ آخرکار وہ خوش قسمتی سے بیمار ہوگیا جس پر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ ہمایوں کامراں کا تمام لشکر لیکر شیر خاں کے مقابلہ کے لئے جائے۔ اور کامراں چند آدمیوں کے ساتھ اول تو آگرہ میں ورنہ پنجاب میں مقیم رہ کر شیر خاں کی پیش بندی کی تدابیر سوچکر ان کو عملی جامہ پہنائے۔

ہمایوں شیر خاں کے مقابلہ کے لئے مکمل تیاری کے ساتھ پیش قدمی کرنا چاہتا تھا۔ یکایک میرزا کامراں کی طبیعت بہت ہی بگڑ گئی اسکے مشیران کار نے اسکے کان میں پھونک دیا کہ ہمایوں نے اسے زہر دلوا دیا ہے۔ یہ خبر اڑتے اڑتے ہمایوں تک بھی پہنچی۔ وہ خود میرزا کامراں کے پاس آیا اور اُسے ہر طرح سے اس بات کا یقین دلایا کہ یہ دشمنوں کی کارروائی ہے۔ (باقی)

عورت اور عمل

(از:- عزیز عابدہ خانم نسترین متھرادی)

(۱)

خلا میں سانس سے کچھ کام لینا بھی عمل ہی تھا　　گری اور گر کے دل کو تھام لینا بھی عمل ہی تھا

زبانِ لابیاں سے کام لینا بھی عمل ہی تھا　　سحر سے اُٹھ کے وقتِ شام لینا بھی عمل ہی تھا

کمر پر گیسوئے شب فام لینا بھی عمل ہی تھا　　مذاقِ جم سے ذالِ جام لینا بھی عمل ہی تھا

جھکا کر سر ترے احکام لینا بھی عمل ہی تھا　　شبِ تاریک میں آرام لینا بھی عمل ہی تھا

مقدر میں غم و آلام لینا بھی عمل ہی تھا　　بلا سے گردشِ ایام لینا بھی عمل ہی تھا

سرِ منزل حسابِ گام لینا بھی عمل ہی تھا　　نظرت [illegible] لینا بھی عمل ہی تھا

مری ہر سانس جب اسدرجہ محصورِ عمل ٹھہری　　تو میری زندگی کیوں اسقدر طولِ امل ٹھہری

(۲)

مرے جذبے میں جب مضمر ہے کارِ دوجہاں یارب　　تو کیوں مقدور رہتی ہیں مجھے ناکامیاں یارب

مری آواز پر چلتے ہیں جب کل کارواں یارب　　مری آواز پر جب جھوٹتے ہیں بادباں یارب

تکلم پر مرے جب لوٹ ہے رنگِ بیاں یارب　　مری چپ پر تحرک ریز ہے جب ہر زباں یارب

جبیں افروز ہر سر جب ہے میرا آستاں یارب　　مرے در کے گدا ہیں جب سلاطینِ زماں یارب

مرے انداز پر جب اسقدر ہیں دو جہاں یارب　　مرے ہر ناز پر جب اسقدر ہیں مستیاں یارب

مرے اغماز سے جب ہل گئے کوہِ گراں یارب　　مرے ہر ساز سے جب رک گئے ہفت آسماں یارب

تو کیوں اسدرجہ روکی جا رہی ہوں کارواں ہو کر　　مسافر بن گئی ہوں ختمِ منزل کا نشاں ہو کر

(۳)

مجھے اک سانس تو لینے دو قامت کی درازی میں　　مجھے کچھ کام کرنے دو نظر کی سحر سازی میں

ہزاروں حکمتیں پنہاں ہیں میری عشوہ بازی میں　　ہزاروں توتیں ہیں اک مری نازک طرازی میں

وہ میرا فلسفہ تھا اجتہادِ فخرِ رازی میں　　جھلکتی تھی مری فطرت تجلائے ایازی میں

میں درپردہ محرک ہر عراقی و حجازی میں　　میں بے پردہ عیاں ہر طرۂ رنگِ مجازی میں

چمن کی رنگ بیزی میں کلی کی بے نیازی میں　　عجب نیرنگ ہیں میرے نقوشِ امتیازی میں

مری آزادیاں تحلیل میں ہمت گدازی میں　　پھر آخر دیر کیوں اتنی ہے میری دلنوازی میں؟

مری پابندیوں کو نغمۂ صورِ عمل کر دو　　مجھے آزاد کر دو اور مجبورِ عمل کر دو

"حسن اور اسکی کشش"

(۱)

یوسف مردانہ حسن کا پیکرِ جمیل اپنی زندگی کے بائیس سال طے کرچکا تہا۔ ذہانت اور اسکے علمی شوق نے یوسف کو اپنی جماعت کا پیش رو بنادیا تھا۔ پروفیسر اسکی قابلیت کے معترف اور کالج کو اس پر ناز تہا۔
حسن کی پرستش کو وہ اپنی زندگی کا مقصد" کہا کرتا تہا۔ مگر اس کا معیارِ حسن اتنا ارفع تہا کہ ہر حسین صورت پر اسکا دل مشکل پسند مائل نہ ہوجاتا تھا۔ اسکے سامنے کسی حسین کی تعریف کیجاتی تو وہ ایک اندازِ بے نیازی سے صرف یہ کہدیتا۔ ہاں اسکی آنکھیں کسی قدر خوشنما ہیں"!
باوجود اسکے اس کا بےچین دل ہمہ وقت ایک حسن مجسّم کا جویا تہا۔ اسے ہر لحظہ جستجو تہی کہ کوئی حسنِ غارتگر اسکی دولتِ دل کو لوٹ لے۔ اسکی نگاہین ایسے تیرِ نظر کی متلاشی تھیں جو اسکے طائرِ دل کو نشانہ بنا سکے۔
مہر بانو یوسف کی ہم جماعت تہی۔ مگر کبھی اسنے یوسف کو نگاہ اُٹھاکر نہیں دیکھا جب کبھی یوسف کسی دوسرے سے باتیں کرتے کرتے اس جگہ آجاتا جہاں وہ کہڑی ہوتی تو مہر بانو قصداً اس جگہ سے ہٹ جاتی۔
مہر بانو کے دل کو اگر آپ اسکے سینۂ بلورین مین تلاش کرتے تو اسے وہاں نہ پاتے۔ وہ تو کسی کے پیکانِ ادا کی نذر ہوچکا تہا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ یوسف کا دل ہی اسکے پہلو میں ہے یا اُسے بہی کسی کی چشم فسوں ساز نے چھین لیا۔

(۲)

ایک دن یوسف کالج کے وقت معمول سے ذرا پہلے کلاس میں آبیٹھا۔ کالج کا جو کام ہوتا تھا اسے یوسف بحیثیت ایک شوقین طالبعلم کے گہر سے کرلاتا تہا۔ مگر آج جو مضمون لکھنے کے لئے دیا گیا تہا وہ کسی وجہ سے گہر پر نہ لکھ سکا۔ اور اب اسوقت جبکہ درجہ میں کوئی نہ آیا تہا۔ یوسف اس سعیٔ لاحاصل میں سرنگوں تہا کہ مضمون لکھ لے۔ کاپی اُسکے سامنے تہی اور قلم اسکی پیشانی پر۔ دماغ میں خیالات کی رستخیز تہی۔ دل کسی نامعلوم خوف سے مضطرب۔ مضمون ایسا دیا گیا تہا کہ یوسف اس پر دفتر کے دفتر لکھ ڈالتا یعنی "حسن اور اوسکی کشش"!
یوسف کا فلسفیانہ دماغ اس خیال میں غلطاں پیچاں تہا کہ میں نے اس عجیب چیز اور اوسکی کشش کا تجربہ تو کیا نہیں۔ پھر ایک غیر محقق بات کسطرح لکھ دوں۔ کسطرح ایک ایسا دعویٰ کروں جس کی دلیل میرے پاس کوئی نہیں۔ میں کیونکر سمجھوں کہ واقعی حسن میں ایک ایسا اثر ہے جو دیکھنے والے کی تمام قوتوں کو اپنی دلکشی میں منجذب کرلیتا ہے۔
خیالات کا سلسلہ یہیں تک پہنچا تہا کہ ایک آسمانی ساڑی کے برق پاش آنچل کی جھلک نے یکایک یوسف کا سر اُٹھا دیا۔ اسنے وہ دیکھا جو آجتک نہ دیکھا تہا۔ اور وہ گوہرِ مقصود پالیا جسکی تلاش میں اسکا دل و دماغ سرگرداں تہا۔
"مہر بانو" یہ کلمہ اسکی زبان سے بے اختیار نکلا۔ اور اسکی نگاہ باوجود اس کوشش کے کہ نیچی کرلی جائے اس حسن پر جم کر رہ گئی جس نے اسوقت کائنات کے ہر ذرہ کو تنویر دیکر رشک صد خورشید بنا دیا تہا۔

مہربانو نے شرمگیں آنکھیں نیچی کرلیں - اور ایک مجسمۂ مرمریں کی طرح کتری کی کھڑی رہ گئی - یہ وہ منظر عجیب تھا جسکی تصویر کشی کے لئے ایک مصوّر کا قلم بے چین ہو جاتا تھا - چند منٹ تک یہی کیفیت طاری رہی کہ یکایک یوسف بیتاب ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور دیوانہ وار کالج کے لان پر جا بیٹھا - اور وہاں سے اسوقت تک نہ اُٹھا جب تک کہ درجہ میں سب لڑکے آگئے اور پروفیسر نے حاضری لیتے وقت یوسف کا نام پکارا -

(۳)

حاضری کے بعد پروفیسر نے مضامین ہر لڑکے سے پڑھوانا شروع کئے - جب یوسف کے مضمون پڑھنے کا موقع آیا تو اسنے حالتِ اضطرار میں مہربانو کی طرف (جو اسکے سامنے بیٹھی تھی) دیکھا - اور ایک آہ سرد کے بعد مضمون پڑھنا شروع کیا - مضمون تھا کہ ایک طوفان جذبات جو سامعین کے دل و دماغ کو اپنے ساتھ بہائے لئے جاتا تھا - مبہوت ہو کر ہر شخص سُن رہا تھا - جسوقت مضمون ختم ہوا کاپی یوسف کے ہاتھ سے گر پڑی - . . سر چکرایا . . . ہاتھ پاؤں میں لرزہ پیدا ہوا اور یوسف بے قابو ہو کر فرش پر گر پڑا - اس وقت اسکی زبان سے یہ کلمات نکلے "میری زندگی کا مقصد"!

گھنٹہ ختم ہو گیا - پروفیسر چلا گیا - لڑکے کچھ تو پروفیسر کے ساتھ اپنے مضامین کی اصلاح کے لئے چلے گئے اور باقی یوسف کے گرد جمع ہو گئے - لڑکوں نے اسے ہوش میں لانے کی لاکھ کوشش کی مگر ؎ ہوش و حواس لے لئے یار کی چشم مست نے + فتح کا تاج رکھدیا سر پہ مرے شکست نے + ناکام ہو کر لڑکے اس جگہ سے ہٹنا شروع ہوئے - کوئی پرنسپل کو اطلاع کرنے اور ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا - رفتہ رفتہ مجمع منتشر ہو گیا اب مہربانو جو اسوقت تک سکوت مجسّم بنی ہوئی ایک گوشہ میں کھڑی تھی - یوسف خود رفتہ کے قریب آئی - اور اپنا عطر آگیں رومال نکالکر اسکی پیشانی صبیح کا عرق خشک کیا - اس مسیحائی کے ساتھ ہی یوسف نے فوراً آنکھیں کھولدیں اوسکے ہونٹوں میں حرکت ہوئی - اور اُسنے نہایت کمزور آواز میں کہا - "میری زندگی کا مقصد"!

مہربانو خاموشی کے ساتھ اوسکے جسم پر جھکی اُسنے بے خوف ہو کر اُسکا سر اپنے زانو پر رکھ لیا - وہ معطر رومال سے اُسے ہوا دینے لگی - اوسکی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان جوش کھانے لگا - اُسنے خاموش کوشش کی کہ یوسف کو جلد ہوش آجائے مگر یوسف اپنا مقصد حیات حاصل کر چکا تھا - اوسکے قلب کی حرکت بند ہو چکی تھی - اور اُسکے استفہام کا جواب اوسکی روح میں مرتسم تھا جو عکس آفتاب کی طرح کلاس روم کے روشن دان کے پاس جھلک رہی تھی اور جسکے فردوسی دامانِ نور پر صاف لکھا ہوا نظر آتا تھا -

"حُسن اور اسکی کشش"!

سُلطانہ

جرمِ ذوق

اندمال اندوز میرے زخمہائے دل نہیں
کیا میں تیری اک نگاہِ لطف کے قابل نہیں

انجمن میں کر دیا ہنگامۂ محشر بپا
مستیاں اُس شوخ کی ہشیار ہیں غافل نہیں

کاہشانِ جذبِ دل نے کر دیا محروم ضبط
ہمت افزائے جنونِ عشق میرا دل نہیں

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں کیفیتِ برقِ ادا
مختصر یہ ہے سکوں [illegible] مجھے حاصل نہیں

ہائے میری بیکسی میری تباہی میری موت
آپ کا دیدار تو [illegible] ہی حاصل نہیں

صرف اظہارِ تمنا جسکا جرمِ ذوق تھا
بارگاہِ حسن میں وہ رحم کے قابل نہیں

میری ہستی ہے رہینِ یاس و وقفِ بیکسی
کونسا دن ہے کہ جو [illegible] میرا دل نہیں

اے ستمگر یہ تغافل یہ فراموشی تری
آج تجھکو یاد خود شیشۂ شکستہ دل نہیں

دیکھئے تو یہ حیا یہ ظلم کوشی آپ کی
سوچئے تو دل مرا اس ظلم کے قابل نہیں

خورشید اقبال حیا

فقط ایک نام

ہنر آتا ہے کوئی اور نہ کوئی کام آتا ہے
مجھے تو بس تمہارا ہی فقط اک نام آتا ہے

انھیں یاد آ گئی ہے پھر کوئی تازہ جفا شاید
زباں پر آج ہر لمحہ جو میرا نام آتا ہے

کشش اتنی تو ہوتی خواب ہی میں کاش آ جاتے
میرا جذبہ نظر مجھکو خیالِ خام آتا ہے

بتوں سے کوئی کہدے بتکدوں میں چھپ کے جا بیٹھیں
شبِ غم پھر مرے لب پر خدا کا نام آتا ہے

ہے تیرے ہی سکوں پر منحصر دل کا ٹھہر جانا
مجھے تو رحم تجھ پر گردشِ ایام آتا ہے

جفائیں ان کی کر کے یاد دو آنسو بہا لینا
بوقتِ اضطرابِ دل یہی یہ کام آتا ہے

یہ بربادی یہ ویرانی یہ میرے دل کی حیرانی
تجھے کچھ رحم بھی اے قسمتِ ناکام آتا ہے

خدا کا شکر سر [illegible] اتنی پر آ گئے ہیں [illegible]
سنا ہے لیکے قاصد صلح کا پیغام آتا ہے

رخ قدسیہ

تذکرۂ جمیل

(مسلسل)

جمال | جمال آرا بیگم عرف بلقیس خاتون دختر ثالث مولانا عبدالاحد صاحب مرحوم بریلوی رابعہ خاتون کی چھوٹی بہن ہیں جمال کی ہستی بھی پنہاں کی طرح محتاج تعارف نہیں وہ ہمیشہ پنہاں کے دوش بدوش چلتی ہیں۔ نثر بھی بہتر لکھتی ہیں۔ اُردو کی ابتدائی کتابیں مطالعہ سے گذری ہیں لیکن علمی وادبی تخیلات کے مطالعہ نے قابلیت کو وسیع کر دیا ہے تین چار سال سے شعر کہنا شروع کیا ہے۔ اور ذوق کی فراوانی نے شعریت کو روح میں ملا دیا ہے۔ جمال کی شاعری کی ابتدا نہایت مسرور سے۔ فتح سمرنا کے موقع مسرت آگیں پر بے اختیار فطرت نے نظم کہلوا دی۔ ابتدائے ذوق میں سید صاحب علی الہ آبادی سے مشورہ لیتی تھیں۔ اب دو سال سے سید طالب علی الہ آبادی سے اصلاح لیتی ہیں۔

جمال کی شاعری ایک حد تک طبقۂ نسواں میں کامیاب کہی جا سکتی ہے بعض بعض نظموں میں استحکام پایا جاتا ہے۔ غزلیں اکثر لطیف اور خوش نوا ہوتی ہیں

تصنیفات | "بازیگاہ وفا" (فسانہ) خونی طلسم (فسانہ) ہفت اختر (۷ افسانوں کا مجموعہ) آستین کا سانپ (فسانہ) اور ایک قومی نظموں کا مجموعہ "گل بداماں وطن" کے عنوان سے تیار ہے۔ لیکن یہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔

قومی شاعری خواتین کے لیے بیحد دلچسپ ہے، میرا خیال یہ ہے کہ عورتیں بہترین قومیت کی حامل ہو کر بہترین قومی شاعری کر سکتی ہیں جسکے نتائج بھی بہترین مرتب ہو سکتے ہیں۔ اسکی ضرورت نہیں کہ تغزل قطعی نظر انداز کر دیا جائے لیکن ملک کی ہر شاعر خاتون کو قومی نظموں کیطرف ضرور رجوع ہونا چاہئے یہ ایک عظیم ترین خدمت ہوگی۔ ورنہ تغزل تو ہندوستان میں ہر شعر کہنے والی ایک بیکار سی چیز خیال کیجاتی ہے۔ اکثر اسکو ترک کر رہے ہیں۔ تغزل فرسودہ تقریباً بالکل فنا ہو چکا ہے جمال کی فطرت "تغزل عام کیطرف زیادہ رجوع نظر آتی ہے۔ جمال کے کلام میں ایک سنجیدہ اور نمایاں شوخی جھلکتی ہے۔ اور اکثر جگہ مستی کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ اگر جمال صاحبہ کے ذوق کے تواتر اور تسلسل کا یہی عالم رہا تو چند برس کے بعد وہ بھی ہندوستان میں ایک اچھی شخصیت کی مالکہ ہونگی۔ ادبی اور شعری معاملات میں ہندوستان کبھی کم پایہ نہیں رہا لیکن میں یہ کہے بغیر نہ مانونگا کہ اس میں اہلیت نہیں ہے ترقی کرنے کی اور یہاں کے انسان کو پستیٔ معاشرت نے پست ترین غار میں ڈھکیل دیا ہے۔

جمال کی ادبیت اور شعریت کا مطالعہ پیمانہ کے ذریعہ آپ نے اکثر کیا ہوگا۔ تاہم ان کے جواہر خانہ سے چند موتی بیش بہا پیش کئے جاتے ہیں۔

جذبات بیخودی (نظم) مسٹر گاندھی کی رہائی کے موقع پر اخبار "خلافت" میں شائع ہوئی تھی اسکا ابتدائی بند یہ ہے۔

کہیں کیا ہم نشیں کیا ہے سارا جہاں دشمن	مکاں دشمن وطن دشمن زمین و آسماں دشمن
ادھر صیاد دشمن ہے اُدھر ہے باغباں دشمن	اِدھر گلچیں و صرصر اور اُدھر برق تپاں دشمن
سحر کا نور دشمن شام کی تاریکیاں دشمن	بھری برسات دشمن فصل گل دشمن خزاں دشمن
بھروسہ جن پہ تھا وہ دشمن جاں سب نظر آئے	ہوئی یہ انتہا کہ ہو گیا ہے آشیاں دشمن
رگِ گل خود ہوئی دشمن ہمارے پائے بیکس کی	چمن کی ہر کلی دشمن گلوں کی پتیاں دشمن

مہ و خورشید دشمن چاندنی اور دہوپ دشمن ہے　　　　وہ تارے بھی کبھی جو تھے ہمارے رازداں دشمن

پہلے اور دوسرے شعر میں کوئی جدید تخیل اور نئی بات نہیں ہے۔ لیکن سحر کے نور کی دشمنی، شام کی تاریکیوں کی دشمنی، چاندنی کی دشمنی اور دہوپ کی دشمنی ایسے ندرت آفریں مطائبات ہیں جنکی بابت کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تخیل موضوع پر اسقدر محیط ہے کہ دنیا کا ذرہ ذرہ مشاہدات کا چپہ چپہ آزاد نہیں ہے۔

نظمیات ،، میں جمال صاحبہ کی بہترین نظم "شاعرہ" ہے جسکی تقلیدی شان بجائے خود ایک اختراع معلوم ہوتی ہے ان کا ذوق بہت وسیع ہے۔ لیکن بعض وقت میں بیحد متاسف ہوتا ہوں کہ اس راہ میں انکی رہبری صحیح نہیں ہو رہی ہے۔ وہ اپنے اشعار میں بیحد پرواز کرتی ہیں لیکن ان کی پرواز کو مستحکم کرنیوالا کوئی نہیں چند غزلوں میں سے :-

کیا بے بال و پر صیاد تو نے آشیاں پھونکا　　　　اب اتنی تو اجازت دے کہ میں آہ و فغاں کر لوں

شب غم میں ستاروں ہی کو اپنا رازداں کر لوں　　　　انھیں سے داستان درد دل اپنی بیاں کر لوں

بہار آنے کو ہے صیاد و گلچیں بدگماں کیوں ہو　　　　ارادہ ہے بنالوں آشیاں اپنا بیاباں میں

نہ آسے جیتے جی جو مرہم زخم جگر ہوکر　　　　لگا تھا تیر اک دل میں کبھی لیکن خبر کیا تھی　　　　بڑھا جب کیف تو مینا و مے نظر سے پنہاں تھے

وہ کیا خاک آ بنگے تیرے پہ میری چشم تر ہوکر　　　　خلش سینے میں رہ جائیگی یوں درد جگر ہوکر　　　　زباں پر رہ گیا ساقی ہی ساقی بے خبر ہوکر

نہ ہے اب فکر آزادی نہ ہے بیم گرفتاری　　　　عجب آرام ہم کو ملگیا بے بال و پر ہوکر

"زباں پر رہ گیا ساقی ہی ساقی بے خبر ہوکر" اس مصرع میں عجیب کیفیت ہے۔ فراوانی کیف میں قاعدہ ہوتا ہے کہ پھر کچھ نظر نہیں آتا لیکن زباں پر رہ گیا ساقی ہی ساقی ہی سے جو عالم پیدا ہو گیا ہے وہ نہایت پر کیف ہے۔ پھر فرماتی ہیں۔

امید کی کشتی ہے لہروں کی کشاکش میں　　　　ہے یاس کے دریا میں یارب کہیں ساحل بھی

تب لطف ہے اے مجنوں ان آہ کے جھونکوں کا　　　　جھٹکے سے اڑا دیں یہ جب پردہ محمل بھی

ارے وہ بار امانت اٹھا لیا میں نے　　　　کہ آسمان و زمیں بھی جسے اٹھا نہ سکے

نثر نگاری اس زمانے میں نظم کیطرح سہل الحصول خیال کر لی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جسقدر نثر نگاری مشکل ہے اتنی ہی نظم نگاری آسان ہے۔ جمال بھی نثر لکھتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں، ان کی تحریر میں یہ ہے کہ کبھی کافی لطیف اور وقیع ہو جائیگی، زبان کہیں کہیں تقلید کی وجہ سے مہمل سی ہو جاتی ہے لیکن جہاں وہ اظہار خیال کے لئے یہ زبان پسند کرتی ہیں وہاں ضرور کامیاب ہو جاتی ہیں۔

"فضائے بسیط میں دریائے نور لہریں لینے لگا۔ صبح مسکراتی اور ہنستی چلی آتی ہے۔ ساغر فضا مے ارغواں سے لبریز ہے۔ رنگ گل شبنم کی زینت کا بن رہی ہے۔ نیم باز نرم و نازک کلیاں کھل کھل کر پیغام سحر لا رہی ہیں۔ مگر میرے کاشانہ آرزو کی شب تار میں کب تیرا پرتو عارض تاباں پیغام سحر لائیگا۔ تھکے ہوئے پرند کی طرح آفتاب آشیانہ مغرب میں پہنچکر اطمینان کی سانسیں لینے لگا۔ کشتیاں دریا کی لہروں پر رقص کرتی ہوئی ساحل پر لگ گئیں۔ برف پوش مرغابیاں سہانے آبشاروں میں بازو پھیلائے ہوئے ادائے فطرت کے ہمراہ کھیل رہی ہیں۔ چاندکی ایک شعاع سیمیں اس عروس نو کی پیشانی پر اٹکھیلیاں کر رہی ہے۔ جو شانوں پر گیسوئے پیچاں کھولے ہوئے حسن ناز آفریں کی رنگینیاں آئینہ جو میں دیکھکر مسکرا رہی ہے۔ مور اپنے خرام سے سبزہ کو پامال کر رہا ہے۔ مگر میرے سبزہ زار تمنا میں کب تیرے نرم و نازک قدم صبا خرام ہونگے؟

معلومات

پیمانہ نومبر ۱۹۲۵ء

خلاصۃ الباب :-

تاریخی تحقیقات

(۱) جبل سینائی یا کوہِ طور
(۲) دیپک کا آتشیں راگ اور اس کی اصلیت
(۳) متحجر ہڈیاں
(۴) آثارِ قدیمہ
(۵) رنگ تبدیل کرنے والے پرندے
(۶) ابوالہول
(۷) حوادث کونیہ
(۸) کوائفِ محلیہ

ہشام میرٹھی

ایڈیٹر

تاریخی تحقیقات

جبل سینائی یا کوہ طور

کوہ طور پر خانقاہ سینٹ کیتھرائن بنی ہوئی ہے۔ دور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عظیم الشان قلعہ اس پہاڑ پر بنا ہوا ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ۵۳۰ء میں شاہ روم نے یہاں قلعہ بنوایا تھا۔ اس لئے کہ اس خانقاہ کے عابدوں اور گوشہ نشین زاہدوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ہم کو مسلمانوں سے عموماً اور لیٹرے عربوں سے خصوصاً بچایا جائے۔ چنانچہ خانقاہ کے گرد نہایت مستحکم فصیل بنوائی گئی جو دور سے دیکھنے پر قلعہ معلوم ہوتی ہے۔

تواریخ مذہبی اور سیر کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں جبل موسیٰ کے چاروں جانب ۶ ہزار عیسائی رہبان اور گوشہ نشین زاہدوں سے کم سکونت پذیر نہ تھے۔ چنانچہ پانچسو یا چھ سو برس کا زمانہ گذرا چودھویں صدی عیسوی میں بھی یہاں (جزیرہ نمائے سینائی) میں سات خانقاہیں موجود تھیں۔ ان ساتوں میں سے ایک ہی خانقاہ سینٹ کیتھرائن کی تھی جسمیں چار سو فقراء گوشہ نشین تھے۔ سترہویں صدی عیسوی میں صرف یہی ایک خانقاہ تمام جزیرہ نمائے سینائی میں باقی رہ گئی۔ اسلئے چار سو فقراء میں سے صرف ۶۰ گوشہ نشین رہ گئے۔ آجکل صرف ۲۰ زاہد موجود ہیں۔ ان کا سربراہ تمام صدر نشین ایک آرک بشپ (پادری اعظم) ہے۔ اس آرک بشپ کو بھی زہاد و عباد اپنے میں سے ایک کو منتخب کر لیتے ہیں۔

یہ خانقاہ ہمیشہ سے یونانی کلیسا کے پیرو عیسائیوں کی ہے۔ اس لئے یہاں کے عباد اور زہاد نہایت سخت قواعد کے پابند ہیں۔ یہ خانقاہ صرف ایک تنہا عمارت نہیں ہے بلکہ یہ ایک چھوٹے قصبہ کی مانند ہے۔ چونکہ اسکی جائے وقوع ایک بالکل سنسان اور غیر آباد جگہ ہے۔ اس لئے لازماً انسانی ضرورت کی ہر ایک چیز یہاں بہم پہونچا دی گئی ہے۔ اس خانقاہ میں ایک تو گرجا اور دوسرا کتب خانہ یہ دونوں بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ اس قلعہ کی فصیل کے اندر ایک پورا گاؤں مع تمام ضروری چیزوں آدمیوں اور پیشہ وروں کے آباد ہے۔ زائرین کے مکانات بالکل مختصر مگر صاف ہیں۔

خانقاہ کے پاس تھی بالکل خانقاہ کے اوپر پہاڑ میں پانی کے چار چشمے جاری ہیں جنمیں پانی ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ بلکہ اس کثرت سے پانی موجود ہے کہ خانقاہ کے فقیر اُن سے اپنے میوہ جات اور نوا کہات کے باغ کی آبپاشی بھی کر لیتے ہیں۔ اس خانقاہ اور اسکے آس پاس کی جزئیں بمشکل تین دن میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ گرجا گھر قابل دید عمارت ہے اصل میں اس کو جسٹینن نے تعمیر کرایا تھا۔ بعد ازاں ہر ایک صدی میں جسقدر بادشاہ ہوتے رہے وہ اس کی تعمیر میں زیادتی کر کے اس کو خوبصورت بناتے رہے۔ یہانتک کہ اب یہ گرجا اس زمانہ میں ایک سچے موتی معلوم دیتا ہے۔ اس خانقاہ کے کتب خانہ میں بے شمار قلمی کتابیں جو نہایت خوشنما اور خوبصورت ہیں موجود ہیں۔

خانقاہ کے باغ میں فقرائے خانقاہ نے وہی درخت نصب کئے ہیں جو اُن کے وطن یونان میں کثرت سے ہوتے ہیں گویا انھوں نے

اپنے وطن کی یاد کو تازہ کرنے کا یہ ذریعہ سوچا کہ اپنے وطن کے درخت میوہ جات کی یہاں کاشت کرائی جائے۔ چنانچہ جزیرہ نما سینائی کے مخصوص میوہ جات اور پودوں کو چھوڑ کر اس باغ میں زیتون۔ سیب۔ بادام۔ نوبانی۔ لیمو۔ اور انگور بکثرت پیدا ہوتے ہیں سبز ترکاری بھی بہت ملتی ہے۔

اسکے علاوہ خاص زیارت گاہ جبل موسیٰ ہے۔ یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۷ ہزار ۳۶۳ فٹ بلند ہے لوگ اسکی چوٹی تک برابر چڑھے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی، اور اسی لحاظ سے اس پہاڑ کو کوہ قانون یا جبل شرع بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کا حصہ زیریں سُرخ اور بالائی حصہ سفید ہے۔ اس پہاڑ کی جنوبی طرف ایک ہزار فٹ سے زیادہ گہرائی اور اُترائی ہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر ایک مسجد اور ایک گرجا بنا ہوا ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اسوقت کھڑے ہوئے تھے کہ جب اُن پر اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی پڑی تھی۔ اور مسجد کے نیچے جو غار ہے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن اور چالیس راتیں اعتکاف میں گذاری تھیں۔ پہاڑ کی چوٹی سے جو تک نظارہ نہایت عمدگی اور خوشنمائی سے نظر آتا ہے

قلعۂ کود سے خانقاہ تک اور پھر چوٹی پر جانے کے لئے ایک پہاڑی کرارہ اونچا راستہ ہے۔ اس راستہ میں دو ہزار سے زیادہ ناہموار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان سیڑھیوں کو پہاڑ کے پتھروں کو کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اور ان کا نام راستہ سیدنا موسیٰؑ ہے۔
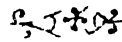
دیپک راگ اور اُسکی اصلیت

ایک مرتبہ اکبر سے بیربل نے دریافت کیا! جہاں پناہ، دیپک کا نام ہی نام سُنا ہے کبھی آجتک کسی کو اُس کا ماہر نہ پایا۔ اگر اس علم کا کوئی واقف ہوتا تو حضور کے عہد مبارک میں ضرور نظر آجاتا۔ یا تو دیپک سرے ہی سے غلط ہے، کیونکہ پانی کو آگ کیونکر لگ سکتی ہے اور یا اب اسکا جاننے والا ہی دنیا میں نہیں،

اکبر نے جواب دیا دیپک کے وجود سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا البتہ یہ ممکن ہے کہ آجکل اسکا جاننے والا کوئی نہو۔

تان سین بھی دربار میں حاضر تھا فوراً بول اُٹھا، حضور نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل درست ہے، دیپک کا اصل غلط نہیں، رہی بات کہ اسکا جاننے والا نہیں ممکن ہے نہو۔ لیکن حضور کے اقبال سے میں واقف ہوں۔

یہ سُنکر تمام مجلس نے دیپک سننے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ دریاے جمنا کے کنارے محفل آراستہ کی گئی، تان سین دریا میں اُترا، اور جب ناف تک پانی میں پہونچ گیا تو گانا شروع کیا، جلال الدین ترہانی نے اپنی تاریخ میں اس دلچسپ و حیرت انگیز واقعہ کے متعلق یوں لکھا ہے کہ تھوڑے سے وقفہ کے بعد پانی سے آگ کے شعلے نکلنے لگے اور جب وہ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگے اور پانی پلٹنے لگا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا دریا میں آگ لگ گئی ہے اور جمنا خاکستر ہونے والی ہے۔ تمام لوگ یہ آتش خیز نظارہ دیکھکر کانپ اُٹھے۔ اکبر کے حکم سے تان سین دریا سے باہر نکل آیا اور یہ شعلہ فشانی ختم ہوگئی۔
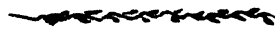
متحجر ہڈیاں سمندر اور زمین کی تہ میں سے مدتوں کی دبی ہوئی اور پتھر کی طرح سخت شدہ ہڈیاں اکثر کہیں نہ کہیں سے نکلتی رہتی ہیں۔ طبقات الارض کے علماء اور محققین ان کو مدتوں کے بعد کھود کر زمین کے اندر سے نکالتے ہیں اور اُنکے حالات معلوم کرتے رہتے ہیں۔ کہ ہزاروں برس پہلے سمندر میں کس قسم کے جانور موجود تھے۔ دریائی جانوروں کے علاوہ جانوران خشکی کے بقیہ اجسام بھی کبھی شاذونادر اسی طرح سمندر کی تہ یا ریت میں دبجاتے ہیں۔ لیکن یہ اُس مٹی میں زیادہ تر نکلتے ہیں جو جھیلوں اور بڑے دریاؤں کے ڈلٹاؤں میں جیسا کہ مُلک بنگالہ ہے جم جاتی ہے۔

ایسے جانوروں کے ڈہڑ کو نظر غور سے دیکھنے سے ثابت ہوا ہے کہ اگلے زمانہ میں جو جانور تھے اُن سے اس زمانہ کے جانور بدرجہا مختلف ہیں۔ چنانچہ بعض عجائب خانوں میں ایسے ہاتھیوں کے پنجر موجود ہیں جو آجکل کے ہاتھیوں سے کئی باتوں میں مختلف تھے۔ اسی قسم کا دہڑ ایک اور چوپایہ کا پایا گیا ہے جس کی گردن اونٹ کی مانند چھ گز لمبی تہی۔ اور اسی طرح دُم بھی نہایت لمبی تہی۔ یہ جانور اسقدر لمبا تہا کہ اگر آجکل موجود ہوتا تو درخت کھجور کی کھجوریں توڑ کر کہا سکتا تہا۔ بحالیکہ پچھلے پاؤں اور دُم زمین ہی سے لگی رہتی۔ اسی قسم کی ہڈیاں جب زمین کے اندر عرصہ دراز تک دبی رہتی ہیں اور سڑا گلنے نہیں پاتی تو جوف زمین کی حرارت رفتہ رفتہ اُن کو پکا کر سخت اور اُن کے ذرات کو پتھر کی مانند کردیتی ہے۔ اور پھر یہ ہڈیاں ہزاروں سال امن وامان سے دبی پڑی رہتی ہیں۔

موضع میلی ضلع ہوشیارپور میں زمین کے اندر سے اسی قسم کی متحجر ہڈیاں کچھ عرصہ ہوا قدیم زمانہ کے طویل القامت آدمیوں کی اسقدر لمبی برآمد ہوئی ہیں کہ صرف پنڈلی کی ہڈی تین گز لمبی تہی۔ یہ ہڈیاں موضع مذکور سے عجائب خانہ کلکتہ کو روانہ کردی گئی ہیں۔

آثار قدیمہ امریکن محققین آثار قدیمہ نے قرطاجنہ کے کھنڈروں میں ایک کمرہ کھود کر نکالا ہے جسکے اندر بہت ہی عجیب وغریب چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔ فرش کمرہ رنگین پچی کاری کا ہے اور اسمیں علاوہ دیگر اشیاء کے دو نایاب تصویریں برآمد ہوئی ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ چوتھی صدی مسیح کی طیار کردہ ہیں۔ ان میں سے ایک تصویر خشکی کے شکار کئے ہوئے ایک سُور کی ہے۔ اور دوسری ایک کُتے کی ہے جو زرہ پہنے ہوئے ہے۔ غالبًا یہ زرہ اس لئے کُتے کو پہنائی گئی ہوگی کہ وہ خود کو سُور کے تیز دانتوں سے بچاسکے اور شکار کرنے میں اُسے نقصان نہ پہونچے۔

کمرہ کا طول سات گز اور عرض پانچ گز ہے۔ ان تصویروں کے علاوہ بچوں کو دودھ پلانے کی رنگین دودھ دانیاں بھی کمرہ کے اندر ملی ہیں جنکی ساخت سات سو برس قبل از مسیح بیان کیجاتی ہے۔ وارنش بھرے ہوئے چند نہایت خوبصورت برتن بھی نکلے ہیں۔

رنگ تبدیل کرنیوالے پرندے لندن کے چڑیا گھر میں افریقہ سے دو ایسے پرندے آئے ہیں جنکے پروں کا رنگ قرمزی ہے اگر ان پروں کو زوردار بارش میں رکھا جائے تو اُنکی رنگت گلابی ہوجاتی ہے اگر یہ پر اُبلتے ہوئے پانی میں ڈالدئے جائیں تو ایک خاص قسم کا رنگ حاصل ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر ان پرندوں کے رنگ نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔

ابوالہول

اس بُت کو عربی زبان میں "ابوالہول" اور انگریزی میں (Sphinx) کہتے ہیں، بُت تراشی کا بہترین نمونہ ہے، جو ایک عظیم الشان چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے، اس بُت کی شکل عجیب و غریب ہے، نیچے کا دھڑ شیر کی مانند اور اوپری حصہ انسان کا سا ہے۔

اس کا سر چہرہ وغیرہ زنانہ صورت پر ہیں، چہرہ پر صناع نے اس خوبصورتی سے رنگ دیا ہے، کہ بالکل اصل چہرہ معلوم ہوتا ہے یہ رنگ بھی باوجود مدت دراز گزر جانے کے آج تک باقی ہے۔

اس کی بلندی چوٹی سے لیکر زمین تک ۷۰ فیٹ ہے۔ اور لمبائی تقریباً ۱۳۰ فیٹ ہے، چاروں ٹانگیں ۵۰ فیٹ کی ہیں اور مجموعی قطر ۱۰۵ فیٹ ہے، عرض ۳۳ فیٹ ہے، چہرہ ۱۲ فیٹ، منہ ۷ فیٹ، ناک ۵ فیٹ ۶ انچ اور کان ۴ فیٹ ۶ انچ کے ہیں۔

ابوالہول باوجود اس کے اسقدر عظیم الشان ہے مگر با این ہمہ اس کے تمام اعضاء میں ایک عجیب و غریب تناسب ہے، جو بالکل ویسا ہی ہے، جیسا کہ خود قدرت شیر کے جسم اور انسانی چہرہ میں رکھتی ہے۔

یہ چہرہ جب اپنی اصلی حالت میں ہوگا تو نہایت جمیل و خوشنما ہوگا۔ موجودہ زمانہ میں اس کا چہرہ بہت بگڑ گیا ہے آنکھیں بالکل خراب ہوگئی ہیں، اور کان ٹوٹ گئے ہیں۔

سنہ ۱۳۸۰ء میں ایک شخص محمد نامی نے جس کا تعلق خاندان مذہب سے تھا یہ خیال کرکے کہ اہل مصر ابوالہول کی پرستش کرتے ہوں گے، اس کے توڑ دینے کا ارادہ کیا، مگر اس کا توڑنا آسان کام نہ تھا اس لئے صرف اس کے چہرہ کے بگاڑ دینے پر ہی اکتفا کیا۔

ہشام میرٹھی

حوادثِ کونیہ

(ماورائے ہند کے اہم واقعات کا ضروری خلاصہ)

کارزارِ ریف غازی امیر عبدالکریم اور چراغ الہ دین:- اب ایک حقیقت ہے اور عبدالکریم کی خدمت کرتا ہے، یہ شخص اس قوم کا ایک مشہور فرزند ہے جس نے الہ دین اور اُس کے چراغ کے متعلق عجیب و غریب فسانہ ایجاد کیا تھا اب یہ شخص جدید سائنس کی طرف متوجہ ہوا ہے اور لاسلکی سے عجیب عجیب کام لے رہا ہے۔ (پاپولر واز لیس)

جنگ بلغاریہ کا شروع لندن ۲۲ اکتوبر، صوفیہ سے اخبار ٹائمس کا نامہ نگار لکھتا ہے- ،، بلغاری سرحد پر یونانیوں نے حملہ کر دیا۔ بلغاری چوکیاں پیچھے ہٹ آئیں سرحد کے باشندوں نے جن کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے اور جن کے پاس کچھ نہیں اپنے وطن کو خیرباد کہہ دیا ہے، یونانی بلغاری حد میں ۵ میل تک چلے آئے ہیں اس وقت تک ۸ بلغاری زخمی ہوئے ہیں، اور ۸ مارے گئے ہیں۔

افغانستان اور روس کے مابین تجارت ماسکو ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء، تمام زراعتی اور خام اشیا کی درآمد لیسنس کے بغیر روس سے افغانستان اور افغانستان سے روس ہوا کریگی- وزیر تجارت ممالک خارجہ نے اعلان کیا ہے۔

لندن ۲۵ ر اکتوبر سنڈے ٹائمز، ہندوستان کے آئیندہ والیسرائے کا اعلان عنقریب ہونیوالا ہے۔ غالباً مسٹر وڈ وزیر زراعت یا لارڈ ڈیوسٹس پرسی مقرر ہوں گے۔

کراچی ۲۴ ر اکتوبر بوشہر کا ایک نامہ نگار بحری تار کے ذریعہ اطلاع دیتا ہے کہ خلیج فارس میں سخت ترین طوفان آیا ایک ہزار جانوں کا نقصان ہو گیا۔ ۱۴۸ جہاز ڈوب گئے بحرین اس کا مرکز تھا دوسرا پیام ہے کہ اُن جانوں کا تخمینہ جو ضائع ہوئیں کو ، ، سات ہزار کیا جاتا ہے۔

آکسفرڈ ۳۱ ر اکتوبر مجلس اقوام کی کونسل میں اُس کمیشن کی رپورٹ پیش ہونیوالی ہے جو یونانی اور بلغاری سرحد پر خود گیا تھا۔ مسٹر چمبرلین اور موسیو بریان قضیہ کے اس خوشگوار خاتمہ پر اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

آکسفرڈ ۳۱ ر اکتوبر بلغاریہ کے جس علاقہ پر یونانی قابض ہو گئے تھے بلغاری فوجوں نے آج ہر برطانوی فرانسیسی۔ اطالیانوی سیاسی اتاچیوں کی نگرانی میں اپنے علاقوں کو واپس لے لیا ہے۔

ایران میں شہنشاہیت کا خاتمہ اور جمہوریت کا قیام

طہران ۳۰ اکتوبر قومی مطالبات پر غور کرنے کے لئے ایک مجلس قایم ہوئی باہر گولیاں چل گئیں اور اجلاس ملتوی کر دیا گیا

طہران ۳۰ اکتوبر۔ مجلس نے ۵ اکراہ خاندان قاچار کو معزول کرنے کی تجویز منظور کر دی اور قومی نظام دستوری کے ماتحت عارضی حکومت سردار رضاخان کے سپرد کر دی مستقل حکومت قایم کرنے کا حق جمعیت خلق کے ہاتھ میں چھوڑا ہے

برطانوی خیبر ریلوے پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد ۵۰ میل لائین تیار ہو گئی ہے۔ خود وایسرائے اسکا افتتاح کرنے والے تھے مگر بی بی کی علالت کی وجہ سے معذور رہے یہ لائین کروڑوں روپیہ صرف کر کے کیوں بنائی گئی ہے؟ اس سوال کی اہمیت کا جواب سٹیٹ مین کلکتہ کا ایک بیان دیتا ہے وہ لکھتا ہے:

> کہ صلح افغانستان سے پہلے گورنمنٹ ہند نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس دفعہ بغیر کسی عذر کے خیبر ریلوے تعمیر کی جاسے گی تاکہ افغانستان یا آزادی اس کے بعد حکومت برطانیہ پر حملہ نہ کر سکیں۔

لندن یکم نومبر قسطنطنیہ کا ایک پیام ہے کہ جمہوریہ ترکیہ کی سالگرہ کے موقعہ پر ایک بزم رقص منعقد کی گئی مصطفےٰ کمال پاشا کی طرف سے باقاعدہ دعوت دی گئی ترکی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے خواتین سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے سروں کو دوپٹہ آتار دیں چنانچہ انہوں نے اسکی تعمیل کی یہ بزم چند گھنٹے قائم رہی۔

بیروت ۴ نومبر جبل تیبون اور فونیطرہ کے درمیان نیم معرکہ آرائیاں ہوئیں اور جہاز ریلوے کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن اب پھر اس کی مرمت ہو رہی ہے،

سانحاتِ دمشق فرانسیسی درندوں نے دمشق کے ان نوتیر جو مظالم روا رکھے وہ انسانیت اور اصول حیات کے کیسر خلاف تھے یہ واقع ہوتے ہیں کہ فطرت نہایت خاموشی کیساتھ ان کی نقل و حرکت کا معائنہ کرتی رہتی ہے اور آخر وہ اپنے انتقامی ہاتھوں سے ظالم کا فیصلہ کر دیتی ہے یہ صحیح کہ دمشق اور فرانس کے بین تمدنی اور سیاسی جنگ ہے لیکن بالیسی حالتیں فطرت کی الوہیت خاموش رہ سکتی ہے اور کیا اسے عالم میں انکو بے کم مائگی فراموش کر دینی چاہئے؟ آج دمشق کے جوار کی ہر سانس انتقام کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ شام کا یہ جوش انتقام جس نے اُسے زمین سے اُبھار کر ہوا میں معروف طیر کر دیا کچھ نہ کریگا۔ قریب ہے وہ وقت قریب ہے کہ فطرت انصاف کرے اور فرانس ذلیل موت حاصل کرے

پیرس ۱۱ اکتوبر آج شام کو وزارت فرانس کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جسمیں حالات شام پر غور کیا گیا۔ اجلاس جب ختم ہوا تو سب خاموش تھے معلوم ہوتا ہے کہ جنرل سارائی[1] کو جوابدہی کیلئے بلایا گیا ہے، گویا اس کے یہ معنی ہوئے

اللہ عجب میری بربادی سے نالاں ہیں ؛ وہ اپنی جفاؤں پر اب خود ہی پشیماں ہیں

---

[1] فرانس نے یہ طے کر دیا کہ جنرل سارائی کو واپس بلا لیا جائے اور ایک سول ہائی کمشنر بھیجا جائے۔

کوائف محلیہ

(ہندوستان کے مخصوص واقعات اور خبریں)

اس باب میں ہم سب سے پہلے ضلع "بلاری" کا جھگڑا ثبت کرتے ہیں۔ افسوس ہندوستان کی بہیمیت خدا معلوم کب فنا ہوگی۔

(ایڈیٹر)

مدراس ۲۴ اکتوبر۔ اشنگی میں بلوہ ہوا اجتماع کی عظمت اور اس کے انتشار نے پولیس کو مجبور کر دیا کہ وہ فائر کرے۔ بلوائی پولیس پر بھی حملہ آور ہوئے معلوم ایسا ہوتا تھا کہ حملہ کی تیاری پہلے کر لی گئی تھی۔ تین بلوائی مارے گئے تین سخت زخمی ہوئے اور گیارہ خفیف۔ پولیس کے دو سپاہی سخت زخمی اور تین کسی قدر کم زخمی ہوئے۔ چوٹیں اور سپاہیوں کے بھی آئیں۔

الہ آباد ۲۴ اکتوبر۔ اس جرم پر کہ ویشرانند سرسوتی اخبارات میں ایسے مضامین لکھا کرتے تھے جن سے ارباب وطن میں نفاق وفساد کا اندیشہ تھا مجسٹریٹ ضلع دہرہ دون نے سزائیں پندرہ ماہ محض قید اور ۹ ماہ قید سخت کی سزا دی ہے دونوں سزائیں ساتھ ساتھ شروع ہونگی۔

بمبئی ۲۶ اکتوبر۔ حجازی وفد جو ان نفوس پر مشتمل ہے مولانا ظفر علی خاں مولانا محمد عرفان مدیر "الجمعیۃ" مسٹر شعیب قریشی ۲۶ کی دوپہر کو "جہانگیر" جہاز میں رابغ روانہ ہو گیا۔ حجازی وفد ابن سعود کے سامنے حجاز میں ایک جمہوری حکومت کے متعلق ہندوستانی مسلمانوں کے جو جذبات ہیں انہیں پیش کرے گا اور مقامات مقدسہ کے انہدام کی جو افواہیں ہیں ان کی تصدیق کریگا حجاز کی آئندہ حکومت کو طے کرنے کے لئے ایک موتمر کے منعقد کرنے کے لئے ابتدائی انتظامات بھی کرے گا۔

ہز ایکسلینسی - غازی نخری پاشا سفیر انگورہ (متعینہ کابل) سیاحت ہند کی غرض سے ہندوستان تشریف لائے ہیں، دو ماہ کے بعد پھر آپ تشریف لے جائینگے، ہندوستان کے مختلف و مشہور ترین ملکوں کا نظارہ مقصود ہے سفر موٹر کے ذریعہ ہوگا آپ کے ہمراہ آپ کے بچے اور اہلیہ بھی ہونگی۔ مسٹر نامیڈو کے فرزند سعید میاں نے اسلام قبول کر لیا۔

کلکتہ ۸ نومبر۔ کلکتہ کے شمالی حصہ میں بہ سلسلہ شکار ایک عورت کے مکان میں سخت حادثہ ہو گیا ایک عورت اور تین بنگالی مر گئے، بنگالیوں میں کسی بات پر جھگڑا ہونے لگا، ایک نے دو کو پستول سے فنا کر دیا۔ عورت بیچ بچاؤ کے پھیر میں آکر فنا ہو گئی اور ان تینوں کے قاتل نے بھی خود پر پستول کا فائر کر لیا۔

زعفران زار

میونسپلٹیاں میمبروں کے انتخاب میں اگر "التوند" اور "الپیٹ" والوں کو مستثنیٰ کردیں تو یقیناً شہریوں کے حقوق کی حفاظت ہوسکتی ہے، اور ناجائز روپیہ ہضم نہیں ہوسکتا۔ جتنا خرچ ٹوٹی ہوئی کرسیوں کی مرمت میں برداشت کیا جاتا ہے وہ ایسے لوگوں کو بطور پینشن گھر بیٹھے کیوں نہیں دیدیا جاتا۔ دہن [illegible] بہ لقمہ [illegible] بہ۔

اب یتیم خانے قریب قریب ہر شہر میں ناکام اور بیکار ہیں، اسلئے کہ یتیموں کا حق اب اُن مولویوں نے ہضم کرنا شروع کردیا ہے جو یتیموں کی نگرانی کے ذمہ دار ہیں، خدا اُن کو یتیم ہی کیوں نہیں کردیتا۔

لغات القوم میں "المولوی" وہ ہے جو عمامہ باندھ کر اور ڈاڑھی بڑھا کر مرغن کھانے کھا سکے، اور کسی اخبار کی ایڈیٹری کرسکے، "المُلّا" وہ ہے جو اہلِ محلہ کو مشورے دے کہ سوائے گوشت کے کوئی چیز شام کو پکانا خلاف شرع ہے اور مغرب کی نماز دیر میں پڑھنا غیر مسنون اور "الواعظ" اُسے کہتے ہیں جسے مغلظات کی پوری طلسم ہوشربا یاد ہو۔

جوبلی کے ارباب حل و عقد نے شعرائے مدعو کے طعام اور سواری کا انتظام اپنے ذمہ نہیں لیا ہے مگر جو شاعر غیر مدعوین انہیں (Class II) سکنڈ کلاس کا ایک سفر خرچ دیا ہے کیا ہمارے شہر کا کوئی شاعر اس معمہ کو حل کرسکتا ہے۔

دل فروشی کا بازار اب گرم ہے بجائے دواؤں کے آجکل بعض حکیموں کی دکانوں میں صرف "دل" چُنے ہوئے نظر آتے ہیں کسی مغنیہ کے گھر پر بھیجدیجئے۔ جلدی بک جائیں گے۔ ورنہ اس سودے کا سہی کہیں حکمت کا "ہول دل" نہ ہوجائے۔

شکایتی خطوط میں سب سے زیادہ لطیف اور قابل لحاظ خط وہ تھا جسمیں نہایت سادگی سے کسی نے لکھا تھا کہ "یا الٰہی یہ منیجر صاحب ہمیشہ مجھی کو کیوں بھول جاتا ہے اور سب کے پاس پیمانہ بھیج دیتا ہے۔"

"س"

الہامات

پیمانہ

نومبر ۱۹۲۵ء

خلاصۃ الباب :-

(۱) سید کلب احمد مآنی جائسی

(۲) پروفیسر اکبر خاں حیدری

(۳) سید قمر الحسن بدایونی

(۴) مولانا احمد امیر صاحب امیر بدایونی (رئیس اعظم)

کلام المشاہیر تازہ ترین و غیر مطبوعہ

حضرت مانی جائسی

نظر نواز جو اسے برق طور تو ہو جائے　　تسلی دل ناکام آرزو ہو جائے
وفا کی داد یقیناً ملے گی لیکن کب　　کہ جان اہل وفا صرف آرزو ہو جائے
ہے ضبط خوب، مگر آہ کیسے ممکن ہے　　کہ آنکھ سے نہ بہے دل اگر لہو ہو جائے
نہ جانے کیا ہو، وہ دیدپہ نہ جاؤ کلیم　　یہ کم نہیں ہے کہ وا باب گفتگو ہو جائے
قریب دل اگر آتی نہیں رگ گردن　　تو دل ہی کھچ کے قریب رگ گلو ہو جائے

حضرت اکبر حیدری

خون دل کی سرگذشت مختصر　　چند آنسو اور وہ بھی مختصر
نشتر جذبات ہے تیری نظر　　آرزوئیں ہیں پیام نیشتر

دل کی ہر جنبش سکون آغوش ہے　　لطف فرسا لطف دزدیدہ نظر
ضبط خودداری کو ابتک ہوش ہے　　رحم کر اے چشم میگوں رحم کر

اسطرف تیری نظر کی مستیاں　　اسطرف ضبط دوا او چارہ گر
اسطرف اک ارتعاش بدگماں　　اسطرف کچھ آرزوئیں معتبر

یاس ہے اور چارہ سازی کا خیال　　اے طلسم آرزو اب در گذر
درد ہے اور درد بھی حد سے فزوں　　دیدنی ہے اب شکست چارہ گر

مستند ہے قول اکبر ہر کہیں
پاک باطن رند ہے اور معتبر

حضرتِ قمر بدایونی

ضبطِ فغاں کی قید کو دلگیر کیا کرے
دل ہے نہ جوشِ درد تو تاثیر کیا کرے

وہ شام ہی سے غیر کے ہمراہ چلا ہے
اسکا علاج نالۂ شبگیر کیا کرے

اک خوبرو کو جان کا دشمن بنا دیا
اب اور میری خوبیٔ تقدیر کیا کرے

ہے انحصار خواب کا میرے خیال پر
ایسے میں خواب کیا کرے تعبیر کیا کرے

یہ سچ سہی کہ مر کے قرار آئیگا مگر
مرنے سے پہلے عاشقِ دلگیر کیا کرے

اس کی طلب ہی دل میں ہے خوفِ رقیب بھی
اس دل سے جو دعا ہو وہ تاثیر کیا کرے

سودا جو میرے سر میں ہے وہ سر کے ساتھ ہے
اسکا علاج پاؤں کی زنجیر کیا کرے

مجبور دل کے صبر نے بدحال کر دیا
اُلجھے نہ اب تو زلفِ گرہ گیر کیا کرے

عاشق کا قتل خود اُنھیں مدنظر نہیں
تیغِ نظر کے سامنے شمشیر کیا کرے

تیرِ نگہ کی زد میں ہو تو کرے اس سے احتیاط
تیرِ نگاہِ ناز کو نخچیر کیا کرے

عاشق نے دل تو دیدیا اب سر ہی نذر ہے
اور اس سے بڑھ کے حسن کی توقیر کیا کرے

تقدیر میں ہو چین تو نالے اثر کریں
بدقسمتی کے سامنے تدبیر کیا کرے

باقی ہیں زندگی کی بلائیں ابھی قمر
قاتل کا کیا قصور ہے شمشیر کیا کرے

مولٰنا امیر احمد صاحب آمیر بدایونی

مبارک بیدلی دورِ جنونِ فتنہ ساماں ہے
گریبانی سے میری خارِ غم دست و گریباں ہے

مرے روزِ وفا کی تیرہ سامانی نمایاں ہے
سیاہی شامِ ہجراں کی لباسِ صبحِ عریاں ہے

گلے ملتی ہے حسرت امتحاں گاہِ محبت میں
ہو کیوں جوشِ عشرت صبحِ عیدِ تیغِ عریاں ہے

ہوئی مدت کہ ہیں بیزار ذوقِ رستگاری سے
کہ اب تو موجِ زنجیرِ وفا طوقِ گریباں ہے

رہا ہو نکہت آسا رنگ و بو کی آزمائش سے
کہ دامِ حلقۂ قیدِ خودی زنجیرِ زنداں ہے

تماشا دیکھتا ہوں اعتبارِ دورِ گیتی کا
نمودِ ہستیٔ عالم مرا خوابِ پریشاں ہے

جنوں گردی میں بھی پائی نہ راحت قلبِ مضطر نے
بیاباں میں ہوں جب سے گھر مرا گھر میں بیاباں ہے

ہے چشمِ تر میں ہر قطرہ ودیعت سوزِ پنہاں کی
صدف میں گوہرِ غلطاں متاعِ دستگرداں ہے

گمانِ دوستی ناحق آمیر اس عشوہ فرما سے
نگاہِ آشنا بازی فریبِ چشمِ حیراں ہے

کافوری جنتری سنہ ۱۹۲۵ء

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کے کارخانہ کی یہ کارآمد جنتری نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر چھپی ہے ۔ جو درخواست کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے ۔

کلکتہ کے نامی ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی

مقوّی باہ کی گولیاں

۴۰ برس سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں، طاقت دینے والی مشہور دوائیں فاسفورس اشکلینا ڈ و میانہ ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں اس نے مغز، ریڑھ، رگ اور خون کو طاقت دینے کا خاص دعویٰ رکھتی ہیں، زیادہ محنت جوانی کی خرابی و بے اعتدالی خواہ کسی وجہ سے ہو ان گولیوں کے استعمال سے اوّل ہی روز فائدہ ظہور میں آتا ہے، بدن میں قوت مزاج میں گرمی معلوم ہونے لگتی ہے۔ چہرہ پر رونق آجاتی ہے جوانی میں ضعیفی کی سی حالت۔ ٹوٹے ہوئے جسم میں دوبارہ جوش لاتی ہیں قیمت تیس گولیوں کی قیمت عہ محصول ڈاک دو شیشی تک ۸؍

مکرّدہج یعنی خالص سونیکا کشتہ

مریض اور تندرست دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ کون ہے جو سونے کے کشتہ کے فائدے سے واقف نہیں۔ فقط حکیم اور وید ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے ڈاکٹر بھی اس کے مداح ہیں یہ سونیکا کشتہ خاص ہمارے کیمیا خانے میں تیار کیا گیا ہے احتلام۔ دمہ بدہضمی و دیگر امراض کے لئے نہایت مفید ہے بدہضمی و دیگر امراض کے لئے نہایت مفید ہے قیمت، خوراک کی ایک روپیہ محصول ڈاک، خوراک سے ۱۲ خوراک تک ۸؍

دمہ کی بے نظیر دوا

یوں تو کوئی بھی مرض ایسا نہیں جس کی تکلیف سے مریض نالاں نہ ہو۔ لیکن افسوس بدقسمتی سے دمہ کے مریض خاص کر نا قابل برداشت تکلیف دمہ سے بہت ہی پریشان ہوتے ہیں اور رات دن سانس پھولنے کے باعث موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ نیند حرام ہو جاتی ہے زندگی کاٹنا دشوار ہوتی ہے ان تمام باتوں سے گھبرا کر مریض بلا سوچے سمجھے بازاری دوا جو شیلی اجزاء دھتورہ دھنگ، بلاڈونا، پوٹاس، اور ڈائنڈ ڈالکر بنتی ہیں جن سے بجائے فائدے موت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے استعمال کر بیٹھتے ہیں۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی دمہ کی دوا انمول جواہر ہے، یہ صرف ہماری ہی بات نہیں ہے بلکہ ہزاروں مریض اس سے شفایاب ہو چکے ہیں، آپنے بہت کچھ خرچ کیا ہوگا، لیکن ایک مرتبہ اسے بھی آزما کر دیکھئے اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہے قیمت فی شیشی عہ محصولڈاک ۶؍ اس دوا کے خاص فوائد یہ ہیں۔

(۱) اوّل ہی خوراک میں فیض دیکھا تاہے (۲) کچھ روز متواتر استعمال کرنے سے دمہ جڑ سے جاتا رہتا ہے (۳) دوا کے دوران استعمال میں مرض کا دورہ نہیں ہوتا۔

ملنے کا پتہ

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن پوسٹ بکس نمبر ۵۴۴ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایجنٹ درگا پرشاد داؤ دیال راوت پاڑہ آگرہ یو۔پی

دارالترجمہ و دارالاصلاح

دفتر "پیمانہ" کا "شعبۂ دارالاصلاح و دارالترجمہ" دو سال سے برابر ملک کی خدمت کر رہا ہے۔ اس عرصہ میں ۴۳۵ غزلیں اصلاح کے لئے آئیں ۵۸ ترجمے ہوئے اور ۱۰۰۰ غزلیں اور نظمیں وغیرہ لکھ لکھ کر بھیجی گئیں یہ ادبی و علمی شعبہ ملکی ضروریاتِ لطیف کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ جب آپ کو فرصت نہ ہو تو اس نوع کی خدمات کے لئے آپ "دارالاصلاح و دارالترجمہ" کو یاد رکھیں۔ ہر چیز وقتِ معیّن سے پہلے پہنچا دی جاتی ہے۔ قدیم و جدید رنگ کی غزلیں نظمیں عمدہ فسانے۔ قصائد قطعات۔ تاریخیں۔ غرضیکہ تمام اقسامِ کلام آپ کے نام سے تصنیف کی جا سکتی ہیں۔ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ ناول تیار ہو سکتے ہیں اشتہارات بنائے جا سکتے ہیں اور

ہر خط بجنسہٖ واپس کر دیا جاتا ہے

دفتر میں حفاظتِ خطوط کا خاص انتظام ہے۔ ہم نے اپنی راز داری کا اعتبار ملک میں قائم کر لیا ہے

شرائط کا ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمائیے پتہ یہ ہے

معتمد شعبۂ دارالاصلاح و دارالترجمہ

دفتر "پیمانہ" آگرہ

جناب سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی نے آگرہ اخبار پریس آگرہ میں چھپوا کر دفتر پیمانہ منڈی حجام آگرہ سے شائع کیا